سٹارٹ-اَپ نیشن

Start-up Nation

اقتصادِ اسرائیل کی معجزاتی کہانی

Dan Senor and Saul Singer

تعارف

حصہ اول: چھوٹی قوم جو کر سکی۔

حصہ دوم: اختراعی ثقافت کا بیج بونا

حصہ سوم: آغاز

حصہ چہارم: ایک بامقصد ملک

نتیجہ: ہائی ٹیک کے کسان

یہ کتاب اس بارے میں ہے کہ کیسے ایک چھوٹے سے ملک اسرائیل نے جدت طرازی اور انٹرپرینیور شپ کو یکجا کیا۔ یہ کتاب ٹیکنالوجی کے متعلق نہیں ہے۔ ہم نے اس میں گو بہت سی ہائی ٹیک کمپنیوں جیسی خصوصیات نمایاں کی ہیں۔

ہمیں گو ٹیکنالوجی کی دلکشی اور اس کے دورِ جدید پر اثرات نے گرویدہ کر رکھا ہے لیکن ہماری توجہ کا مرکز دراصل وہ مربوط نظام ہے جو نئے کاروباری انقلابی منصوبوں کو جنم دیتا ہے۔ یہ کتاب جزوا'' تحقیق، جزوا'' دلیل اور جزوا'' کہانی جیسی ہے ہم نے جن کی شناخت اسرائیل کے ماڈل میں کی ہے۔ قاری شائد متوقع ہو کہ یہ کتاب ان کمپنیوں کے متعلق تاریخ وار ہو گی یا جدت کی خاطر ان مختلف کلیدی عناصر کے متعلق ہو گی۔ ہمیں ان تنظیمی تفصیلی خاکوں سے رغبت پیدا تو ہوئی لیکن ہم نے آخر کار ان تمام کو زیادہ پچی کاری کے پیش نظر مسترد کر دیا۔ ہم تاریخ اور ثقافت کا جائزہ لیتے ہیں اور سمجھنے کی خاطر کمپنیوں کی منتخب کہانیوں کے پیش نظر یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس قدر تخلیقی توانائی کہاں سے آئی اور اس کا اظہار کن شکلوں میں کیا گیا۔ ہم نے ماہرین اقتصادیات سے باقاعدہ ملاقاتیں کیں اور ان کے نکتہ ہائے نظر کا مطالعہ کیا لیکن ہم بحیثیت طلباء اپنا موضوع تاریخ، کاروبار اور جغرافیائی سیاست کی روشنی میں دریافت کرتے رہے۔

ہم میں سے (ڈین) کا پس منظر کاروبار اور حکومت کے متعلق ہے۔ دوسرے صاحب (ساؤل) کا حکومت اور صحافت سے۔ ڈین نیویارک میں رہتا ہے۔ اس نے اسرائیل میں تعلیم حاصل کی اور وہاں رہنے، کام کرنے کے علاوہ عرب دنیا کا سفر کیا۔ ساؤل امریکہ میں جوان ہوُا اور اب یروشلم میں رہتا ہے۔

ڈین نے اسرائیلی کمپنیوں میں سرمایہ کاری کی۔اس کتاب میں اس کی ان کمپنیوں میں سے کسی کا ذکر نہیں سوائے ان چند لوگوں کے جن کے ساتھ ڈین نے سرمایہ کاری کی۔ ہم جہاں مناسب ہوُا توجہ دلائیں گے۔

اسرائیل کیلیئے ہماری تعریف اس ان کہی کہانی کے متعلق ہے جو اس نے معاشی طور پر سرانجام دی اور یہی اس کتاب کو تحریر میں لانے کا محرک بنی۔ ہم ان اطراف کا احاطہ بھی کریں گے جہاں اسرائیل پیچھے رہ گیا۔ ہم نے اسرائیل کی مسلسل کامیابی کو لاحق ان خطرات کا جائزہ بھی لیا جو اکثر قارئین کیلیئے شائد حیران کن ہو کیونکہ یہ وہ پہلو نہیں ہیں جو عموماً ''بین الاقوامی پریس کی زینت بنتے ہیں۔

ہم مختصراً دو دیگر شعبوں کا دِقت نظر سے جائزہ لیتے ہیں: امریکی اختراعی صنعتوں نے اسرائیلی معیشت کے برعکس کیوں امریکی تربیت یافتہ اور تجربہ کار فوجیوں کی کاروباری صلاحیتوں سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھایا؛ اور عرب دنیا کو کاروبارانہ دلیری کے فروغ میں کیا مشکل درپیش ہے۔

یہ موضوعات گو اس کتاب کے دائرہ کار سے باہر ہیں لیکن گہری توجہ کے مستحق ہیں؛ ہر ایک کے متعلق کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

آخر میں، اسرائیل کے وسیع میڈیا کوریج کے باوجود اگر کوئی کہانی چھوٹ گئی تو اس کی یہی وجہ ہے کہ کلیدی اقتصادی پیمائشیں مظاہر ہیں کہ اسرائیل آج کی دنیا میں جدت اور انٹرپرینیورشپ کے سب سے بڑے ارتکاز کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہم نے اس کتاب میں اس رجحان کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔

تعارف

شیمون پیریز نے شائی آگاسی سے کہا:

تقریر تو اچھی ہے لیکن آپ کا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟

یہ دو آدمیوں کا ایک عجیب سا جوڑا تھا جو سوئس الپس میں بلندی پر شیر ٹن سیہوف کے ایک خوبصورت کمرے میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ کسی چھوٹی سی بات سے تناؤ کم کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ محض گھبراہٹ بھری اچٹتی نظروں کا تبادلہ ہی کر سکے۔ بوڑھا آدمی، جواں سال سے عمر میں دوگنا سے زیادہ، بآسانی حوصلہ نہ ہارنے والا، زیادہ پر سکون دکھائی دیتا تھا۔ جواں سال خود اعتمادی کا مظہر تھا جو کمرے میں ہوشیار ترین شخص تھا۔ بار بار مسترد کئے جانے کی بنا پر اس کے ذہن میں شک پیدا ہونا شروع ہوا: کیا وہ واقعی تین میگا انڈسٹریز کی تجدید میں کامیابی سے ہم کنار ہو سکے گا؟

وہ اگلی میٹنگ شروع ہونے کے لیے بے چین تھا۔ یہ واضح نہیں تھا کہ بوڑھا آدمی خود اس قسم کی پریشانی اور ذلت کا خطرہ کیوں مول لے رہا تھا۔ وہ دنیا کا مشہور ترین زندہ فاضل اسرائیلی، دو مرتبہ وزیر اعظم اور نوبل انعام یافتہ تھا۔ تراسی کے پیٹے میں شمعون پیریز کو یقینا'' ایک اور مہم کی ضرورت نہیں تھی۔

ان ملاقاتوں پر صرف کمر بستہ ہونا ہی ایک چیلنج تھا۔ شمعون پیریز سالانہ ڈیووس ورلڈ اکنامک فورم کا مستقل حصہ تھا۔ پریس یہ دیکھنے کا منتظر تھا، ڈرامے کیلئے آسان سا ذریعہ کہ آیا یہ یا وہ طاقتور عربی پیریز سے ہاتھ ملائے گا جو بصورت دیگر ایک پر تکلف کاروباری کانفرنس تھی۔

وہ ان مشہور لیڈروں میں سے تھا جن سے عموماً'' CEO ملنا چاہتے تھے۔ پیریز نے جب ملاقات کیلئے دنیا کی پانچ بڑی کار ساز کمپنیوں کے سی ای اوز کو مدعو کیا تو وہ متوقع تھا کہ وہ آئیں گے۔ یہ ابتدائی 2007 تھا اور عالمی مالیاتی بحران کا افق پر نشان تک نہ تھا۔ آٹو انڈسٹری نے ابھی وہ دباؤ محسوس نہیں کیا تھا اسے جس کا ایک سال بعد سامنا کرنا پڑا؛ امریکن بگ تھری —— جی ایم، فورڈ، اور کرائسلر نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ایک اور اعلیٰ کار ساز پہنچا لیکن اس نے تمام پچیس منٹ یہ واضح کرنے میں صرف کر ڈالے کہ پیریز کا منصوبہ کبھی قابل عمل نہ ہو گا۔

وہ دنیا میں مکمل طور پر اسرائیلی رہنما کی الیکٹرک کاروں کی توہمانہ قسم کی اسکیم سننے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا اور اگر اسے دلچسپی ہوتی بھی تو وہ اسے اسرائیل جیسے چھوٹے ملک میں شروع کرنے کا خواب نہ دیکھتا۔

آٹو ایگزیکٹو نے اپنے دعوت نامے کے ساتھ شائی کے مستند مسودے کا حوالہ دیتے ہوئے پیریز کو بتایا "دیکھو، میں نے شائی کا پیپر پڑھا ہے۔"'' وہ خیالی پلاؤ پکا رہا ہے۔ ایسی کوئی کار نہیں ہے۔

ہم نے بنانے کی کوشش کی لیکن ایسی کار نہیں بن سکتی۔" اس نے ہائبرِڈ کاروں کی وضاحت جاری رکھی جو اس کی نظر میں واحد حقیقت پسندانہ حل تھا۔

پیریز کے ساتھ شائی آگاسی کاروبار کی خاطر بولی دینے والا کم عمر نوجوان تھا۔ اگاسی اس وقت دنیا میں سب سے بڑی انٹرپرائز سافٹ ویئر کمپنی SAP میں ایک ایگزیکٹو تھا۔ اگاسی نے 2000 میں دیو قامت جرمن ٹیک کمپنی میں شمولیت اختیار کی۔ SAP نے بعد میں اس کی اسرائیلی اسٹارٹ ۔۔اپ، TierTop سافٹ ویئر کے نام سے 400$ ملین میں خرید لیا۔ ٹیک بلبلا اگرچہ جلد ہی پھٹ گیا لیکن فروخت نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ چند اسرائیلی کمپنیاں پھر بھی اس کے زمین بوس ہونے سے قبل کی قیمت حاصل کر سکیں۔

اگاسی نے چوبیس سال کی عمر میں TopTier کی بنیاد رکھی۔ وہ پندرہ سال بعد SAP کے دو ذیلی اداروں کا سربراہ بن گیا جو SAP کے بورڈ کا سب سے کم عمر اور واحد غیر جرمن رکن تھا، اور CEO بننے کیلئے مختصر فہرست میں شامل تھا۔ اسے گو انتالیس کی عمر میں انگوٹھی نہ ملی لیکن وہ کافی پر اعتماد تھا کہ کسی دن یہ اسے مل جائے گی۔ آگاسی یہاں اسرائیل کے اگلے صدر کے ساتھ ایک آٹو ایگزیکٹو کو آٹو انڈسٹری کے مستقبل پر ہدایت دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ خود حیران ہونا شروع ہو گیا کہ یہ تمام منصوبہ کہیں مضحکہ خیز تو نہیں اس کا آغاز چونکہ سوچنے کے تجربے سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

اگاسی نے جسے دو برس پہلے "ینگ ڈیووس" یعنی فورم فار ینگ لیڈرز کہا، اس نے گروپ کے سامنے ایک چیلنج کو سنجیدگی سے قبول کیا کہ 2030 تک دنیا کو ایک "بیٹر پلیس" بنانے کا طریقہ دریافت کیا جائے۔ زیادہ تر شرکاء نے اپنے کاروبار کے لیے موافقت کی تجویز پیش کی۔

اگاسی نے ایک ایسا پرجوش منصوبہ پیش کیا جسے اکثر لوگوں نے نادانی سے تعبیر کیا۔ اس نے ہمیں بتایا "میں نے فیصلہ کیا کہ اہم ترین کام یہ ہے کہ کسی ملک کو پٹرولیم سے کیسے نجات دلائی جائے۔"

آگاسی کا خیال تھا کہ اگر صرف ایک ملک کو مکمل طور پر پٹرولیم سے خلاصی مل جائے تو دنیا اس کی پیروی کرے گی۔ پہلا قدم کاروں کو بلا پٹرولیم چلانے کا طریقہ تلاش کرنا تھا۔

یہ اکیلا منصوبہ انقلابی بصیرت نہیں تھا۔ اس نے کاروں کو توانائی مہیا کرنے کیلئے چند غیر ملکی ٹیکنالوجیاں تلاش کیں جیسے ہائیڈروجن خلیات سے ایندھن، لیکن وہ سب ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے دس سال تک دور ہی رہیں گی۔ اگاسی نے آسان ترین نظام پر توجہ مرکوز کرنے کا فیصلہ کیا: بیٹری سے چلنے والی الیکٹرک کاریں۔ یہ ایک ایسا تصور تھا جسے ماضی میں نہائت محدود اور مہنگا سمجھ کر مسترد کر دیا گیا تھا۔

اگاسی نے سوچا کہ اس کے پاس الیکٹرک کار بنانے کا حل ہے جو صارفین کے لیے صرف پہننے والا ہی نہیں بلکہ قابل ترجیح بھی ہے۔ اگر الیکٹرک کاریں اتنی سستی، حسبِ ضرورت اور پیٹرول کاروں کی طرح طاقت ور ہو جائیں تو ایسی کاریں کون نہیں چاہے گا؟

دنیا کی آبادی کے محض ایک ہزارویں حصہ کے برابر کسی چھوٹے مورچہ بند ملک سے کسی شے کے ظہور پذیر ہونے کی روایتی وضاحتیں اسرائیلیوں کو شک میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ کیا ممکن ہے۔ اسرائیل کی حالت کا جوہر اگر "غیر مطمئن" ہی رہنا تھا جیسا کہ پیریز نے بعد میں ہمیں بتایا، تو پھر اگاسی اسرائیل کی قومی اخلاقیات کا نمونہ تھا۔

پیریز کے علاوہ اگاسی شاید اپنے ہی منصوبے کا پیچھا کرنے کی جرات نہ کرتا۔ اگاسی کی پٹرولیم سے آزادی کی تقریر سننے کے بعد پیریز نے اسے بلا کر کہا، "اچھی تقریر تھی لیکن تم کیا کرو گے؟"

آگاسی نے کہا کہ میں اس وقت تک "محض ایک پہیلی حل کر رہا تھا۔"

مسئلہ اب بھی صرف ایک غور و فکر کرنے کا تجربہ تھا۔ پیریز نے واشگاف الفاظ میں اس کے سامنے چیلنج رکھا، "کیا تم واقعی یہ کر سکتے ہو؟ کیا دنیا کو پٹرولیم سے آزادی دلانے سے زیادہ اہم کوئی چیز ہے؟ تم نہیں کرو گے تو اور کون کرے گا؟" پیریز نے آخر میں مزید کہا، "میں مدد کرنے کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟

پیریز مدد کرنے میں سنجیدہ تھا۔ 2006 کے کرسمس کے ٹھیک بعد اور 2007 کے پہلے چند دن میں اس نے آگاسی کے لیے بشمول وزیر اعظم پچاس سے زیادہ اسرائیلی اعلیٰ صنعتی اور حکومتی رہنماؤں سے ملاقاتوں کا اہتمام کیا۔

"ہم ہر صبح اس کے دفتر میں ملتے تھے، میں اسے پچھلے دن کی میٹنگز کے متعلق معلومات فراہم کرتا تھا۔ وہ فون پر اگلے دن کی ملاقاتوں کا لائحہ ءعمل شروع کر دیتا۔" آگاسی نے ہمیں بتایا کہ "میں یہ ملاقاتیں پیریز کی مدد کے بغیر کبھی نہ کر پاتا۔"

پیریز نے پانچ سب سے بڑے کار ساز اداروں کو خطوط کے ساتھ اگاسی کا تصوراتی خاکہ بھی بھیجا جس کی بنا پر وہ سوئس ہوٹل کے کمرے میں اکٹھا ہو سکے، اس بات کے منتظر جوان کا غالبا" آخری موقع ہوگا۔ اگاسی نے کہا، "پیریز نے مجھے پہلی ملاقات سے اب تک صرف اس تصور کے بارے میں بحیثیت سافٹ ویئر آدمی سنا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا؟ لیکن اس نے میری خاطر خطرہ مول لیا۔" پیریز نے ذاتی طور پر ڈیووس کی ملاقاتوں میں پہلی مرتبہ ان لوگوں پر اس خیال کا تجربہ کیا جو فی الواقعی آٹو انڈسٹری سے منسلک تھے۔

وہ انڈسٹری کے جس پہلے ایگزیکٹو سے وہ ملے اس نے نہ صرف ایسے منصوبے پر روح فرسا تنقید کی بلکہ پیریز کو میٹنگ میں، بات چیت کے ذریعے اس منصوبے سے باز رکھنے کی خاطر خواہ کوشش میں گذاری۔ آگاسی کو اس پر

سخت ٹھیس پہنچی کہ "میں نے اس بین الاقوامی سیاست دان کو سرتاپاشرمندہ کیا، میں نے اسے ایسے پیش کیا جیسے وہ کوئی ادھر ادھر کی ہانکنے والا ہو۔"

ان کی دوسری ملاقات رینالٹ اور نسان کے سی ای او کارلوس گاسن کے ساتھ شروع ہونے والی تھی، کاروباری دنیا کا ایسا فن کار جو نقصان کو نفع میں بدلنے کی ارفع شہرت کا مالک تھا۔

برازیل میں لبنانی والدین کے ہاں پیدا ہونے والا جاپان میں نسان کا چارج سنبھالنے کی وجہ سے مشہور ہے جو نہائت وسیع پیمانے پر نقصانات کا شکار تھی۔ اس نے نسان کو دو سال میں منافع بخش بنادیا. متشکر جاپانیوں نے جوابا" اس کی زندگی پر ایک مزاحیہ سلسلہ وار کی بنیاد رکھ ڈالی۔

پیریز نے اس قدر نرمی سے بولنا شروع کیا کہ گاسن اسے بمشکل ہی سن سکتا تھا، لیکن اگاسی ہکا بکا رہ گیا. پچھلی ملاقات میں جیسے انہیں پیس ڈالا گیا تھا، اگاسی متوقع تھا کہ پیریز شائد کچھ ایسا کہے گا، "شائی کا ایک الیکٹرک گرڈ تعمیر کرنے کا خبطی سا منصوبہ ہے وہ جس کی خود ہی وضاحت کرے گا۔ آپ کا اس کے متعلق جو رد عمل ہو اسے بتا سکتے ہیں۔" پیریز پیچھے ہٹنے کے برعکس سرگرم ہونے میں مزید مستعد اور توانا ہو گیا۔

اس نے کہا کہ پٹرولیم ختم ہو گیا۔ یہ اب بھی زمین سے باہر آ رہا ہو گا لیکن دنیا کو اس کی مزید ضرورت نہیں۔ پیریز نے گاسن کو بتایا کہ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی دہشت گردی اور عدم استحکام کو مالی معاونت فراہم کرتا ہے۔ اس نے نشان دہی کی، "اگر ہم سرفہرست یہ جان لیں کہ انہیں داغنے والوں کی مالی اعانت کیسے بند کی جائے تو ہمیں کاتیوشا راکٹوں کے خلاف دفاع کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

پیریز نے اس پیش بیں دلیل کے پیش نظر کوشش کی کہ متبادل ٹیکنالوجی ابھی موجود نہیں. وہ جانتا تھا کہ تمام بڑی کار کمپنیاں الیکٹرک نوعی تبدیلی کے ساتھ اوٹ پٹانگ قسم کی چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں جیسے۔۔۔ ہائبرڈ، پلگ۔۔ ان ہائبرڈ، مُنّی الیکٹرک کاریں ـــــ لیکن ان میں سے کوئی بھی موٹر وہیکل ٹیکنالوجی میں نئے دور کی نقیب نہ بن سکی۔

پیریز کے اظہار کے تقریباً پانچ منٹ بعد مہمان نے اسے روک لیا۔ "دیکھو مسٹر پیریز، "گاسن نے کہا" میں نے شائی کا مقالہ پڑھا۔" اگاسی اور پیریز نے پلک تک نہ جھپکی لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ وہ جانتے تھے کہ میٹنگ کس رخ جا رہی ہے۔۔۔ اور اس کی بات بالکل درست ہے. ہم کا ملا" ہم خیال ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ مستقبل الیکٹک میں ہے۔ ہمیں لگتا ہے کہ ہمارے پاس کار ہے اور بیٹری بھی۔

پیریز تقریباً دم بخود رہ گیا۔ چند منٹ پہلے انہیں ایک پر جوش لیکچر دیا گیا تھا کہ تمام تر الیکٹرک کاریں کبھی ممکن نہ ہو گی اوراس کے برعکس دوسرا راستہ ہائبرڈ اختیار کرنے کا تھا۔ پیریز اور اگاسی جانتے تھے کہ ہائبرڈ کی منزل تو بے نشان ہے۔ دو الگ الگ پاور پلانٹس والی کار کا کیا فائدہ؟

موجودہ ہائبرڈ کاریں از حد مہنگی ہیں اور ایندھن کی کارکردگی میں صرف 20 فیصد اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ممالک کو پٹرولیم سے بے نیاز نہ کر سکیں گی۔ پیریز اور اگاسی کے خیال میں ہائبرڈ کی مثال ایسی تھی جیسے بندوق کی گولی کے زخم کا علاج بینڈ ایڈ سے کیا جائے۔

انہوں نے ایسی بات کبھی کسی حقیقی کار ساز سے نہیں سنی تھی۔ پیریز اچانک بول اٹھا، ''تو آپ ہائبرڈ کے متعلق کیا سوچتے ہیں؟"

"میرے خیال میں ان کا کوئی مطلب نہیں،" گاسن نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ "ہائبرڈ ایک مچھلی--دُم عورت جیسی ہے: اگر آپ مچھلی چاہتے ہیں تو آپ کو ایک عورت ملے گی۔ اگر آپ عورت چاہتے ہیں تو آپ کو ایک مچھلی ملے گی۔''

پیریز اور اگاسی کی ہنسی حقیقی تھی جس سے انتہائی سکون میسر آیا۔ کیا انہیں اپنے کشفی پیکر کیلئے کوئی حقیقی ساتھی مل گیا؟ اب کی بار گاسن کو پریشان ہونا تھا۔ وہ اگرچہ پر امید تھا لیکن الیکٹرک کاریں بنانے کی راہ میں تمام مسلم رکاوٹیں اب بھی باقی تھیں: بیٹریاں بہت مہنگی تھیں، ان کی رینج پیٹرول کے نصف ٹینک سے بھی کم تھی اور انہیں ری چارج ہونے کیلئے کئی گھنٹے درکار تھے۔ صارفین سے جب تک قیمت اور سہولت کی خاطر مارکیٹ کی قیمت سے زیادہ ادا کرنے کا تقاضا ہو تو صاف کاریں مارکیٹ میں خاصے کی چیز رہیں گی۔ پیریز نے کہا کہ اگاسی سے ملاقات سے پہلے وہ ایسے ہی شکوک و شبہات میں مبتلا تھا۔

یہ اگاسی کیلئے وضاحت کرنے کی طرف اشارہ تھا کہ موجودہ ٹیکنالوجی کے استعمال سے ان تمام ذمہ داریوں سے کیسے نپٹا جا سکتا ہے، کوئی معجزاتی بیٹری نہیں جو کئی دہائیوں تک دستیاب نہیں ہو گی۔

گاسن کی توجہ پیریز سے آگاسی کی طرف مبذول ہو گئی جو بالکل ابھی صلح جو بن گیا تھا۔

اگاسی نے اپنے خیال کی وضاحت کی جو سادہ سا تھا اور بنیادی بھی: الیکٹرک کاریں صرف اس لئے مہنگی لگتی تھیں چونکہ بیٹریاں مہنگی تھیں۔ بیٹری والی کار فروخت کرنا ایسا ہے جیسے پٹرول والی کاروں کو پیٹرول سمیت بیچنے کی کوشش کی جائے جو کئی سال چلیں گی۔ آپ جب جاری اخراجات پر غور کرتے ہیں تو الیکٹرک کاریں دراصل بہت سستی ہیں۔۔۔۔الیکٹرک کے خرچ سات سینٹ فی میل کے مقابلتاً'' (بشمول بیٹری اور اسے چارج کرنے کے لیے

بجلی) پیٹرول کے لیے دس سینٹ فی میل ہے،اس مفروضے پر کہ پیٹرول کی قیمت 2.50$فی گیلن ہو گی۔ پیٹرول کی قیمت اگر 4.00$فی گیلن ہو تو یہ لاگت کا فرق ایک کھائی بن جاتا ہے۔اس صورت میں کیا ہو گا کہ آپ جب کار خریدیں اور آپ کو بیٹری کے لیے ادائیگی نہ کرنی پڑے اور—— کسی دوسرے ایندھن کی طرح ——بیٹری کی قیمت کو کار کی زندگی پر پھیلا دیا جائے ؟الیکٹرک کاریں کم از کم پٹرول کاروں کی طرح سستی ہو سکتی ہیں اور اسے چارج کرنے کے لیے الیکٹرک سمیت بیٹری کی قیمت نمایاں طور پر اس سے سستی ہو گی جو لوگ پیٹرول پمپ پر ادا کرتے تھے۔

الیکٹرک کار کی معاشیات اچانک الٹی ہو جائے گی۔ بیٹریاں سستی ہونے پر طویل عرصے کے دوران بلحاظ قیمت پہلے سے برقی لاگت سے مزید فائدہ کا بڑھنا یقینی ہو گا۔

قیمت کی رکاوٹ پر قابو پانا سب سے بڑی پیش رفت تھی۔الیکٹرک کاروں کے لیے اتنا کافی نہیں تھا جیسے اگاسی نے کہا کہ یہ "کار 2.0"ٹرانسپورٹیشن ماڈل کا نعم البدل بن جائے،ہینری فورڈ نے جسے ایک صدی قبل متعارف کروایا تھا۔ پانچ منٹ کے فل۔۔آپ میں پیٹرول کار تین سو میل تک چلتی ہے۔ گاسن حیران تھا کہ کوئی الیکٹرک کار اس کا مقابلہ کیسے کر سکے گی ؟آگاسی کا حل بنیادی ڈھانچہ تھا: پارکنگ کے ہزاروں مقامات پر تار لگائیں، مبادلہ کیلئے بیٹری اسٹیشنز تعمیر کریں اور ان تمام کو ایک نئے "سمارٹ گرڈ" کے ذریعے ترتیب دیں۔ کار کو اکثر معاملات میں دن بھر کیلئے تو گھر اور دفتر میں چارج کرنا ہی کافی ہو گا۔

آپ لمبے سفر کیلئے متبادل اسٹیشن پر جا سکتے ہیں جہاں مکمل طور پر چارج شدہ بیٹری کیلئے اتنا ہی وقت درکار ہو گا جتنا ٹینک کو پیٹرول سے بھرنے کیلئے۔اس نے اسرائیلی فوج کے ایک سابق جنرل کو بھرتی کیا،ایک شخص جو پیچیدہ فوجی نقل و حمل اور بر وقت مدد پہچانے کے انتظام میں ماہر تھا۔اسے گرِڈ اور چارجنگ/پارکنگ کی جگہوں کے قومی نیٹ ورک کے لیے منصوبہ بندی اور قیادت کیلئے کمپنی کا مقامی اسرائیلی سی ای او بنایا گیا۔

ماڈل کی کلید یہ ہو گی کہ صارفین اپنی کاروں کے مالک ہوں گے لیکن آگاسی کا اسٹارٹ۔۔۔اپ، جسے بیٹر پلیس کہا جاتا ہے،بیٹریوں کی مالک ہو گی۔اس نے بعد میں وضاحت کی ،"یہ نظام یوں کام کرے گا؛آپ سیل فون کے متعلق سوچیں۔آپ سیل فون فراہم کرنے والے کے پاس جاتے ہیں۔آپ اگر چاہیں تو آپ فون کی تمام قیمت ادا کر کے کسی قسم کے عہد سے آزاد ہوں گے۔سب سے زیادہ لوگ سبسڈی یا مفت فون حاصل کرنے کیلئے دو یا تین سال کے لیے عہد کرتے ہیں۔وہ فون کی ادائیگی اسی طرح ختم کرتے ہیں جیسے وہ اپنے ایئر ٹائم کے منٹوں کی ادائیگی کرتے ہیں۔"آگاسی نے وضاحت کی کہ الیکٹرک کاریں اسی طرح کام کر سکتی ہیں:بیٹر پلیس سیلولر فراہم کنندہ کی طرح ہو گی۔آپ کار ڈیلر کے پاس جا کر الیکٹرک کار حاصل کرنے کیلئے منٹوں کے بجائے میلوں پر مبنی منصوبہ پر دستخط

کریں گے۔ کار کی بیٹری کا مالک خریدار نہیں بَیٹر پلیس ہو گی۔ کمپنی اس طریقے سے کار اور بیٹری کی لاگت چار یا اس سے زیادہ سالوں پر پھیلا سکتی ہے۔

صارفین ہر ماہ جس قدر پیٹرول کی قیمت ادا کرنے کے عادی ہیں، وہ کار چلانے کے لیے اسی طرح الیکٹرک اور بیٹری کے اخراجات ادا کر سکتے ہیں۔ آگاسی نے کہا "آپ کو مکمل طور سبز ہونے کیلئے پیٹرول کار خریدنے اور چلانے کی لاگت کو اس سے بھی کم ہونا پڑے گا۔" اگاسی نے وہیں سے بات اٹھائی جہاں پیریز نے ایک اور سوال چھوڑا تھا: دیگر جگہوں کی نسبت اسرائیل سے کیوں شروع کریں؟ اس نے گاسن کو بتایا کہ پہلی وجہ سائز تھی۔ اسرائیل الیکٹرک کاروں کے لیے بہترین "بیٹا" ملک تھا۔ یہ نہ صرف چھوٹا تھا بلکہ پڑوسیوں کی دشمنی کی وجہ سے یہ ایک مہر بند "ٹرانسپورٹیشن آئی لینڈ" تھا کیونکہ اسرائیلی اپنی قومی سرحدوں سے آگے کار نہیں چلا سکتے، اس لئے ان کی ڈرائیونگ کا فاصلہ ہمیشہ دنیا کی سب سے چھوٹی قومی جگہوں میں سے تھا۔ شروع میں بیٹری مبادل اسٹیشن بَیٹر پلیس محدود تعداد میں تعمیر کرنا پڑیں گے۔

اگاسی نے ایک شریری سی مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں بتایا کہ مخالفین نے اسرائیل کو الگ تھلگ کر کے دراصل منصوبے پرکھنے کیلئے بہترین تجربہ گاہ بنا دیا۔ دوسرا، اسرائیلی نہ صرف پٹرولیم پر انحصار کرنے کے مالی اور ماحولیاتی اخراجات کو سمجھتے ہیں بلکہ کم پسندیدہ حکومتوں کے خزانے بھرنے کے سیکورٹی کے اخراجات کو بھی سمجھتے ہیں۔ تیسرا، اسرائیلی فطرتاً "اوّلین اپنانے والے ہیں۔ دنیا میں وہ حال ہی میں انٹرنیٹ پر وقت گزارنے ولے پہلے نمبر پر تھے۔ سیل فون کی رسائی 125 فیصد ہے، یعنی بہت سے لوگوں کے پاس ایک سے زیادہ ہیں۔

یہ کم پر اہمیت بات نہیں کہ اگاسی کو علم تھا کہ اسرائیل میں اسے وہ مطلوبہ وسائل مل جائیں گے جو "سمارٹ گرِڈ" بنانے کے پُر پیچ سافٹ ویئر چیلنج سے نمٹ لیں گے، کاروں کی کھلے چارجنگ اسپاٹس کی طرف رہنمائی اور سسٹم کو اوور لوڈ کیے بغیر لاکھوں کاروں کی چارجنگ کا انتظام کر سکے گا۔ اسرائیل دنیا میں سب سے زیادہ انجینئروں اور تحقیق اور ترقیاتی اخراجات کا مرتکز ملک ہے جو ایسی کوشش کرنے کیلئے ایک قدرتی جگہ تھی۔

اگاسی دراصل اس سے بھی آگے جانا چاہتا تھا۔ اِنٹیل اگر اسرائیل میں بڑے پیمانے پر نفیس ترین چپس بنا سکتا ہے تو کیوں رینالٹ۔۔ نسان وہاں کاریں نہیں بنا سکتے؟ گاسن کا جواب تھا کہ ایسا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے اگر وہ سال میں کم از کم پچاس ہزار کاریں تیار کر سکیں۔ پیریز نے بنا پلک جھپکے ایک لاکھ کاروں کی سالانہ پیداوار کی پکی حامی بھر لی۔

گاسن اس منصوبے میں شامل تھا بشر طیکہ پیریزا اپنے وعدے پر پورا اتر سکے۔ اگاسی تین ممکنہ وعدوں کے درمیان پھنس گیا۔ اسے ایک ملک، ایک کار کمپنی اور سرمائے کی ضرورت تھی، لیکن ان میں سے کسی ایک کو حاصل کرنے سے پہلے دوسرے دو حاصل کرنا بھی ضروری تھا۔ پیریز اور اگاسی مثلاً "اسرائیل کو جب پٹرولیم سے آزاد ہونے والا پہلا ملک بننے کے لیے اس وقت کے وزیر اعظم ایہود اولمرٹ کو پابند کرنے کیلئے گئے تو وزیر اعظم نے دو شرائط رکھیں: اگاسی کو پانچ عظیم کارسازوں کے دستخط، سمارٹ گرِڈ، نصف ملین پارکنگ کی جگہوں کو چارجنگ اسپاٹس میں تبدیل کرنے اور سویپ اسٹیشنوں کی تعمیر کیلئے درکار 200$ ملین جمع کرنا ہوں گے۔ اگاسی کے پاس کارساز تھا اور اسے اب اولمرٹ کی دوسری شرط پورا کرنے کی باری تھی: سرمایہ۔

آگاسی یہ یقین کرنے کے لیے کافی سن چکا تھا کہ اس کا منصوبہ شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ اس نے ٹیک کی دنیا کو حیرت زدہ کرتے ہوئے بیٹر پلیس کی بنیاد رکھنے کیلئے SAP کی ملازمت چھوڑ دی۔ (اس نے SAP انتظامیہ کو قائل کرنے کے لیے چار ملاقاتیں کیں کہ وہ ملازمت چھوڑنے کے متعلق سنجیدہ ہے) دنیا کی تین طاقتور ترین صنعتیں، کاریں، پٹرولیم اور الیکٹرک، جن پر دوبارہ تصور کرنا شامل تھا، دنیا بھر کے سرمایہ کار اس منصوبے پر آمین نہیں کہہ رہے تھے۔ کاریں مزید بر آں بنیادی ڈھانچے کے بغیر بیکار تھیں۔ کاریں نمایاں تعداد میں سڑک پر لانے سے قبل چارجنگ گرڈ تیار کرکے انہیں نصب کرنا ہوگا۔ اس کا مطلب ہوا کہ 200$ ملین میں سے سب سے پہلے زیادہ تر خرچ تمام ملک میں الیکٹرک سرکٹ نصب کرنے پر ہوں گے۔۔۔۔ اثاثہ جات حاصل کرنے کے اخراجات کیلئے سرمایہ لگانے والوں کو چکرا دینے والی بہت بڑی رقم۔ 2000 میں ٹیک بلبلا پھٹنے کے بعد وینچر سرمایہ داروں کی جرآت ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

کوئی سرمایہ کار آمدنی کا پہلا ڈالر ظاہر ہونے سے پہلے بڑی رقم خرچ نہیں کرنا چاہتا تھا سوائے اسرائیلی ارب پتی سرمایہ کار ایڈان اوفر کے ـــ جس نے کچھ عرصہ قبل چین میں چینی کار ساز کمپنی چیری آٹو موبائل کا بڑا حصہ خرید کر سب سے بڑی اسرائیلی سرمایہ کاری کی۔ آفر نے چھ مہینے پہلے ایک آئل ریفائنری بھی خریدی۔ لہذا وہ آٹو اور آئل کی صنعتوں کے متعلق کچھ نہ کچھ جانتا تھا۔ جب مائیک گرانوف، بیٹر پلیس میں ایک ابتدائی امریکی سرمایہ کار نے اوفر کو تھپتھپانے ہوئے مشورہ دیا، آگاسی نے کہا، "وہ مجھے دو نئے کاروباروں سے باہر کرنے میں میری کیوں مدد کرے گا؟" آگاسی کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ان کی پینتالیس منٹ کی ملاقات کے بعد آفر نے اگاسی کو بتایا کہ وہ 100$ ملین سرمایہ لئے تیار ہے۔ اس نے بعد میں اپنے حصص میں مزید 30 ملین ڈالر کا اضافہ کیا اور اپنی چینی آٹو ٹیم کو بتایا کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ الیکٹرک کاریں بنائے۔

آگاسی نے 200 ملین ڈالر اکٹھے کیے جس سے بیٹر پلیس تاریخ میں پانچویں سب سے بڑی اسٹارٹ۔۔اپ بن گئی۔ اسرائیل جب پہلے ٹیسٹ کیس کے طور پر ظاہر ہوُاتو دوسروں نے فوری پیروی کی۔اس تحریر کے مطابق ڈنمارک، آسٹریلیا، سان فرانسِسکو بے ایریا، ہوُائی اور اونٹاریو- کینیڈا کا گنجان ترین آبادی کا صوبہ۔۔ سبھی نے اعلان کیا کہ وہ بَیٹر پلیس منصوبے میں شامل ہوں گے۔بَیٹر پلیس واحد غیر ملکی کمپنی تھی جسے جاپان کے لیے الیکٹرک کاروں کا نظام تیار کرنے میں مقابلہ کیلئے کہا گیا جو تاریخی طور پر تحفظ پسند جاپانی حکومت کے لیے انتہائی غیر معمولی قدم تھا۔

بہت سے مشکوک لوگوں میں مرسڈیز ریسرچ اینڈ ڈیویلپمنٹ کا سربراہ تھامس ویبر تھا۔اس نے کہا کہ 1972 میں اس کی کمپنی نے دراصل مبادلی بیٹری والی الیکٹرک بس بنائی تھی جسے LE 306 کہا جاتا تھا،اور یہ دریافت ہوُا کہ بیٹری کا مبادلہ الیکٹرک کرنٹ سے ہلاک ہونے یا آگ لگنے کی وجہ بن سکتا ہے۔بَیٹر پلیس کا جواب کام کرنے والا بیٹری سویپ اسٹیشن ہے۔اس کا استعمال کرنا کار کو کار واش میں لے جانے جیسا ہے۔ڈرائیور جب کار ایک بار اندر لے جاتا ہے، صرف ایک بڑی مستطیل دھاتی پلیٹ—— بالکل چلتے ٹرکوں کے پچھلے سرے پر لفٹوں جیسی——کار کے نیچے سے اوپر اٹھتی ہے۔بہت بڑی نیلی بیٹری کو محفوظ طریقے سے قابو میں رکھنے کیلئے کار کی دو انچ موٹی دھاتی ہکس پلیٹ کی طرف کھینچتی ہیں یہاں تک کہ بیٹری پلیٹ پر ٹک جاتی ہے۔پلیٹ واپس نیچے چلی جاتی ہے، خرچ شدہ بیٹری کو چارجنگ اسٹیشن پر چھوڑ کر، بھری بیٹری اٹھا کر اسے کار کے نیچے کی جگہ تک لاتی ہے. مکمل خود کار مبادلہ کے لیے کل وقت: پینسٹھ سیکنڈ ہے

اگاسی کو اس بات پر فخر ہے کہ اس کی ٹیم نے کیسے فوری اور قابل اعتماد طور پر ایسی بیٹری کے انجینئرنگ کے مسئلے کو ٹھیک ٹھیک حل کیا جس کا وزن سینکڑوں پاؤنڈز ہے۔فضائیہ کے بمباروں پر پانچ سو پاؤنڈ وزنی بموں کو صحیح جگہ پر رکھنے کے لیے وہی ہکس استعمال کیے جاتے تھے۔بم۔۔۔بند کھولنے کے طریقہ ءکار میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں؛ الیکٹرک کاروں میں بیٹری اتنے ہی محفوظ طریقے سے سرکائی جاسکتی ہے۔یہ منصوبہ اگر کامیاب ہو جائے توبَیٹر پلیس کا عالمی معاشیات، سیاست اور ماحول پر گہرا اثر دنیا میں اہم ٹیکنالوجی کمپنیوں تک بڑھ سکتا ہے،اور اسرائیل سے تمام دنیا میں پھیل سکتا ہے۔

بَیٹر پلیس جیسی کمپنیاں اور شائی آگاسی جیسے دور اندیش کاروبار کا آغاز کرنے والے اصحاب ہر دن نظر نہیں آتے۔ اس کے باوجود اسرائیل پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اتنا حیران کن کیوں نہیں ہے۔بوسٹن بیٹری وینچرز کے سرمایہ کار سکاٹ ٹوبن نے پیش گوئی کی، "اگلا بڑا منصوبہ اسرائیل سے وارد ہو گا۔‘‘ ٹیکنالوجی کمپنیاں اور عالمی

سرمایہ کار اسرائیل کی طرف راستہ بنارہے ہیں چونکہ وہ جہاں کہیں دیکھتے ہیں انہیں وہاں ندرت، تخلیقی صلاحیت کے مالک اور ہر جگہ مقصد کی دھن میں مگن منفرد لوگ ملتے ہیں۔

اس کی وضاحت ہو سکتی ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ اسٹارٹ۔۔۔اپس کثافت پر فخر کرنے کے علاوہ (کل 3,850 اسٹارٹ۔۔۔اپس، 1,844 اسرائیلیوں کے لیے ایک)، NASDAQ ایکسچینج میں یورپی براعظم کی تمام کمپنیوں سے زیادہ اسرائیلی کمپنیاں درج ہیں۔ یہ صرف نیویارک اسٹاک ایکسچینجز ہی نہیں ہیں جو اسرائیل کی طرف راغب ہیں بلکہ تکنیکی عمدہ نتائج کا نہائت باریک بیں اور باہمی متبادلانہ اقدام: وینچر کیپیٹل (نئے کاروبار میں سرمایہ لگانا) ہے۔

2008 میں اسرائیل میں فی کس وینچر کیپیٹل سرمایہ کاری امریکہ سے 2.5 یورپ سے 30 چین سے 80 اور انڈیا سے 350 گنا زیادہ تھی۔ مطلق تعداد کے ذریعے موازنہ کریں تو اسرائیل صرف 7.1 ملین آبادی کے ملک نے تقریباً" 2 بلین وینچر کیپیٹل حاصل کیا جتنا برطانیہ کے 61 ملین یا جرمنی اور فرانس کے مجموعا" 145 ملین لوگوں نے کیا۔ اسرائیل واحد ملک ہے جس کے 2007 سے 2008 تک وینچر کیپیٹل میں معنی خیز اضافہ ہوا۔ NASDAQ پر امریکہ کے بعد دنیا کے دیگر مملک جیسے بھارت، چین، کوریا، سنگاپور اور آئرلینڈ سے زیادہ اسرائیلی کمپنیاں درج ہیں۔ اسرائیل معیشت کی فی صد تحقیق پر خرچ ہونے والی رقم کے لحاظ سے عالمی رہنما ہے۔ اسرائیل کی معیشت 1995 سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک کی اوسط سے زیادہ تیزی سے ترقی پذیر ہے۔

اسرائیل بار بار جنگوں سے بھی سست رَو نہیں ہوا۔ اسرائیل پر 2000 کے بعد کے چھ سال کے دوران، نہ صرف عالمی ٹیک بلبلہ پھٹا بلکہ اس کی تاریخ میں دوسری لبنان جنگ کے علاوہ یہی دور شدید دہشت گرد حملوں کا بھی تھا۔ اس کے باوجود عالمی وینچر کیپٹل مارکیٹ میں اسرائیل کا حصہ کم ہونے کے برعکس 15 فیصد سے 31 فیصد یعنی دوگنا ہو گیا۔

تل ابیب سٹاک ایکسچینج لبنان جنگ کے پہلے دن کی نسبت آخری دن میں بلند تھی۔ ایسا ہی 2009 میں غزہ کی پٹی میں تین ہفتے کے فوجی آپریشن کے بعد ہوا تھا۔

غور کرنے پر اسرائیل کی معاشی کہانی اور بھی دلچسپ ہو جاتی ہے کہ نصف صدی سے قدرے زیادہ قوم کی حالت سنگین تھی۔ شائی آگاسی کے خاندان نے اسرائیل کے قیام کے دو سال بعد 1950 میں عراق سے اسرائیل میں ہجرت کی۔ آگاسی خاندان ایک ملین پناہ گزینوں کے سیلاب کا حصہ تھا جو اسرائیل ریاست کے قیام کے بعد عرب دنیا کے منظم قتل عام کی پر تشدد لہر سے بھاگ رہے تھے۔ نو خیز یہودی ریاست کو بیک وقت دو بظاہر ناقابل تسخیر

چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا: آزادی کے لیے ایک وجودی جنگ لڑنا اور عوام کو جنگ کے بعد کے یورپ اور گردونواح کے عرب ممالک سے مہاجرین جذب کرنا۔

اسرائیل کی آبادی اپنے وجود کے ظہور پذیر ہونے کے پہلے دو سال میں دوگنی ہو گئی۔ اگلے سات سال میں ملک میں مزید ایک تہائی اضافہ ہؤا۔ تین میں سے دو اسرائیلی نووارد ان تھے۔ بہت سے پناہ گزینوں کو کشتی سے اترتے ہی ایک بندوق تھمادی گئی وہ جس کے استعمال سے نابلد تھے، اور انہیں لڑنے کیلئے بھیج دیا گیا۔ ان میں سے چند جو نازی حراستی کیمپوں سے بچ گئے تھے وہ جنگ میں نام درج ہونے سے پہلے ہی ڈھیر ہو گئے۔

اسرائیل کے قیام کی جنگ میں بلحاظ تناسب دونوں عالمی جنگوں میں امریکی مرنے والوں سے اسرائیلی زیادہ مارے گئے۔ جو لوگ زندہ بچ گئے انہیں جمود کی شکار معیشت میں پھلنے پھولنے کے لیے جدوجہد کرنا پڑی۔ ایک نووارد نے شکایت کی، ''ہر چیز راشن پر ملتی تھی ہمارے پاس کوپنوں کا پلندہ تھا، ہفتے میں ایک انڈا، لمبی قطاریں۔ "اسرائیلیوں کا اوسط معیار زندگی سن 1800 کے امریکیوں جیسا تھا۔ یہ نوزائیدہ ریاست کیسے زندہ رہی بلکہ محصور اور ناگفتہ بہ حالت میں ہونے کے باوجود کیسے ہائی ٹیک پاور ہاؤس کی شکل اختیار کرنے کے علاوہ ساٹھ سال میں پچاس گنا اقتصادی ترقی کی؟ پناہ گزینوں کی خالی جیب کمیونٹی نے، جسے مارک ٹوین نے "خاموش سوگوار وسعت لئے ہوئے۔۔ ایک ویران ملک، "کہا تھا، کیسے دنیا کی ایک متحرک ترین کاروباری معیشت میں تبدیل کر دیا؟

یہ حقیقت کہ اس سوال کے ساتھ سلوک صرف جزوا'' کیا گیا ہے، اسرائیلی سیاسی ماہر معاشیات گیڈی گرنسٹین کے لیے ناقابل یقین ہے: "دیکھئے، ہم نے امریکہ کے مقابلتا'' اپنی معاشی صورت حال کو دوگنا کر دیا جب کہ ہماری آبادی میں پانچ گنا اضافہ کے علاوہ ہم نے تین جنگیں بھی لڑیں۔

دنیا کی معاشی تاریخ میں یہ بالکل بے مثال ہے۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اسرائیلی اینٹر پرینیورز کا ناقابل تصور طریقوں سے سرانجام دینا جاری ہے۔

مقدس سرزمین نے صدیوں سے زائرین کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے لیکن حال ہی میں اسے ایک مختلف قسم کے متلاشیوں کے سیلاب سے واسطہ پڑا ہے۔ گوگل کے سی ای او اور چیئرمین ایرک شمٹ نے ہمیں بتایا کہ امریکہ دنیا میں بلحاظ اینٹر پرینیورز پہلے نمبر پر ہے لیکن "امریکہ کے بعد اسرائیل سب سے بہتر ہے۔'' مائیکروسافٹ کے اسٹیو بالمر نے مائیکروسافٹ کو اس کی اسرائیلی ٹیموں کے حجم اور مرکزیت کی وجہ سے "ایک امریکی کمپنی جیسی اسرائیلی کمپنی" کہا ہے۔ وارن بفیٹ، خطرے سے دور رہنے کے رسول نے کسی غیر ملکی کمپنی نہ خریدنے کے برعکس 4.5

بلین ڈالر میں ایک اسرائیلی کمپنی خرید کر اپنا دہائیوں پرانا ریکارڈ توڑ دیا۔۔۔وہ بھی اس وقت جب اسرائیل نے 2006 میں لبنان کی جنگ لڑنا شروع کی تھی۔

بڑی ٹیکنالوجی کمپنیوں کے لیے اسرائیل کو نظرانداز کرنا ناممکن ہے، اور بہت سوں نے ایسا نہیں کیا۔ دنیا کی تقریباً نصف اعلیٰ ٹیکنالوجی کمپنیوں نے اسرائیل میں اسٹارٹ۔۔۔اپ خریدے یا تحقیق اور ترقی پذیریت کے مراکز کھولے۔ سِسکو اکیلے کے پاس نو اسرائیلی کمپنیاں ہیں اور مزید خریدنے کے لیے کوشاں ہے۔ "فلپس میڈیکل کے سینئر نائب صدر پال سمتھ نے کہا، ''میں نے اسرائیل میں دو دن میں باقی دنیا کے مقابلتاً'' ایک سال سے زیادہ مواقع دیکھے۔ ہمیں برطانوی ٹیلی کام کے VP برائے ٹیکنالوجی اور اختراعیت، گیری شین برگ نے بتایا، "وہاں پرانے دہرائے جانے والے پرانے منصوبوں کے برعکس زیادہ نئے اختراعی منصوبے ہیں۔۔۔ یا اسرائیل سے کوئی پرانا منصوبہ ایک نئے باکس میں دوبارہ بھر کر باہر آرہا ہے بنسبت —— جواب [سلیکون] وادی سے آرہے ہیں۔ یہ عالمی معاشی بدحالی کے دوران بھی سست نہیں ہوتا۔ ''

اسرائیل کی ٹیکنالوجی کی کہانی اگرچہ زبان زد عام ہو رہی ہے، لوگ پہلی بار اس کا علم ہونے پر بلا تفریق حیران رہ جاتے ہیں؛ جیسے اسرائیلی ڈیجیٹل میڈیا کمپنیوں کی مخبری کیلئے بھیجے گئے این بی سی یونیورسل کے نائب صدر نے حیرانی سے کہا، "یہ سب اسرائیل میں کیوں ہو رہا ہے؟ میں نے ایک چھوٹی سی جگہ پر اتنا انتشار اور اتنی جدت کبھی نہیں دیکھی۔'' اس کتاب کا مقصد اس معمہ کو حل کرنا ہے۔ اسرائیل میں ہی کیوں، کہیں اور کیوں نہیں؟ ایک وضاحت یہ ہے کہ مصیبت، ضرورت کی طرح، اختراعی صلاحیتوں کو جنم دیتی ہے۔

دیگر چھوٹے اور خطرے سے دوچار ممالک، جیسے جنوبی کوریا، سنگاپور اور تائیوان بھی اسرائیل کی طرح متاثرکن ترقی کے ریکارڈز پر فخر کر سکتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی، اسٹارٹ۔۔۔اپس لشکروں کو تو جانے دیجئے، اینٹرپرینیور کلچر پیدا نہ کر سکا جو اسرائیل کے ساتھ موازنہ کر سکے۔ چند لوگ قیاس کرتے ہیں کہ یہاں خصوصا'' کچھ یہودیانہ ہے۔ یہ تصور کہ یہودی "ہوشیار" ہیں، مغرب کی نفسیات میں گہرائی تک سرایت کر چکا ہے۔ یہ ہم نے بھی دیکھا؛ جب ہم نے لوگوں کو بتایا کہ ہم اس کے متعلق ایک کتاب لکھ رہے ہیں کہ اسرائیل اتنا اختراعی کیوں ہے، بہت سے لوگوں نے یہ کہہ کر ردعمل ظاہر کیا، "یہ سادہ سی بات ہے —— یہودی ہوشیار ہیں، اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اسرائیل اختراعی ہے۔

اسرائیل کی کامیابی کو ایک دقیانوسی تصور کے ساتھ نتھی کرنا وضاحت کے بجائے کہیں زیادہ دھندلا دیتا ہے۔ شروعات کرنے والوں کے لیے، یہودی وحدانیت کا نظریہ، جینیاتی ہو یا ثقافتی اس قوم پر غالبا'' بہت کم لاگو ہوتا ہے جو

چھوٹی تو ہے لیکن دنیا میں حد درجہ مختلف العناصر میں سے ہے۔ اسرائیل کی چھوٹی آبادی ستر مختلف قومیتوں پر مشتمل ہے۔.

کم از کم دو پچھلی صدیوں سے یہودی پناہ گزین، ایک عراق، ایک پولینڈ یا ایتھوپیا سے زبان، تعلیم، ثقافت یا تاریخ میں کچھ مشترک نہیں۔ آئرش ماہر معاشیات ڈیوڈ میک ولیمز کی وضاحت کے مطابق "اسرائیل وحدانی یہودی ملک کے بالکل برعکس ہے۔ یہ ایک قوم کے غیر ممالک میں وحدانیت پسند بکھرے لوگوں کا پگھلنے والا برتن ہے جو زمین کے چاروں کونوں سے اپنے ساتھ ثقافت، زبانیں اور رسوم واپس لایا۔ "ایک مشترکہ دعاؤں کی کتاب اور ظلم و ستم کی مشترکہ میراث اہم ہے لیکن یہ قطعا" واضح نہیں تھا کہ یہ مماثلت سے ماورا گروپ متحرک ملک کو تشکیل دے سکتا ہے، اس کا توذکر ہی کیا البتہ یہ حیران کن ہے کہ اجتماعیت اور جدت میں سبقت لے جائے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ اسرائیل کا راز صرف فطری استعداد کے علاوہ کسی اور چیز میں پوشیدہ ہے۔

اسرائیل کا راز غالبا" انفرادی صلاحیت سے سوا کہیں اور موجود ہے۔ بہت سی جگہیں ہیں جہاں بے شمار باصلاحیت لوگ ہیں جیسے انجینئرز جو اسرائیل سے تعداد میں یقیناً کئی گنا زیادہ ہیں۔ سنگاپور کے طلباء کے سائنس اور ریاضی کے ٹیسٹ اسکور دنیا میں سب سے آگے ہیں۔ ملٹی نیشنلز نے انڈیا اور آئرلینڈ جیسی جگہوں پر بھی ادارے قائم کئے ہیں۔ ای --بے کے ایک امریکی ایگزیکٹو نے بتایا، "لیکن ہم اپنے دقیقہ رس اہم کام ان ممالک میں قائم نہیں کرتے "ہم گوگل، سِسکو، مائیکروسافٹ، اِنٹیل، ای--بے، فہرست میں اور ایسی بہت سی کمپنیاں۔ گہرا محفوظ راز یہ ہے کہ ہم سب اپنی اسرائیلی ٹیموں کے کام کے سہارے جیتے اور مرتے ہیں۔ یہ انڈیا میں کال سینٹرز آؤٹ سورس کرنے یا آئرلینڈ میں آئی ٹی سروسز قائم کرنے سے کہیں آگے ہے۔ ہم اسرائیل میں جو کچھ کرتے ہیں وہ جو دنیا میں کہیں اور کیا جاتا ہے ہم اس کے برعکس ہے۔"

اسرائیل کی کامیابی کے ایک اور عنصر، ملک کی عسکری اور دفاعی صنعت کا عموما" حوالہ دیا جاتا ہے جس نے کامیاب ذیلی کمپنیوں کو جنم دیا۔ جواب کا یہ ایک حصہ ہے جو یہ واضح نہیں کرتا کہ کیوں جبری بھرتی اور بڑی فوجوں والے دیگر مملک میں ان کے نجی شعبوں میں ایسا اثر دیکھنے کو نہیں ملتا۔

فوج کی طرف اشارہ سے سوال ہی بدل جاتا ہے: اسرائیلی فوج کے متعلق ایسا کیا ہے جو غالبا" کاروبار کو فروغ دیتا ہے؟ فوج کے زیر اثر ہونے کے باوجود دفاع، انسداد دہشت گردی اور ملکی سیکورٹی سے منسلک کمپنیاں آج اسرائیل کی مجموعی گھریلو پیداوار کی 5 فیصد سے بھی کم کیوں ہیں؟ ہم مصر ہیں کہ جواب وسیع و عمیق ہونا چاہیے جو شائی آگاسی جیسے انفرادی اینٹر پرینیورز کی کہانیوں میں ہوگا جو خود ریاسی صفت کے عَلم بردار ہیں۔

ہم دکھائیں گے کہ یہ محض فطری صلاحیت کی کہانی نہیں بلکہ محکم گیری، مقتدِر سے ناقبل تسکین استفسار، طے شدہ غیر رسمیت کے علاوہ ناکامی کی طرف ٹیم ورک، عظیم مقصد، خطرہ کا سامنا کرنے اور مخصوص تعلیمی تخلیقی رویئے کی کہانی ہے۔ اسرائیل ایسی کہانیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اسرائیلی اپنے سٹارٹ۔۔اپس کی تعمیر میں از حد مصروف ہونے کی بناپر پیچھے ہٹ کر یہ جاننے کی کوشش نہ کرسکے کہ یہ کیسے ہوُا اور دوسرے—— حکومتیں، بڑی کمپنیاں اور اسٹارٹ۔۔۔اپ اینٹرپرینیورزان کے تجربے سے کیا سیکھ سکتے ہیں۔

یہی وقت ہے جب اسرائیل کے اقتصادی معجزہ کی کہانی سمجھنا زیادہ موزوں ہو۔ امریکہ کا دنیا کی سب سے زیادہ مسابقتی معیشت ہونا جاری تو ہے لیکن ایک وسیع احساس بھی ہے کہ کوئی بنیادی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

2008 کے عالمی مالیاتی بحران سے بھی پہلے جدت کی دوڑ کے مبصرین خطرے کی گھنٹیاں بجا رہے تھے۔ اسٹینفورڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے کرٹس کارلسن نے پیش گوئی کی کہ ہم بھارت اور چین کے سونامی سے مغلوب ہونے کے قریب ہیں۔ اس کی پیش گوئی ہے کہ امریکہ کی انفارمیشن ٹیکنالوجی، سروس اور طبّی آلات کی صنعتیں ختم ہونے ہونے والی ہیں جس سے "لاکھوں ملازمتیں ختم ہو جائیں گی جیسے 1980 کی دہائی میں جب جاپانی امڈ آئے تھے۔

کارلسن کا کہنا ہے کہ باہر نکلنے کا واحد راستہ "جدت طرازی کے ڈھنگ سیکھنا ہے۔" مکمل طور پر نئی، علم پر مبنی توانائی، بائیو ٹیکنالوجی کی صنعتوں اور دیگر سائنس پر مبنی شعبوں میں بتدریج نئے طریقے اپنائے جائیں۔ "ہم تیزی سے قوموں کے موٹے، حال مست ڈیٹرائٹ بن رہے ہیں،" ہارورڈ بزنس اسکول کے سابق پروفیسر جان کاو کا فرمان "ہم۔ . . دودھ---خشک ہوتی گائیوں کو دوہ رہے ہیں---اپنے مقصد کے اجتماعی احساس سمیت تڑپ، امنگ، اور حصول کا عزم کھو رہے ہیں۔"

معاشی بدحالی نے صرف جدت پر توجہ مرکوز کی ہے۔ مالیاتی بحران جائیداد غیر منقولہ کی قیمتیں گرنے سے پیدا ہوُا جس کی وجہ بینکوں کا اندھا دھند سستا قرض مہیا کرنا تھا۔ عالمی خوش حالی کا مدار قیاس آرائی کے بلبلے پر ٹکِا ہوُا تھا نہ کہ پیداواری صلاحیت میں اضافوں سے، جس پر ماہرین اقتصادیات متفق ہیں کہ یہی اقتصادی ترقی کی بنیاد کا ثبوت ہیں۔

نوبل انعام یافتہ رابرٹ سولو کی اہم تحقیق کے مطابق تکنیکی جدت، کثیر پیداوار اور ترقی کا بنیادی ذریعہ ہے۔ معیشتوں کے لیے مسلسل آگے بڑھنے کا واحد ثابت شدہ طریقہ یہی ہے—— خصوصاً "اسٹارٹ۔۔۔اپ کمپنیوں کے ذریعہ پیدا ہونے والی جدت۔ مردم شماری بیورو کے حالیہ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ 1980 اور 2005 کے درمیان امریکہ میں زیادہ تر اصل ملازمتیں پانچ سال سے کم عمر کی فرموں سے ملیں۔ سٹارٹ۔۔۔اپس کے بغیر

سالانہ اصل ملازمتوں کی اوسط شرح نمو دراصل منفی ہوتی۔ماہر اقتصادیات کارل شرام، کاؤف مین فاؤنڈیشن کا صدر، اینٹرپرینیور معاشیات کے تجزیہ نگار نے ہمیں بتایا، "امریکہ کے زندہ رہنے اور دنیا میں اقتصادی قیادت جاری رکھنے کے لیے ہمیں اینٹرپرینیور شپ کو مرکزی تقابلی فائدہ کے طور پر دیکھنا چاہیے۔ ہمارے ضروری حصولِ مقاصد کیلئے اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔"

یہ سچ ہے کہ انٹرپرینیور شپ کے بہت سے ماڈل ہیں، بشمول مائیکرو انٹرپرینیور شپ (گھریلو کاروبار کا آغاز) اور چھوٹی مناسب کمپنیوں کا قیام جو مخصوص خدمات سے مزید آگے نہیں بڑھتیں۔ اسرائیل اعلیٰ درجے کی کاروباری صلاحیتوں میں ماہر ہے ـــــ وہ اسٹارٹ۔۔اپس جو تمام عالمی صنعتوں کو تبدیل کرکے دم لیتے ہیں۔ اعلیٰ نمو پذیر انٹرپرینیور شپ اس وجہ سے ممیز ہے کہ یہ بنیادی طور پر ایک اختراعی خیال کو تجارتی بنانے کے لیے انجینئروں اور سائنسدانوں سے لے کر مینیجروں اور کاروباری مشتہرین تک کی خصوصی مہارت کا استعمال کرتی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ عالمی سطح پر اسرائیلی سٹارٹ۔۔اپس کی ناکامی کی بلند شرح سے محفوظ ہیں۔ اسرائیلی ثقافت اور ضابطے ایک منفرد ناکامی کے رویہ کے عکاس ہیں جو ناکام اینٹرپرینیورز کو بار بار نظام میں واپس لانے میں کامیاب رہے ہیں تاکہ وہ دوبارہ کوشش کرکے اپنے تجربے کو تعمیری طور پر استعمال کریں اس کے بجائے کہ انہیں مستقل طور پر بدنام اور پس ماندہ چھوڑ دیا جائے۔

مانیٹر گروپ کی ایک حالیہ رپورٹ کے پیشِ نظر ایک عالمی انتظامی مشاورتی فرم نے بیان کیا، "جب اینٹرپرینیورز کامیاب ہوتے ہیں تو وہ مارکیٹوں میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ جب وہ ناکام ہو جاتے ہیں وہ تب بھی پرانے قائم کاروباروں کو مسلسل مسابقتی دباؤ میں رکھ کر ترقی کو تحریک دیتے ہیں۔" مانیٹر کی تحقیق و تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ معیشتوں کے لیے اینٹرپرینیور شپ "ترقی اور تخلیق نو" کا مرکزی انجن ہے۔ بزنس ویک کے سرورق کے مطابق یہ سوال اٹھ رہا ہے، "کیا امریکہ اپنی واپسی کا راستہ ایجاد کر سکتا ہے؟" میگزین نے مشاہدہ کیا، "پژمردگی کے نیچے، سیاسی حلقوں میں معاشی ماہرین اور کاروباری رہنما آہستہ آہستہ اس بات پر متفق ہو رہے ہیں: جدت طرازی ہی بہترین اور شاید واحد طریقہ ہے جس سے امریکہ معاشی کھوہ سے باہر نکل سکتا ہے۔" دنیا میں جدت کی کلید تلاش کرنے کیلئے اسرائیل ایک قدرتی جگہ ہے۔ مغرب کو جدت کی ضرورت ہے جو اسرائیل کے پاس ہے۔ یہ سمجھنا کہ یہ اینٹرپرینیوریل توانائی کہاں سے آ رہی اور کہاں جا رہی ہے، اسے کیسے برقرار رکھا جائے اور دوسرے ممالک کیسے بہترین اسٹارٹ۔۔۔اپ قوم سے سیکھنا ہمارے دور کے لیے ایک اہم فریضہ ہے۔

حصہ اول

چھوٹی قوم جس نے کر دکھایا۔

باب 1

استقامت

چار لوگ سڑک کے ایک کونے پر کھڑے ہیں۔ امریکی، روسی، چینی، اور ایک اسرائیلی. ایک رپورٹر اس گروپ کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے: "معاف کیجئے... گوشت کی قلت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

امریکی کہتا ہے: قلت کیا ہوتی ہے؟

روسی کہتا ہے: گوشت کیا چیز ہے؟

چینی کہتا ہے: رائے کیا چیز ہوتی ہے؟

اسرائیلی کہتا ہے: "معاف کرنا" کیا ہوتا ہے؟ مائیک لی، دو ہزار سال

سکاٹ تھامسن نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ وہ لیٹ ہو رہا تھا۔ اس کے پاس ہفتے کے آخر تک مکمل کرنے والے کاموں کی لمبی فہرست تھی اور جمعرات سر پر کھڑی تھی۔ تھامسن ایک مصروف آدمی ہے۔ پے-- پال، دنیا کے سب سے بڑے انٹرنیٹ ادائیگی کے نظام کا صدر اور سابق چیف ٹیکنالوجی آفیسر، وہ چیک اور کریڈٹ کارڈ کے ویب کا متبادل چلاتا ہے۔ اس نے ایک ایسے بچے کو بیس منٹ دینے کا وعدہ کیا تھا جس کا دعویٰ تھا کہ اس کے پاس آن-- لائن ادائیگی کے گھپلوں، کریڈٹ کارڈ فراڈ اور الیکٹرانک شناخت کی چوری کے مسئلے کا حل ہے۔

شکید شا کید میں ایک اینٹرپرینیور جیسی خودسری نہیں تھی، تھامسن کو معلوم تھا کہ ایسے سٹارٹ۔۔۔اپس اکثر کہیں نہیں پہنچ پاتے۔ اس میں تو ایک عام پے-- پال جونیئر انجینئر جیسی جرات بھی نہ تھی۔ تھامسن اس میٹنگ کو، خواہ بینچ مارک کیپٹل نے ہی اس کی درخواست کی ہوتی، رد کرنے والا نہ تھا۔ بینچ مارک نے ای-- بے میں بنیادی سرمایہ کاری کی تھی۔ ماضی میں اس کا بانی اسے اپارٹمنٹ سے جمع کرنے کے قابل Pez ڈسپنسروں کے لیے ایک نرالی ایکسچینج سائٹ کے طور پر چلا یا رہا تھا۔ ای-- بے کے آج دنیا بھر میں سولہ ہزار ملازمین ہیں اور یہ ایک 18$ بلین مالیت کی عوامی کمپنی ہے۔ پے-- پال پر اس کا اختیار بھی ہے۔

بینچ مارک اسرائیل میں قائم شاکید کی کمپنی فراڈ سائنسز میں سرمایہ کاری پر غور کر رہی تھی۔ بینچ مارک کے شراکت داروں نے مجوزہ کاروباری احتیاط کے پیش نظر تھامسن سے مشورہ کیا جسے ای۔۔۔ فراڈ کے متعلق قدرے علم تھا کہ وہ شاکید پر نظر رکھے۔ تھامسن نے ملاقات جلد ختم کرنے کے انداز میں پوچھا" توشکید تمہارا ماڈل کیا ہے ؟"۔ کسی ایسے شخص کی طرح تھوڑا سا گھومنا جس نے اپنا کام مکمل نہیں کیا تھا، اس شخص کی طرح قدرے پہلو بدلتے ہوئے جس نے ایک منٹ میں "تعارف و مقاصد" کیلئے تیاری نہ کی ہو، شاکید نے پر سکون طریقے سے بولنا شروع کیا: "ہمارا منصوبہ سادہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ دنیا اچھے اور برے لوگوں میں منقسم ہے اور دھوکہ دہی کو شکست دینے کیلئے ان کے درمیان ویب پر فرق کیا جائے۔ تھامسن نے اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پایا۔ بینچ مارک کے لئے بلحاظ احسان یہ بہت زیادہ تھا۔ تھامسن پے--پال سے پہلے ویزا کریڈٹ کارڈ کے ضخیم کاروبار میں ایک اعلیٰ ایگزیکٹو رہ چکا تھا، ایک بہت بہت ہی بڑی کمپنی جو فراڈ سے نپٹنے کیلئے کم جنون کا شکار نہ تھی۔

تمام کریڈٹ کارڈ کمپنیوں اور آن--لائن دکانداروں میں ٹیم کا ایک بڑا حصہ نئے گاہکوں کی جانچ کرنے اور فراڈ سے نپٹنے اور شناخت کی چوری سے مقابلہ کے لیے وقف ہے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں منافع کی حد کا تعین کیا سکتا ہے اور یہیں گاہک کا اعتماد بنتا یا کھویا جاتا ہے۔

ویزا نے جن بینکوں کے ساتھ شراکت کی تھی ان میں فراڈ کو شکست دینے کیلئے دسیوں ہزار لوگ تھے۔ پے--پال کے پاس فراڈیوں سے آگے رہنے کی کوشش میں دو ہزار ملازمین کے علاوہ پچاس بہترین پی ایچ ڈی انجینئرز بھی شامل تھے۔ یہ چھوکرا "اچھے اور برے لوگوں،" کے متعلق بات کر رہا تھا گویا وہ مسئلہ دریافت کرنے والا پہلا شخص تھا۔

"بات تو بھلی لگتی ہے،" تھامسن نے محتاط انداز میں کہا، "آپ یہ کیسے کرتے ہیں؟"

"اچھے لوگ انٹرنیٹ پر اپنے نشانات چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔ ڈیجیٹل قدموں کے نشان کیونکہ انہیں کچھ چھپانا مقصود نہیں ہوتا،" شکید نے اپنے مخصوص لہجے میں انگریزی میں بات جاری رکھی۔ "برے لوگ ایسا نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا کام ان کے نقوش قدم تلاش کرنا ہے۔ آپ اگر انہیں تلاش کر لیں تو آپ خطرے کو قابل قبول سطح تک کم کر کے انڈر رائٹ کر سکتے ہیں۔ یہ فی الواقعی اس قدر آسان ہے۔"

تھامسن نے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اس آدمی کا عجیب نام ہے جو کسی دوسرے ملک سے نہیں بلکہ کسی مختلف سیارے سے اڑ کر آیا ہے۔ کیا اسے علم نہیں کہ فراڈ سے نبرد آزما ہونے کیلئے پس منظر کی جانچ پڑتال کرنا، کریڈٹ ہسٹری کو کھنگالنا، باوثوق تعین کرنے کے لیے جدید ترین الگورتھم بنانا نہائت احتیاط اور سوچ بچار کا عمل ہے۔

آپ ناسا میں جا کر یہ نہیں کہیں گے، "یہ سب فینسی خلائی جہاز کیوں بنائیں جب آپ کو صرف ایک غلیل کی ضرورت ہے؟ تھامسن نے بینچ مارک کے احترام میں سوچا کہ وہ شاکید کو مزید چند منٹ دے گا۔اس نے پوچھا، "تو تم نے ایسے کرنا کہاں سے سیکھا؟""" دہشت گردوں کا شکار کرتے ہوئے، "شاکید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔اس کی یونٹ کو فوج میں دہشت گردوں کی آن--لائن سرگرمیاں ڈھونڈ کر انہیں پکڑنے میں مدد کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔دہشت گرد فرضی شناخت اپنائے ویب کے ذریعے رقم منتقل کرتے ہیں۔شکید کا کام انہیں آن--لائن تلاش کرنا تھا۔

تھامسن نے اس "دہشت گرد کے شکاری" کے متعلق کافی سن رکھا تھا،اس نے نکلنے کیلئے آسان راستہ ڈھونڈ نکالا.
"کیا تم نے اسے فی الواقعی آزمایا بھی ہے؟"اس نے پوچھا.
"ہاں" شاکید نے خاموشی سے خوداعتمادی کے ساتھ کہا۔"ہم نے اسے ہزاروں لین دین پر آزمایا ہے اور ان سب میں چار کے علاوہ تمام درست تھے۔
ہاں، ٹھیک ہے، تھامسن نے سوچا۔لیکن وہ قدرے متجسس ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔اس نے پوچھا کہ اس میں کتنا وقت لگا؟

شاکید نے کہا کہ اس کی کمپنی نے آغاز سے پانچ سال میں چالیس ہزار سے زائد خرید و فروخت کا تجزیہ کیا ہے۔
"ٹھیک ہے، تو ہم یہ کریں گے،" تھامسن نے کہا، "اس نے تجویز پیش کی کہ وہ تجزیہ کیلئے پے--پال، فراڈ سائنسز کی ایک لاکھ ٹرانزیکشنز دے گا۔یہ صارفین کی ٹرانسیکشنز تھیں پے--پال جن کی پہلے ہی کاروباری کارروائی مکمل کر چکا تھا۔

قانونی رازداری کی وجوہات کی بنا پر چند ذاتی ڈیٹا ہٹانے کی وجہ سے شکید کا کام مزید مشکل ہو جائے گا۔تھامسن نے پیشکش کی، "تو دیکھو کہ تم کیا کر سکتے ہو۔"آپ ہمارے پاس واپس آئیں، ہم آپ کے نتائج کا اپنے نتائج سے موازنہ کریں گے۔"شکید کے سٹارٹ۔۔۔اپ کو اپنی پہلی چالیس ہزار ٹرانسیکشنز کیلئے چونکہ پانچ سال لگے تھے لہٰذا تھامسن نے سوچا کہ وہ اس بچے کو دوبارہ جلد دیکھنے کی امید نہیں۔وہ کوئی ناجائز تقاضا نہیں کر رہا تھا۔یہ بلا سرمایہ کاری منافع بڑھانے کے تعین کیلئے ضروری قسم کی کارروائی تھی کہ اس کا نرالا نظام حقیقی دنیا میں قابل غور ہے بھی یا نہیں۔
فراڈ سائنسز نے گذشتہ چالیس ہزار ٹرانزیکشنز پر کارروائی دستی طور پر کی تھی۔شاکید کو علم تھا کہ پے--پال کے اتنے بڑے حجم کے چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کی خاطر اپنے سسٹم کی ٹرانسیکشنز کو (بذریعہ کرَنچ) خودکار بنا کر اعتماد

قربان کئے بغیر کمترین وقت میں مکمل کرنا ہو گا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کے پانچ سالہ تجربہ سے ثابت سسٹم کو الٹنا ہو گا۔

تھامسن نے بروز جمعرات شکید کو ٹرانسیکشنز ڈیٹا دیا۔ اس نے یاد کیا، "میں نے سوچا کہ مجھے بینچ مارک کی مصیبت سے نجات مل گئی، ہم شکید سے کوئی جواب نہیں سنیں گے یا کم از کم کئی ماہ تک۔ "اسے اتوار کو اسرائیل سے جب ای-۔میل موصول ہوئی تو وہ حیران رہ گیا۔ اس میں پیغام تھا، "ہم نے کام ختم کر لیا ہے۔"

تھامسن کو یقین نہیں آیا۔ پیر کی صبح پہلی چیز، اس نے فراڈ سائنسز کا کام تجزیہ کے لیے اپنی پی ایچ ڈی کی ٹیم کے حوالے کیا؛ انہیں پے-- پال کے متوازی نتائج کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک ہفتہ لگا۔ لیکن تھامسن کے انجینئرز نے بدھ تک جو کچھ دیکھا اس پر حیران رہ گئے۔ شیکد اور اس کی چھوٹی ٹیم نے پے-- پال کے مقابلتا'' کم وقت میں نامکمل ڈیٹا کے باوجود زیادہ درست نتائج تیار کئے۔ یہ فرق خصوصا'' ان لین دین پر واضح تھا جو پے-- پال کیلئے سب سے زیادہ درد سر تھے- فراڈ سائنسز نے ان پر 17 فی صد بہتر کارکردگی دکھائی۔ تھامسن نے بتایا کہ یہ کسٹمر درخواست دہندگان کا زمرہ تھا جنہیں پے-- پال نے ابتدائی طور پر مسترد کر دیا تھا۔ تھامسن نے کہا، لیکن پے-- پال کی مسترد کردہ صارفین کی حالیہ کریڈٹ رپورٹس کی نگرانی کی روشنی میں انہیں مسترد کرنا ایک غلطی تھی: "وہ اچھے گاہک ہیں۔ ہمیں انہیں مسترد نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ وہ ہمارے سسٹم میں سے پھسل گئے۔ لیکن وہ شیکد کے نظام میں کیسے نہ پھسلے؟" تھامسن نے محسوس کیا کہ وہ دھوکہ دہی کے خلاف ایک حقیقی ٹول دیکھ رہا ہے۔ پے-- پال کے پاس موجود ڈیٹا سے بھی کم ڈیٹا لئے فراڈ سائنسز زیادہ درست طریقے سے پیش گوئی کرنے کے قابل تھا کہ کون اچھا گاہک بنے گا اور کون نہیں۔" تھامسن نے یاد کیا، میں یہاں بدحواسی کے عالم میں بیٹھا تھا، میری سمجھ سے بالاتر تھا، "ہم خطرے کے انتظام کے کاروبار میں بہترین ہیں۔ یہ پچپن افراد کی اسرائیلی کمپنی کیسی ہے؟ 'اچھے لوگوں 'اور' برے لوگوں' کے بارے میں ایک بے کار قسم کی تھیوری کے ذریعے ہمیں شکست سے دوچار کر ڈالا؟ " تھامسن نے اندازہ لگایا کہ فراڈ سائنسز نظام کے مؤثر ہونے میں پے-- پال سے پانچ سال آگے ہے۔ اس کی پچھلی کمپنی، ویزا، دس یا پندرہ سال دئے جانے کے باوجود ایسی سوچ کے قابل نہ ہو سکے گی۔

تھامسن جانتا تھا کہ اسے بینچ مارک کو کیا بتانا ہے: پے-- پال اس کی متحمل نہ ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے حریفوں کو فراڈ سائنسز کی پیش رفت ٹیکنالوجی پر قبضہ کرنے کا خطرہ مول لے۔ یہ ایسی کمپنی نہیں تھی جس میں بینچ مارک کو محض سرمایہ کاری کرنی چاہیے تھی، پے-- پال کو یہ کمپنی حاصل کرنے کی ضرورت ہے، فوراً سے پہلے۔''

تھامسن ای-- بے کے سی ای او، میگ وائٹ مین کے پاس گیا تاکہ اسے بتا سکے، "میں نے سکاٹ کو بتایا کہ یہ ناممکن ہے،" وائٹ مین نے کہا۔ "ہم مارکیٹ لیڈر رہیں پر یہ چھوٹی سی کمپنی کہاں سے آ ٹپکی؟ تھامسن اور اس کی پی ایچ ڈی کی ٹیم نے میگ کو نتائج سے آگاہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔

تھامسن اور وائٹ مین کو اب واقعی ایک غیر متوقع مسئلہ درپیش تھا۔ وہ شکید کو کیا بتاتے؟ تھامسن نے اگر اس اسٹارٹ---اپ کے سی ای او کو بتایا کہ اس صنعت کے رہنما کو آسانی سے شکست دی تھی تو اسٹارٹ--اپ کی ٹیم کو احساس ہو جائے گا کہ ان کے پاس نایاب قیمتی شے ہے۔ تھامسن بخوبی جانتا تھا کہ پے--پال کو ہر قیمت پر فراڈ سائنسز خریدنا ہے لیکن وہ کمپنی کی قیمت اور بات چیت کی پوزیشن کو شبہ دئے بغیر شکید کو ٹیسٹ کے نتائج کیسے بتا سکتا تھا۔

وہ رک گیا۔ اس نے شکید کی بے چین ای-- میلز کا جواب یہ کہہ کر دیا کہ پے-- پال کو تجزیہ کے لیے مزید وقت درکار ہے۔ اس نے آخر میں کہا کہ وہ فراڈ سائنسز ٹیم جب اگلی بار سان ہوزے میں آئے گی تو ہم اس کے ساتھ نتائج کا اشتراک بھی کریں گے، اس امید پر کہ خریدنے کیلئے مزید وقت مل جائے گا۔ شکید ایک یا دو دن کے اندر تھامسن کی دہلیز پر تھا۔

تھامسن کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فراڈ سائنسز کے بانیوں، شیکد اور سار وِلف نے اسرائیل کی آرمی کی اعلےٰ ترین انٹیلی جنس یونٹ 8200 میں ایک ساتھ خدمات انجام دی تھیں، وہ اپنی کمپنی پے-- پال کو فروخت کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے وہ تو صرف تھامسن کی بینچ مارک کیپٹل کے لیے تقاضوں کی فہرست میں مستعدی کیلئے آشیر واد چاہتے تھے۔

تھامسن میگ کے پاس واپس گیا: "وہ یہیں ہیں، ہمیں ابھی فیصلہ کرنا ہے۔" اس نے اسے اجازت دی: چلیئے اسے خرید لیں۔ "انہوں نے کچھ حساب لگا کر 79 ملین ڈالر کی پیشکش کی۔ شیکد نے انکار کر دیا۔ فراڈ سائنسز بورڈ، جس میں اسرائیلی وینچر فرم BRM کیپٹل شامل تھی، کا خیال تھا کہ کمپنی کی قیمت کم از کم 200$ ملین ہے۔

بی آر ایم کے بانی شراکت داروں میں سے ایلی برکت نے ہمیں کمپنی کی مستقبل میں قدر و قیمت کے پیچھے اپنا نظریہ سمجھایا: "ٹیکنالوجی کی پہلی نسل کی سیکیورٹی آپ کے کمپیوٹر پر حملہ آور وائرس سے حفاظت کر رہی تھی۔ دوسری نسل۔ ہیکرز کے خلاف فائر وال بنا رہی تھی۔ برکت کو ان دونوں دھمکیوں کے متعلق کچھ معلوم تھا۔ ان کے خلاف تحفظ کے لیے فنڈز فراہم کیے اور کمپنیاں بنائیں۔ ان میں سے ایک، چیک پوائنٹ ـــــ ایک اسرائیلی کمپنی جو یونٹ 8200 کے نوجوان سابق طلباء نے بھی شروع کی ہے۔ آج اس کی مالیت 5$ بلین ہے، NASDAQ پر عوامی طور پر تجارت کی جاتی ہے اور اس کے صارفین میں فارچیون 100 کی اکثر کمپنیاں اور دنیا بھر کی قومی حکومتیں شامل

ہیں. سیکیورٹی کی تیسری نسل ہوگی۔ای--کامرس ہیکنگ سے تحفظ۔کی سرگرمی میں ہوگی" اور برکت نے ہمیں بتایا،" یہ ابھی تک کی سب سے بڑی مارکیٹ ہوگی کیونکہ اس وقت تک ہیکرز کا صرف مزہ لینے کی خاطر ایک مشغلہ تھا۔ای--کامرس کے آغاز کے ساتھ ہیکرز حقیقی پیسہ کما سکتے ہیں۔

برکت کا اس پر ایمان تھا کہ فراڈ سائنسز کے پاس انٹرنیٹ اور کریڈٹ کارڈ دھوکا دہی کے خلاف دفاع کے لیے بہترین ٹیم اور بہترین ٹیکنالوجی ہے۔" تمہیں اسرائیلی ذہنیت کو سمجھنا ہوگا۔" آپ جب دہشت گردوں کو تلاش کرنے کی ٹیکنالوجی میں ترقی کر رہے ہیں، جب بہت سی معصوم جانوں پر بنی ہوئی ہو، پھر چوروں کو تلاش کرنا بہت آسان ہے۔

" تھامسن اور شیکد صرف چند دن تک سودے بازی کرنے کے بعد 169 $ ملین پر متفق ہوئے۔ تھامسن نے ہمیں بتایا کہ پے-- پال ٹیم نے سوچا کہ وہ کم قیمت پر حاصل کر سکے گی۔ جب مذاکراتی عمل شروع ہوا اور شیکد بڑی رقم پر اڑ گیا۔ تھامسن نے فرض کیا کہ یہ محض جعلی عکس ہے۔" میں نے اندازہ لگایا کہ میں نے کبھی ایسا پر وثوق پوکر چہرہ نہیں دیکھا۔ لیکن جو کچھ واقعی ہو رہا تھا وہ یہ تھا کہ فراڈ سائنسز کے لوگوں کو اندازہ تھا کہ ان کی کمپنی کی قیمت کیا ہے۔وہ سیلز والے لوگ نہیں تھے. وہ بے تحاشا اشتہار بازی نہیں کر رہے تھے۔شکید نے سیدھی سادی بات کی۔ اس نے ہم سے بنیادی طور پر کہا، 'یہ ہمارا حل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ بہترین ہے۔یہی اس کی قدر و قیمت ہے۔ بس اسی پر بات ختم ہو گئی۔اس میں کسی رائے کے بجائے حقیقت پنہاں تھی جو آپ کو شاذ و نادر دیکھنے کو ملتی ہے۔"

تھامسن اس کے فوراً بعد اس کمپنی کا دورہ کرنے کے لیے ہوائی جہاز پر تھا جو اس نے ابھی ابھی خریدی تھی۔ سان فرانسسکو سے بیس گھنٹے کی پرواز کے آخری مرحلے کے دوران، لینڈ نگ سے تقریباً پینتالیس منٹ پہلے اس نے جب جاگنے کے لیے کافی کی چسکی لی تو اس کی ہوائی جہاز کی رفتار دکھانے والی اسکرین پر نظر پڑی جس کے ایک نقشہ پر اس کی پرواز تل ابیب میں اترنے کے راستے کے آخر میں ہوائی جہاز کا چھوٹا سا نشان دیکھا جا سکتا تھا۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا، تب نقشے پر صرف وہ جگہیں دکھائی دیں جو کافی قریب تھیں۔ وہ خطے کے ممالک کے نام اور ان کے دارالحکومت دیکھ سکتا تھا جو اسرائیل کے گرد علی الترتیب ایک حلقے میں تھے: بیروت، لبنان؛ دمشق، شام؛ عمان، اردن؛ اور قاہرہ، مصر۔اس پر لمحہ بھر کیلئے خوف طاری ہو گیا:" میں نے وہاں ایک کمپنی خریدی؟ میں ایک جنگی علاقے میں پرواز کر رہا ہوں"! وہ بلاشبہ جانتا تھا کہ اسرائیل کے پڑوسی کون ہیں، لیکن یہ اس کے باطن میں نہ اتر سکا تھا کہ اسرائیل کتنا چھوٹا تھا اور اسے پڑوسی کیسے گھیرے ہوئے تھے۔اسے یاد آیا،" ایسا لگ رہا تھا گویا میں نیویارک میں پرواز کر رہا تھا اور اچانک نیو جرسی کی جگہ ایران کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے طیارے سے اترنے کے بعد ایسی جگہ پر مطمئن ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی جو حیران کن طور پر دیکھی بھالی سی لگی جس نے اسے خوشگوار حیرت میں ڈال دیا۔اس نے ہمیں بتایا کہ اس کا پہلا بڑا تاثر فراڈ سائنسز کی پارکنگ لاٹ میں محسوس ہوُا۔ ہر کار پر پے--پال کا بمپر اسٹکر لگا ہوُا تھا۔ "آپ نے ایسا فخر یا جوش و خروش کسی امریکی کمپنی میں کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔''

تھامسن اگلی چیز جس پر وہ جذباتی ہو گیا وہ فراڈ سائنسز سے منسلک ہر قسم کے لوگوں کی میٹنگ سے خطاب کرنے کے دوران ان کا بظاہر برتاؤ تھا۔ ہر چہرہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ کوئی بھی ٹیکسٹنگ، سرفنگ یا اونگھ نہیں رہا تھا۔ بحث کا دورانیہ کھلنے پر شدت میں اضافہ ہوُا: "ہر سوال بظاہر میرے ذہن میں جھانک رہا تھا. مجھ میں اس سے گھبراہٹ شروع ہوئی۔ میں نے اس سے پہلے کبھی ایک کے بعد ایک غیر روایتی مشاہدات نہیں دیکھے تھے۔ یہ ساتھی یا سپروائزرز نہیں بلکہ جونیئر ملازمین تھے۔ انہیں ہمارے سال ہا سال سے پے--پال پر کام کرنے کے پیچھے منطق کو چیلنج کرنے کے متعلق کسی قسم کی روک نہیں تھی. میں نے اس قسم کا مکمل طور پر بے آب ورَنگ، بے خوف اور کامل توجہ کا رویہ کبھی نہیں دیکھا. میں یہ سوچ رہا تھا کہ، ''کون کس کے لیے کام کرتا ہے؟''

سکاٹ تھامسن کو جس چیز کا تجربہ ہو رہا تھا وہ اس کی اسرائیلی خود اعتمادی کی پہلی خوراک تھی۔یہودی عالم لیوروسٹن کی یڈش کی وضاحت کے مطابق تقریبا'' ختم ہوتی ہوئی جرمن سلاوزبان جس سے جدید عبرانی نے یہ لفظ—ہٹزپاہ مستعار لیا، یہ " جرآت مند، ڈھیٹ، گستاخ، ناقابل یقین حد تک 'باہمت، 'قیاسا'' تکبر جیسا کہ کوئی دوسرا لفظ اور کوئی دوسری زبان اس سے انصاف نہیں کر سکتی۔'' ایک بیرونی شخص اسرائیل میں ہٹزپا ہر جگہ دیکھے گا: یونیورسٹی کے طلباء اپنے پروفیسرز سے جس ڈھنگ سے بات کرتے ہیں، ملازمین اپنے افسروں کو چیلنج کرتے ہیں، سارجنٹس اپنے جرنیلوں سے سوال کرتے ہیں، اور کلرک حکومت کے وزراء کے متعلق پیش گوئی کرتے ہیں۔ اسرائیلیوں کیلئے ایسا کرنا ہٹزپاہ نہیں بلکہ یہ عام طریقہ ہے۔ اسرائیلی کہیں زندگی کی ڈگر پر—گھر میں، اسکول میں، یا فوج میں—سیکھتے ہیں کہ خود اعتمادی معمول ہے، خاموشی ایک ایسی چیز ہے جس سے آپ کو خطرہ ہے کہ آپ کو پیچھے چھوڑا جا رہا ہے.

یہ اسرائیل میں خطاب کی مقبول شکلوں میں بھی واضح ہے۔ جون میڈویڈ، اسرائیل میں ایک اینٹرپرینیور اور وینچر کیپیٹل کا سرمایہ کار، اس کا حوالہ دیتے ہوئے جسے اس نے عرفی نام ''بیرومیٹر" دے رکھا ہے: کہتا ہے "آپ معاشرے کے متعلق بہت کچھ بتا سکتے ہیں جس کی بنیاد پر [اس کے اراکین] اپنے اشرافیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ اسرائیل دنیا کی واحد جگہ ہے جہاں ہر ایک مقتدر ہے بشمول وزرائے اعظم اور فوجی جرنیل اس کا ایک عرفی نام ہے جو عوام سمیت سبھی استعمال کرتے ہیں۔

اسرائیل کے موجودہ اور سابق وزرائے اعظم بنجمن نیتن یاہو اور ایریل شیرون "بی بی" اور "ایرک" ہیں۔ لیبر پارٹی کے ایک سابق رہنما بنیامین "فواد" ہیں۔ بین ایلیزر۔ حال ہی میں اسرائیل ڈیفنس فورسز (IDF) کے چیف آف اسٹاف موشے ہیں۔ "بوگی" یالن۔ 1980 کی دہائی میں آئی ڈی ایف کے افسانوی سربراہ موشے "موشے "VeHetzi (ڈیڑھ موشے) لیوی ـــــ وہ چھ فٹ چھ انچ کا تھا۔ دیگر سابق آئی ڈی ایف اسرائیلی تاریخ کے سربراہ ریحام "گاندھی" زیوی، ڈیوڈ "دادو" الزار تھے، اور رافیل "رافل" ایتان۔ شنوئی پارٹی کے بانی یوسف "ٹومی" لیپڈ تھے۔ یکے بعد دیگرے اسرائیلی حکومتوں میں ایک اعلیٰ وزیر اسحاق "بگی" ہرزوگ ہے۔ یہ عرفی نام اہلکاروں کی پیٹھ کے پیچھے نہیں بلکہ ہر کوئی کھلے عام استعمال کرتا تھا۔ میڈؤیڈ مصر ہے کہ یہ اسرائیل کی غیر رسمیت سطح کا نمائندہ ہے۔

اسرائیلی رویہ اور غیر رسمیت بھی ثقافتی رواداری کی پیداوار ہیں جسے چند اسرائیلی "تعمیری ناکامی" یا "ذہین ناکامی" کہتے ہیں۔ اکثر مقامی سرمایہ کاروں کا خیال ہے کہ ان ناکامیوں کی ایک بڑی تعداد برداشت کیے بغیر حقیقی اختراع حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اسرائیلی فوج میں ایک رجحان ہے تمام کارکردگیاں ـــــ کامیاب اور ناکام دونوں ـــــ تربیت میں اور کسی عمل کی نقالی اور بعض اوقات جنگ میں بھی اہمیت سے غیر جانبدار کے طور پر، جب تک خطرہ کو لاپرواہی سے نہیں ذہانت سے سمجھا جائے تو اس میں بھی کچھ سیکھنے کیلئے ہے۔

ہارورڈ بزنس اسکول کے پروفیسر لورین گیری کہتا ہے کہ یہ بہت اہم ہے، "ایک اچھا منصوبہ بند تجربہ اور گھماؤ پہیہ جوا" کے درمیان فرق ملحوظ رکھا جائے۔" اسرائیل میں یہ فرق فوجی تربیت میں ابتدائی طور پر سکھایا جاتا ہے۔ فضائیہ کے ایک ٹرینر نے ہمیں بتایا، "ہم تمہاری اچھی کارکردگی کی وجہ سے تمہیں آسمان پر نہیں اٹھا لیتے اور ہم آپ کو نہ ہی ایک بری کارکردگی پر ہمیشہ کیلئے ختم کر دیتے ہیں۔"

2006 ہارورڈ یونیورسٹی کی تحقیق سے واقعی یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اینٹرپرینیورز جو اپنے پچھلے بڑے کاروبار میں ناکام ہونے والوں کی اگلے سٹارٹ۔۔۔اپ میں کامیابی کا تقریباً بیس فیصد ہے جو پہلی بار کے مقابلتاً" کامیابی کی شرح بہت زیادہ ہے اور ان اینٹرپرینیورز سے بہت کم نہیں جو پہلے کامیاب ہو چکے تھے۔ دی جیو گرافی آف بلِس میں مصنف ایرک ویز ایک ناکامی کے لیے ایسی اعلیٰ قوت برداشت ملک کے حامل کو بطور "دوبارہ پیدا ہونے والوں کی قوم کا، مذہبی معنی میں نہیں، ذکر کرتا ہے۔ یہ بات دیوالیہ پن اور نئی کمپنی کی تشکیل سے متعلق اسرائیلی قوانین کے بارے میں یقیناً" درست ہے جو ایک نئی کمپنی کے آغاز کیلئے مشرق وسطیٰ میں سب سے آسان۔۔۔۔ اور دنیا میں آسان

تریں جگہ ہے ـــــ خواہ آپ کی آخری کمپنی دیوالیہ ہو چکی ہو۔ اس سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اسرائیلی ہمیشہ کامیابی کی خاطر قوت و محنت کے ساتھ، دھکیلنے، بلا ایجنٹ فروخت کرنے کے اگلے موقع کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔

اسرائیل میں نو وار دان اکثر یہاں کے لوگوں کو بدتمیز پاتے ہیں۔ اسرائیلی بلاجھجک ایک اجنبی سے اس کی عمر یا اس کے اپارٹمنٹ یا کار کی لاگت پوچھیں گے یہاں تک کہ وہ نئے والدین کو اکثر فٹ پاتھ پر مکمل اجنبیوں کو یا ایک گروسری اسٹور میں بھی بتائیں گے کہ ان کے بچوں کے کپڑے موسم کے مطابق نہیں ہیں۔ یہودیوں کے متعلق جو کہا جاتا ہے ـــــ دو یہودی، تین رائیں ـــــ یقیناً درست ہے۔ جن لوگوں کو اسرائیلیوں کی ایسی بے تکلفی پسند نہیں وہ اسرائیل سے دل برداشتہ ہو جاتے ہیں لیکن دوسرے اسے تازگی اور ایمان داری سے تعبیر کرتے ہیں۔

''ہم نے یہ اسرائیلی ڈھنگ سے کیا۔ ہم نے اپنا مقدمہ موت تک لڑا۔'' اسی طرح شموئیل "مولی" ایڈن (اس کا ایک عرفی نام بھی ہے)

سانتا کلارا میں اِنٹیل کے اعلیٰ حکام اور اس کی اسرائیلی ٹیم کے درمیان ایک تاریخی فیصلہ کن مقابلے کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔ یہ خود اعتمادی کے غائر مطالعہ کا عمل بھی تھا۔ اِنٹیل کی بقا نتیجہ سے ظاہر ہو جائے گی۔ یہ شدید، مہینوں طویل تنازعہ صرف اِنٹیل سے تہوّر کے متعلق تھا؛ یہ اس بات کا تعین کرے گا کہ آیا ہر جگہ لیپ ٹاپ کمپیوٹر جو آج بہت معمولی سی چیز سمجھا جاتا ہے۔۔ کبھی موجود رہے گا۔

ایڈن، اِنٹیل کی اسرائیلی سرگرمیوں کا لیڈر رہے، ملک میں آجر کا سب سے بڑا نجی شعبہ ـــــ جو آج سالانہ 1.53 بلین ڈالر برآمد کرتا ہے۔ اس نے ہمیں اسرائیل میں اِنٹیل اور اسرائیل کے ساتھ اِنٹیل کی لڑائیوں کی کہانی سنائی۔

جدید کمپیوٹنگ کی تاریخ میں ڈیٹا پروسیسنگ کی رفتار۔۔۔ یعنی آپ کے کمپیوٹر کو کچھ بھی کرنے کیلئے کتنا وقت درکار ہے۔۔ اس کا انحصار ایک چپ کے ٹرانزسٹروں کی رفتار پر ہے۔ تمام ٹرانزسٹر اچانک جلدی سے کھلے اور بند ہوئے، اور جس ترتیب سے ایسا ہوا اس سے ایک کوڈ تیار ہو گیا، بالکل حروف کی طرح جو الفاظ بنانے میں استعمال ہوتے ہیں۔ ایک ساتھ، لاکھوں کے تیزی سے پلٹنے سے ڈیٹا کو ریکارڈ اور لامتناہی ماہرانہ طریقوں سے جوڑ توڑ کر سکتے ہیں۔ ٹرانسسٹروں کو جتنی تیزی سے آن اور آف کرنے کے لیے بنایا جا سکتا ہے (ٹرانزسٹروں کی "کلاک سپیڈ") وہ طاقتور سافٹ ویئر کو اتنا ہی تیز چلا سکتے ہیں جس نے کمپیوٹرز کو با عظمت کیلکولیٹر سے ملٹی میڈیا یا انٹرٹینمنٹ اور انٹرپرائز مشینیوں میں تبدیل کر دیا۔

کمپیوٹرز 1970 کی دہائی تک بنیادی طور پر راکٹ سائنس دان اور بڑی یونیورسٹیوں میں استعمال ہوتے تھے۔ چند ایک کمپیوٹرز نے تمام کمرے یا عمارتیں سنبھال لیں۔ آپ کے دفتر کی میز پر یا آپ کے گھر میں کمپیوٹر کا خیال سائنسی

ناول جیسی بات تھی۔ یہ سب کچھ 1980 میں حیفہ کی اِنٹیل ٹیم سے تبدیل ہونا شروع ہوُا جب اس نے 8088 چپ ڈیزائن کی جس کے ٹرانزسٹرز ایک سیکنڈ میں تقریباً پانچ ملین مرتبہ پلٹ سکتے تھے۔(4.77 میگاہرٹز)اور کافی چھوٹے ہونے کی بناپر کمپیوٹرز کا گھروں اور دفاتر میں نصب ہونا ممکن ہوُا۔

آئی بی ایم نے پہلے "ذاتی کمپیوٹر" کے دماغ یا PC کیلئے اسرائیل کی 8088 چپ منتخب کی جس سے کمپیوٹنگ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوُا۔ اِنٹیل کے لیے بھی ایک اہم پیش رفت تھی۔ صحافی مائیکل میلون کے مطابق "IBM سے معاہدے کے ساتھ اِنٹیل نے مائکروپروسیسر کی جنگیں جیت لیں۔

کمپیوٹنگ ٹیکنالوجی تب سے کم تر اور تیز تر ہوتی چلی گئی۔ 1986 سے اِنٹیل کی واحد غیر ملکی چپ فیکٹری 386 چپ تیار کررہی تھی۔ یروشلم میں تیار کردہ اس کی پروسیسنگ کی رفتار 33 میگاہرٹز تھی۔ آج کی چپ کی رفتار کے مقابلتاً" گویہ ایک معمولی سا حصہ تھی لیکن اِنٹیل نے اسے "اندھادھند گولیاں چلاتی ہوئی" سے موسوم کیا۔۔۔۔ یہ 8088 سے تقریباً سات گنا تیز تھی۔ کمپنی منصوبے کے مطابق ٹھوس بنیاد پر گامزن تھی کہ چپ انڈسٹری کو حسب وعدہ تیز سے تیز تر چپس مہیا کی جائیں۔ گورڈن مور، بانیوں میں سے ایک، نے پیش گوئی کی تھی کہ صنعت ٹرانزسٹرز کو تقریبا" ہر اٹھارہ سے چوبیس ماہ میں اپنے سائز سے آدھا کر کے چپ کی پروسیسنگ رفتار کو دوگنا کر دے گی۔ اس مستقل آدھا کرنے کے عمل کو "مور کا قانون" نام دیا گیا تھا۔ IBM ،وال سٹریٹ اور بزنس پریس سبھی سمجھ گئے کہ یہ کلاک کی رفتار اور سائز ہی ہیں جن سے نئے چپس کی قدر کی پیمائش کی جاتی ہے۔

یہ نظام تقریباً 2000 تک اچھی طرح سے جاری تھا، جب مرکب میں ایک اور عنصر شامل ہوُا: مور کی پیشن گوئی کے مطابق چپس کمتر اور تیز تر ہوتے جارہے تھے لیکن چپس نے جونہی زیادہ طاقت استعمال کی اس سے زیادہ حرارت پیدا ہوئی۔

چپس کا زیادہ گرم ہونا جلد ہی ایک اہم مسئلہ بن گیا جس کا واضح حل ایک پنکھا تھا۔ لیپ ٹاپ کے اندر چپس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بہت ہی بڑا پنکھا نصب نہ کیا جاسکتا تھا۔ صنعت کے ماہرین نے اس بند راستے کو "پاور وال" کا نام دیا۔ کمپنی کے اندر انٹیل کی اسرائیلی ٹیم نے سب سے پہلے اس بڑھتے ہوئے مسئلہ کو دیکھا۔ انٹیل کی حیفہ میں دیر تک کام کرنے کی راتیں، گرم کافی، کولڈ ٹیک آوٹ اور اس خاص مقصد کیلئے متفقہ غور وخوض کرنے کی میٹنگوں کیلئے وقف تھیں کہ پاور وال مسئلہ سے کیسے نپٹا جائے۔ اسرائیلی ٹیم دوسروں کی بنسبت اس صنعت میں ــــ لیپ ٹاپ کمپیوٹرز اور بالآخر تمام مختلف قسم کے موبائل آلات کے لیے "موبلٹی" چپس ڈیزائن کرنے پر زیادہ متوجہ تھی۔ اِنٹیل نے اس رجحان کے پیش نظر تمام کمپنی کے لیے موبلٹی چپس بنانے کی ذمہ داری اسرائیلی شاخ کو سونپ دی۔

اسرائیلیوں نے اس ذمہ داری کے باوجود اِنٹیل کے مرکزی دھارے میں سماجانے پر مزاحمت کی۔"اسرائیل میں ترقیاتی گروپ نے ،اسے موبیلیٹی گروپ کی ذمہ داری سونپنے سے قبل،ایسے منصوبے آگے بڑھائے جو اِنٹیل کی عام حکمت کے خلاف تھے،"اِنٹیل اسرائیل کے سربراہ،ڈیوڈ"ڈیڈی"پرلمٹر نے وضاحت کی جو ٹیکنین (اسرائیل کی ایم آئی ٹی) کا گریجویٹ ہے جس نے 1980 میں اِنٹیل اسرائیل میں چپس ڈیزائن کرنا شروع کیا تھا۔ان غیر روایتی طریقوں میں سے ایک طریقہ پاور وال کو قابو میں لانے کا تھا۔

رونی فریڈمین اس وقت اِنٹیل اسرائیل کے اعلیٰ انجینئروں میں سے تھا۔وہ تفنن طبع کی خاطر کم طاقت والے چپس تیار کرنے کے طریقے سے چھیڑ خانی کر رہا تھا جو واضح طور پر مروجہ قدامت پسندی کے خلاف تھا کہ چپس کو تیز تر بنانے کا واحد طریقہ ان کے ٹرانزسٹروں کو زیادہ بجلی فراہم کرنا تھا۔اس نے سوچا یہ تھوڑا سا ایسا تھا جیسے کاروں کو تیز تر بنانے کیلیئے ان کے انجنوں کو مزید طاقتور بنایا جائے۔انجن کی رفتار اور کار کی رفتار کے درمیان یقینا" ایک تعلق تھا لیکن کہیں انجن بہت تیز ہو جائے پر بہت گرم ہو جائے گا اور کار کو رفتار کم کرنا پڑے گی۔

فریڈمین اور اسرائیلی ٹیم نے محسوس کیا کہ مسئلے کا حل کار میں گیئر سسٹم جیسا ہے: اگر آپ گیئرز تبدیل کر سکیں تو آپ انجن زیادہ آہستہ کر کے کار کو تیز تر دوڑا سکتے ہیں۔چپ میں ایسا ہی کام چپ کی ہدایات کو تقسیم کر کے مختلف طریقے سے کیا گیا۔اثر ایک جیسا تھا: اِنٹیل اسرائیل کے کم بجلی والے چپس میں ٹرازسٹروں کو اتنی تیزی سے کھلنے اور بند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔سافٹ ویئر کو تیز تر چلانے کیلیئے کار کو ہائی گیئر میں منتقل کرنے کے مترادف تھا۔

جب اِنٹیل اسرائیل ٹیم نے سانتا کلارا میں واقع ہیڈ کوارٹر کو پرجوش خوشی سے اپنی جدت متعارف کرائی تو انجینئروں کا خیال تھا کہ ان کے مالکان کے دل دہل جائیں گے۔اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ کار زیادہ گرم ہوئے بغیر تیز تر دوڑے؟ اسرائیلی ٹیم نے جسے ایک اثاثے کے طور پر دیکھا۔ کہ انجن زیادہ آہستہ چلا۔ ہیڈ کوارٹر نے اسے ایک بڑا مسئلہ سمجھا. تمام صنعت چپس کی طاقت کی پیائش انجن کی رفتار یعنی گھڑی کی رفتار سے کر رہی تھی۔

اس سے کوئی فرق نہ پڑا کہ اسرائیلی چپس سے سافٹ ویئر تیز چلتا ہے۔کمپیوٹر کا انجن۔۔اس کے چپس کے ٹرانزسٹروں پر مشتمل—کافی تیزی سے آن اور آف نہیں ہو رہا تھا۔وال اسٹریٹ کے تجزیہ کاروں کی رائے میں اِنٹیل کے اسٹاک کے پرکشش (یا غیر پرکشش) ہونے کا انحصار ایسی کارکردگی پر مبنی ہے جس میں کہا گیا ہے، تیز رفتار گھڑی: خرید لو؛ سست رفتار گھڑی: بیچ دو۔ صنعت اور پریس کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرنا کہ یہ پیمانہ متروک تھا، ناقابل قبول تھا۔ معاملہ خصوصا" یہی تھا چونکہ یہ اِنٹیل کی تخلیق تھا—بمطابق مور قانون—

صنعت کا پاولووین گھڑی کی رفتار سے منسلک تھا. یہ فورڈ کا زیادہ ہارس پاور کی جستجو ترک کرنے کے مترادف تھا یا ٹفنی کو یہ بتانا کہ کیریٹ کا سائز کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ہم مرکزی دھارے میں نہیں تھے—— گھڑی کی رفتار بادشاہ تھی اور ہم باہر تھے۔"اسرائیل کے رونی فریڈمین کو یہ یاد ہے۔اِنٹیل کے چپ ڈویژن کے سربراہ پال اوٹیلینی نے تمام پروجیکٹ کو ناقابل استعمال سمجھ کر ایک طرف رکھنے کی کوشش کی۔گھڑی کی رفتار کا نظریہ اِنٹیل کے اعلیٰ عہدے داروں کیلئے قیمتی شے بن چکا تھا اور وہ اسے تبدیل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے کیلئے کوئی سیمینار منعقد کرنے والے نہیں تھے۔ریاست کی بنیاد کے پیش نظر کہ ""سیمینار" ثقافت کا حصہ ہے، اسرائیلی اسے بخوبی جانتے ہیں. 1947 کے مارچ کے آخر سے مئی کے آخر تک ڈیوڈ بین گوریون—— اسرائیل کا جارج واشنگٹن—— نے متوقع جنگ کے متعلق یہودی فلسطین کی فوجی تیاری کی تحقیق کی جو اسرائیل کی آزادی کے اعلان پر برپا ہو سکتی ہے۔

اس نے دن رات چھوٹے بڑے شعبوں کے فوجی جوانوں سے ٹوہ لگانے اور انہیں سننے میں گزارے۔اقوام متحدہ نے فلسطین کو ایک یہودی اور ایک عرب ریاست میں تبدیل تقسیم کا منصوبہ چھ ماہ قبل منظور کیا تھا۔بین گوریون بخوبی آگاہ تھا۔عرب۔۔اسرائیل تنازع کا اگلا مرحلہ اس جنگ سے بہت مختلف ہو گا جو ریاست کے قیام سے پہلے یہودی ملیشیا لڑ رہی تھی؛ انہیں جاری لڑائی کے درمیان پیچھے ہٹنے اور قریب آتے وجودی خطرات کے لیے منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت تھی۔

بین گوریون نے سیمینار کے اختتام پر مردوں کی تیاری کے اعتماد کے متعلق لکھا: ہمیں مشکل کام کرنا ہو گا-ان مردوں کے دلوں سے اس معاملے میں یہ یقین اکھاڑ پھینکنا ہو گا کہ ان کے پاس کچھ ہے۔ان کے پاس اصل میں کچھ نہیں ہے. ان میں نیک نیتی ہے، ان میں پوشیدہ صلاحیتیں ہیں، لیکن انہیں اس کا علم ضروری ہے کہ: جوتا بنانے کے لیے کفش دوزی کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔"

اِنٹیل کا اوٹیلینی نابلد تھا لیکن اس کی اسرائیلی ٹیم اسے ایسا ہی پیغام دے رہی تھی۔انہوں نے دیکھا کہ اِنٹیل "پاور وال" کی طرف بڑھ رہا تھا۔اسے مجبور کر کے سمجھانے کے انتظار کے بجائے اسرائیلی چاہتے تھے کہ اوٹیلینی ایک قدم پیچھے ہٹ کر روایتی سوچ کو ترک کر کے کمپنی کے تکنیکی نکتہ نظر میں بنیادی تبدیلی پر غور کر کے اسے ٹال دے۔ان میں اِنٹیل اسرائیل کے "دق کرنے" پر صدمہ اٹھانے والے چند ایک کے مطابق سانتا کلارا کے ایگزیکٹو اسرائیلی ٹیم کا گلا گھونٹنے کے لیے تیار تھے۔اسرائیلی تل ابیب اور کیلیفورنیا کے درمیان بیس گھنٹے کا سفر اس قدر کثرت سے کر رہے تھے کہ وہ ہر جگہ موجود ہمیشہ کسی ایگزیکٹو کو گھیر کر ان کے معاملے پر بحث کرنے کے لیے تیار

دکھائی دیتے تھے، غلام گردش میں یا یہاں تک کہ واش روم میں بھی۔ ڈیوڈپرلمٹر اسرائیلی ٹیم کا کیس سمجھانے کے لیے سانتاکلارا ہیڈکوارٹر میں ہر ماہ ایک ہفتہ گزارتا تھا۔

ایک نکتہ جو اسرائیلیوں نے سمجھانے کی کوشش کی کہ گھڑی کی رفتار کے نظریے کو ترک کرنے میں خطرہ تو تھا لیکن اس پر جمے رہنا زیادہ پرخطر تھا۔

انٹیل اسرائیل کے بانی، Dov Frohman نے بعد میں کہا کہ ایک اختراع کی حقیقی ثقافت کی تخلیق میں "نقصان کا خوف اکثر فائدے کی امید سے زیادہ طاقتور ثابت ہوتا ہے۔"

فروہمین نے اِنٹیل اسرائیل میں طویل عرصے سے اختلاف اور بحث و مباحثہ کی ثقافت کو فروغ دینے کی کوشش کی تھی اور اسے امید تھی کہ سانتاکلارا میں یہ خصوصی نظام سرائت کر جائے گا۔ اس نے کہا، "ایک رہنما کا اعلٰے مقصد اختلاف اور نزاع کے معنی میں، مزاحمت کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔۔۔۔ جب کوئی تنظیم بحران کا شکار ہو تو مزاحمت کی کمی خود ایک بڑا مسئلہ بن سکتی ہے. اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ جس تبدیلی کی کوشش کر رہے ہیں وہ کافی سر پھوڑ قسم کی نہیں ہے یا یہ کہ مخالف گروہ پوشیدہ ہو گیا ہے۔ اگر آپ اس بات سے بھی ناواقف ہیں کہ تنظیم کے لوگ آپ سے غیر متفق ہیں، پھر آپ مصیبت میں ہیں۔"

اسرائیلیوں نے آخر کار اپنے امریکی نگرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ایک اِنٹیل اگیزیکٹو کو یاد آیا کہ اسرائیلی جب بھی آئے، بہتر تحقیق اور بہتر ڈیٹا سمیت آئے۔ ان کے پاس جلد ہی بظاہر بلٹ پروف مقدمہ تھا کہ صنعت کہاں جا رہی تھی. اسرائیلیوں نے انتظامیہ کو بتایا کہ اِنٹیل یا تو اس سمت میں رہنمائی کر سکتا ہے یا متروک ہو جائے گا۔

اوٹیلینی نے بطور سی ای او، آخر کار اس بار اپنا خیال بدل لیا۔ اسرائیلیوں کی زبردست تحقیق کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا ۔۔ اور استقامت کا توڑ کر ہی کیا۔ مارچ 2003 میں، نئی چپ —— کوڈ بنام بنیاس، اسرائیل کے شمال میں ایک قدرتی چشمہ کا نام، لیپ ٹاپس کے لیے سینٹرینو چپ جاری کیا گیا۔ ڈیسک ٹاپس کے لیے اس کی گھڑی رفتار 2.8 گیگا ہرٹز پینٹیئم چپس کے نصف سے تھوڑی سی زیادہ تھی۔ یہ دوگنا سے زیادہ قیمت پر فروخت ہوا۔ اس نے لیپ ٹاپ صارفین کو بحسب ضرورت انتقالیت اور رفتار مہیا کی۔ اِنٹیل اور صنعت میں اس اسرائیلی ڈیزائن کردہ تبدیلی کو بطور "درست موڑ" جانا جاتا ہے کیونکہ یہ اس طریقے سے ہٹ کر واضح تبدیلی تھی جس میں گرم ہو جانے یا برقی ضرورت کی پرواہ کیے بغیر صرف مزید تیز تر گھڑی رفتار کی طرف توجہ مبذول تھی۔

انٹیل نے "درست موڑ" کی مثال کو لیپ ٹاپ کیلئے چپس کے علاوہ ڈیسک ٹاپس پر بھی لاگو کرنا شروع کر دیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو اِنٹیل اسرائیل کی حیران کن چیز نئے فن تعمیر کی اس مہم کے لیے انجینئرز واقعی اپنے کام کر رہے

تھے۔انہیں تمام کمپنی کے مستقبل کی فکر تھی؛یہ اِنٹیل کے اندر لڑائی جیتنے کی بات نہیں تھی، یہ جنگ مقابلہ جیتنے کے متعلق تھی۔

اسرائیل کی تیار کردہ نئ تعمیر جس کی ہنسی اڑائی جاتی تھی، کمپنی کیلئے انتہائی کامیاب ثابت ہوئی۔ یہ 2003 سے 2005 تک اِنٹیل کی فروخت میں 13 فیصد ترقی کا قابل اعتماد ذریعہ بن گئ لیکن اِنٹیل ابھی صنعت کے خطرات سے مامون نہیں تھا۔ابتدائی کامیابی کے باوجود 2006 سے نئے مقابلے کے سبب اِنٹیل کا مارکیٹ شیئر گیارہ سال میں اپنی کم ترین سطح پر آ گیا۔ کمپنی نے غالب پوزیشن برقرار رکھنے کی خاطر قیمتوں میں کمی کی جس سے منافع جلد ہی 42 فیصد کم ہو گیا۔ 2006 میں روز روشن جولائی کے آخر میں طلوع ہوا جب اوٹیلینی نے اِنٹیل کے پینٹیم جانشین کور 2 ڈواو چپس کی نقاب کشائی کی۔اسرائیل کے "درست موڑ" کے تصور کے علاوہ ایک اور اسرائیلی مکمل تر صورت، ڈبل کور پروسیسنگ متعارف کروایا جو چپس کو مزید تیز کرتا ہے۔اِنٹیل کے سانتا کلارا ہیڈ کوارٹرز میں امتیازی رنگوں سے سجے خیمے میں پانچ سو سامعین کو بتایا گیا،''ہم نے اب تک جتنے مائیکروپروسیسر ڈیزائن کیے یہ ان سب سے بہترین ہیں۔ یہ صرف معمولی سی بڑھتی ہوئی تبدیلی نہیں ہے؛یہ ایک انقلابی چھلانگ ہے۔" نئ چپ تیار کرنے والے باوقار انجینئرز کی تصاویر کے ساتھ اسکرینیں روشن ہو گئیں؛وہ حیفہ،اسرائیل سے بذریعہ سیٹلائٹ جشن میں شامل تھے۔اِنٹیل کا اسٹاک گو تمام سال 19 فی صد سے نیچے تھا، جولائی کے اعلان کے بعد اس میں 16 فیصد کا اضافہ ہوا۔اِنٹیل نے ایک سو دن میں چالیس نئے پروسیسرز جاری کیے، ان میں سے اکثر اسرائیلی ٹیم کے ڈیزائن پر مبنی تھے۔

فریڈمین نے کہا،''یہ ناقابل یقین ہے کہ ہم صرف چند سال قبل کوئی ایسی چیز ڈیزائن کر رہے تھے جسے کوئی نہیں چاہتا تھا۔'' وہ اب بھی حیفہ میں مقیم ہے اور اب دنیا بھر میں اِنٹیل کی ترقیاتی ٹیموں کی قیادت کر رہا ہے۔"ہم اب پروسیسرز بنا رہے ہیں جو اِنٹیل کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہو گا۔ہم ان سے چھیڑ خانی نہیں کر سکتے۔"

سمندر پار فاصلے پر جو ایک الگ تھلگ چوکی کے طور پر شروع ہوا تھا وہ اِنٹیل کی زندگی کا بڑا سہارا بن گیا۔ڈوگ فریڈمین، امریکی ٹیکنالوجی ریسرچ کے تجزیہ کار نے کہا کہ اسرائیلی ٹیم نے " کمپنی کو بچایا۔"حیفہ پلانٹ کے درمیانی درجے کے انجنیروں نے اگر کارپوریشن کے اعلیٰ ترین افسروں کو چیلنج نہ کیا ہوتا تو آج اِنٹیل کی عالمی پوزیشن بہت کم ہوتی۔

اِنٹیل اسرائیل کو الیکٹرک وال کے گرد راستے کی تلاش کے دوران کچھ اور منافع بخش ہاتھ لگ گیا۔ ہم کمپیوٹر کے متعلق یہ نہیں سوچتے کہ بہت زیادہ بجلی استعمال کرتے ہیں۔۔۔ ہم اسے اگر ہر وقت چلتا چھوڑ دیں تو وہ مجموعا'' زیادہ

بجلی استعمال کرتے ہیں۔اِنٹیل کے ایکو ٹیکنالوجی ایگزیکٹو، جان سکنر نے چپس میں استعمال بجلی کی کھپت کی مقدار کا حساب لگایا کہ اسرائیلی ٹیم کے کم بجلی صرف کرنے والے ''درست طریقے'' کے ڈیزائن سے بنانے کے بجائے اگر پرانی ڈگر پر چلتی رہتی تو:اڑھائی سال کی مدت میں 20 ٹیرا واٹ گھنٹے بجلی زیادہ صرف ہوتی۔یہ مقدار 100 واٹ کے 22 ملین بلب ۲۴ گھنٹے تمام سال جلتے رہنے کے برابر ہے۔

سکنر نے نوٹ کیا، "ہمیں بجلی کے اخراجات میں تقریباً 2 بلین ڈالر کی بچت ہوئی۔...یہ کوئلے سے چلنے والے چند پاور پلانٹس یا چند ملین کاروں کو سڑک سے ہٹانے کے برابر ہے۔ ہمیں بہت فخر ہے کہ ہم اپنی کمپنی کے کاربن ڈائی آکسائیڈ کا نقش حیرت انگیز طور پر کم کررہے ہیں۔اِنٹیل اسرائیل کی کہانی کی اہمیت صرف اتنی نہیں ہے کہ حیفہ کی ٹیم کے ایک انقلابی حل نے کمپنی کی مالی حالت بدل دی۔ایک اچھا منصوبہ تن تنہا بظاہر ہٹ دھرم انتظامی ٹیم کے خلاف معرکہ نہیں مار سکتا۔اعلیٰ حکام کی ہدایات پر عمل کرنے کے بجائے ان سے متصادم ہونے کیلئے استقلال چاہیئے۔یہ بد تمیزی کہاں سے آتی ہے؟

Dadi Perlmutter کو یاد آیا کہ جب امریکی ساتھی نے پہلی بار اسرائیلی کارپوریٹ کلچر کا مشاہدہ کیا تو وہ دم بخود رہ گیا۔"ہم سب جب چیخنے چلانے کے بعد سرخ چہرے لئے میٹنگ سے باہر آئے تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ہوُا؟ میں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں. ہمیں چند اچھے نتائج میسر آئے۔"اس قسم کی گرما گرم بحث دیگر کاروباری ثقافتوں میں مردود ہے لیکن اسرائیلیوں کے نزدیک اکثر اسے کسی مسئلے کو حل کرنے کا بہترین طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ اسرائیلی اسٹارٹ۔۔۔اپس میں ایک امریکی سرمایہ کار نے بتایا، "آپ اگر انا کے ابتدائی زخم سہہ سکتے ہیں تو یہ طریقہ بے حد آزادی مہیا کرتا ہے۔آپ نے اسرائیلی کمپنیوں میں کم ہی دیکھا ہوگا کہ لوگ کسی کی پیٹھ پیچھے بات کرتے ہیں۔ آپ کو ہمیشہ اس کا علم ہے کہ آپ سب کے ساتھ کہاں کھڑے ہیں۔یہ فضول باتوں پر وقت ضائع کرنے کو کم کرتا ہے۔"پرلمٹر بعد میں سانتا کلارا چلا گیا اور موبائل کمپیوٹنگ کا بطور انچارج اِنٹیل کا ایگزیکٹو نائب صدر بن گیا۔ کمپنی میں اس کا حصہ آمدنی کا تقریباً نصف پیدا کرتی ہے۔وہ کہتا ہے، ''جب میں اسرائیل واپس جاتا ہوں تو مجھے اِنٹیل کا پرانا کلچر یاد آتا ہے۔یہ ایک ایسے ملک میں نہائت آسان ہے جہاں شائستگی کی قیمت کافی کم ہے۔''اسرائیل اور امریکہ کے درمیان ثقافتی اختلافات دراصل اس قدر ہیں کہ اِنٹیل نے ان کو ختم کرنے کے لیے "کراس کلچرل سیمینارز" منعقد کیئے۔"

ان سیمینارز چلانے والا مولی ایڈن کہتا ہے۔" امریکہ میں پانچ سال گذارنے کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ اسرائیلیوں کے متعلق دلچسپ بات ان کی ثقافت ہے جو ان میں نہائت منضبط نہیں ہے۔ ہمیں پیدائش کے وقت سے ظاہر کو للکارنے، سوالات پوچھنے، ہر چیز پر بحث کرنے اور بنیاد پرستی میں تجدید کی تعلیم دی جاتی ہے۔
وہ نتیجتا" مزید کہتا ہے، "پانچ اسرائیلیوں کا پچاس امریکیوں کے مقابلتا" انتظام کرنا زیادہ پیچیدہ ہے کیونکہ آپ کو اسرائیلی ہمہ وقت للکاریں گے ــــ ایسے آغاز سے 'آپ میرے مینیجر کیوں ہیں؟ میں آپ کا مینیجر کیوں نہیں ہوں؟"

باب 2

میدان جنگ کے اینٹرپرینیورز

اسرائیلی ٹینک کمانڈر جو شام کی ایک جنگ میں لڑا وہ دنیا کے بہترین انجینئرنگ ایگزیکٹوز میں سے ہے۔ ٹینک کمانڈر عملا" بہترین ہوتے ہیں اور ان کا کام انتہائی تفصیل پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ بیس سالہ تجربہ ان کے ساتھ کام اور مشاہدہ کرنے پر مبنی ہے۔۔

ایرک شمٹ

اکتوبر 1973 کو قوم کے یہودی سال پر یوم القدس کے لیے بند کر دیا گیا تھا۔ مصر اور شام کی فوجوں نے انتہائی حیرت انگیز حملے سے یوم کپور جنگ کا آغاز کیا۔ مصری فوجوں نے چند گھنٹوں کے اندر نہر سویز کے ساتھ اسرائیل کی دفاعی لائن روند ڈالی۔ مصری پیادہ فوج پہلے ہی ٹینکوں کی جگہ پر قابو پا چکی تھی جہاں حملے کی صورت میں اسرائیلی بکتر بند افواج کو تیزی سے پہنچنا تھا۔ دشمن کے سینکڑوں ٹینک ابتدائی پرزور حملے کے ساتھ چڑھائی کر رہے تھے۔
اسرائیل کی سب سے بڑی فوجی فتح، چھ روزہ جنگ کے صرف چھ سال بعد ایک بعید از قیاس مہم جو دنیا کے تخیل پر چھا گئی۔ اس جنگ سے کچھ ہی عرصہ پہلے 1967 میں ایسا لگتا تھا کہ انیس سالہ یہودی ریاست ہر محاذ پر عرب فوجوں کے حملہ سے کچل دی جائے گی۔ اس چھ دنوں کی جنگ میں اسرائیل نے بیک وقت مصری، اردنی اور شامی افواج کو شکست دی اور شام سے گولان کی پہاڑیاں، اردن سے ویسٹ بینک اور مشرقی یروشلم اور مصر سے غزہ کی پٹی اور سینائی جزیرہ نما چھین کر اپنی سرحدیں بڑھائیں۔

اسرائیلیوں کو اس مہم نے ناقابل تسخیر ہونے کا احساس دلایا۔اس کے بعد کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ عرب ریاستیں ایک اور چو طرفہ حملے کا خطرہ مول لیں گی۔فوج میں بھی اس کا مطلب یہی تھا کہ اگر عربوں نے حملہ کرنے کی جرآت کی تو اسرائیل 1967 کی طرح ان کی فوجوں کو تیزی سے شکست دے ڈالے گا۔اکتوبر 1973 کے اُس دن اسرائیل جنگ کے لیے تیار نہیں تھا۔اسرائیلی قلعوں کی نہر سویز کے اس پار مصریوں کے سامنے پتلی سی لڑی زبردست مصری حملے کے مقابلتا" کوئی شے نہیں تھی۔تباہ شدہ فرنٹ لائن کے پیچھے تین اسرائیلی ٹینک بریگیڈ پیش قدمی کرنے والی مصری فوج اور اسرائیل کے قلب کے درمیان کھڑے تھے۔صرف ایک بریگیڈ آگے تھا جسے چھپن ٹینکوں کے ساتھ 120 میل کے محاذ کا دفاع کرنا تھا۔اس کا کمانڈر کرنل امنون ریشیف تھا۔وہ جیسے ہی اپنے آدمیوں کے ساتھ حملہ آور مصریوں سے مقابلہ کرنے کے لیے دوڑ رہا تھا تو ریشیف نے دیکھا کہ اس کے ٹینک یکے بعد دیگرے نشانہ بن رہے تھے۔مصری دشمن کے ٹینک یا اینٹی ٹینک بندوقیں نظروں سے اوجھل تھیں۔کس قسم کا آلہ اس کے آدمیوں کو ختم کر رہا تھا؟اس نے پہلے سوچا کہ ٹینکوں کو راکٹ سے چلنے والے دستی بموں سے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔(RPGs)، کلاسک ہینڈ ہیلڈ اینٹی ٹینک ہتھیار جو پیدل افواج استعمال کرتی ہے۔ریشیف اور اس کے آدمی تربیت کے مطابق تھوڑا پیچھے ہٹ گئے تاکہ وہ نزدیک سے RPGs کا نشانہ بننے سے دور ہو جائیں۔لیکن ٹینک تباہ ہوتے جا رہے تھے۔اسرائیلیوں کو احساس ہوا کہ انہیں کسی بظاہر پوشیدہ ہتھیار سے مارا جا رہا تھا—جنگ میں جونہی تیزی آئی تو ایک سراغ ظاہر ہوا۔ٹینک آپریٹرز جو میزائل لگنے سے بچ گئے،انہوں نے دوسروں کو اطلاع دی کہ ان نشانہ بنائے گئے ٹینکوں کی طرف بڑھتی ہوئی ایک سرخ بتی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔اسرائیلی تباہ ٹینکوں کی طرف زمین پر آتی تاریں تھیں۔کمانڈروں نے مصر کا خفیہ ہتھیار سیگر دریافت کر لیا جسے Pavlovich SergeiNepobedimyi نے ڈیزائن کیا جس کے آخری لفظ کا مطلب روسی میں "ناقابل شکست" ہے۔

سیگر 1960 میں بنایا گیا تھا۔نیا ہتھیار پہلے پہل وارسا معاہدے کے ممالک کو فراہم کیے گئے تھے لیکن اسے پہلی مرتبہ مصری اور شامی فوجوں نے یوم کپور کی جنگ میں مستقل استعمال کیا۔IDF کے جنوبی اور شمالی محاذوں پر 400 ٹینک تباہ اور 600 ناکارہ ہو گئے لیکن مرمت کے بعد جنگ میں واپس آ گئے۔سینائی ڈویژن کے 290 ٹینکوں میں سے 180 پہلے دن تباہ ہوئے۔IDF کے ناقابل تسخیر ہونے کے ہالہ کیلئے بڑا دھچکا تھا۔تقریباً نصف نقصان آر پی جیز سے ہوا، باقی نصف سیگر سے۔سیگر پتلی تار سے سگنل سے چلنے والا میزائل تھا جسے زمین پر پڑا ایک سپاہی فائر کر سکتا تھا۔اس کی رینج—وہ فاصلہ جہاں سے یہ نشانہ بنا کر ایک ٹینک تباہ کر سکتا ہے—3,000 میٹر (یا 1.86 میل) جو RPG سے دس گنا زیادہ تھا۔سیگر کہیں زیادہ طاقتور بھی تھا۔ہتھیار چلانے والا اکیلا کام کر سکتا تھا اور

اسے چھپنے کے لیے جھاڑی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ صحرائی ریت میں ایک کم گہری جگہ کارآمد ہو سکتی ہے۔ایک ہتھیار چلانے والے کو اسے صرف ٹینک کی سمت میں داغنا تھا اور میزائل کے پچھلے حصے میں سرخ روشنی کی رہنمائی کیلئے جوائس اسٹک کو استعمال کرنا تھا۔ سپاہی جب تک سرخ بتی کو دیکھ سکتا تھا وہ تار جو میزائل سے منسلک رہتی تھی وہ کافی فاصلہ پر ہدف کی درست رہنمائی کرتی تھی۔

اسرائیلی اِنٹیلی جنس کو جنگ سے پہلے سیگرز کے متعلق علم تھا بلکہ آہستہ سے نیچا دکھانے کی جنگ کے دوران مصری سرحد پار حملوں میں ان کا سامنا بھی ہو چکا تھا جس کا آغاز 1967 کی جنگ کے بعد ہوُا، لیکن اعلیٰ افسروں کا خیال تھا کہ سیگرز محض ایک اور اینٹی ٹینک ہتھیار ہے، جو ان کے پاس موجود اسلحہ سے معیار کے لحاظ سے مختلف نہیں جس کا وہ 1967 کی جنگ میں کامیابی سے مقابلہ کر چکے تھے۔ان کے خیال میں ان کی روک تھام کی پالیسی پہلے سے موجود تھی لیکن سیگر کی دھمکی سے نپٹنے کیلئے خصوصی تیاری نہ کی گئی تھی۔ ریشیف اور اس کے آدمیوں کو سخت جنگ کے درمیان خود دریافت کرنا پڑا کہ انہیں کس قسم کا ہتھیار مار رہا ہے اور اس سے کیسے نمٹا جائے۔لوگوں کی رپورٹوں کی روشنی میں ریشیف کے باقی ماندہ افسروں نے محسوس کیا کہ سیگرز میں چند کمزوریاں تھیں: ان کی پرواز نسبتاً نیچی تھی اور ان کا انحصار نشانہ باز کی اسرائیلی ٹینک کے ساتھ آنکھ کے رابطے کو برقرار رکھنے پر تھا۔اسرائیلیوں نے ایک نیا نظریہ وضع کیا: کسی ٹینک کے سرخ بتی دیکھنے پر سب ٹینک بلا ترتیب نادیدہ نشانہ باز کی سمت فائر نگ کرتے ہوئے حرکت کرنا شروع کر دیں۔

ٹینکوں کے چلنے سے اٹھنے والی دھول نشانہ باز کی میزائل کی مہلک سرخ بتی کی نظر آنے والی لائن کو دھندلا دے گی اور جوابی نشانہ باز کو روشنی پر نظر رکھنے سے روک بھی سکے گی۔ یہ بالکل نیا نظریہ کامیاب ثابت ہوُا اور اسے جنگ کے بعد بالآخر نیٹو افواج نے اپنایا۔ یہ محاذ پر فوجیوں کے ذریعہ تیار کیا گیا تھا، اس ہدائت نامہ کو جنگی کالجوں میں سال ہا سال سے آزاد یا مجوزہ مشقوں کے ذریعہ بہتر نہیں بنایا گیا تھا۔اسرائیلی فوج میں ہمیشہ کی طرح جدت انفرادی ٹینک کمانڈروں اور ان کے افسروں سے نیچے سے اوپر آئی۔ یہ ان سپاہیوں کو شاید کبھی خیال نہ آیا کہ وہ اپنے اعلیٰ حکام سے اس مسئلے کا حل طلب کریں یا یہ کہ انہیں شائد بذات خود آزادانہ مسئلہ حل کرنے کا اختیار نہیں تھا۔انہیں ایجاد کرنے، اپنانے اور ذمہ داری لینے یا نئے ہتھکنڈوں کو اصل وقت یا جلدی میں پھیلانے میں کچھ بھی عجیب محسوس نہیں ہوتا۔

یہ فوجی جو کر رہے تھے وہ عجیب تھا۔اگر وہ کسی بین الاقوامی کمپنی یا کسی دوسری افواج میں کام کر رہے ہوتے تو وہ شائد کم از کم بذات خود ایسے کام نہ کر پاتے۔ مورخ مائیکل اورین جس نے آئی ڈی ایف میں دوسرے فوجیوں کے

ساتھ بطور رابطہ خدمات انجام دیں، "اسرائیلی لیفٹیننٹ شاید دنیا میں کسی بھی فوج میں اپنے ہم منصب کے مقابلتاً" فیصلہ کرنے میں زیادہ آزاد ہے۔" یہ آزادی جو تمام کارپوریٹ کلچر میں دیکھی گئی جس کا ہم نے پچھلے باب میں جائزہ لیا تھا؛ اسرائیلی فوج میں اگر زیادہ نہیں تو اتنا ہی مروج ہے۔

جب کوئی عام طور پر فوجی کلچر کے متعلق سوچتا ہے تو وہ کسی سخت درجہ بندی، اعلیٰ افسروں کی غیر متزلزل فرماں برداری کے متعلق سوچتا ہے اور اس حقیقت کا ادراک کہ ہر سپاہی ایک بڑے پہیے میں چھوٹا سا صرف ایک بے خبر گیئر ہے۔ IDF اس خبر کے مطابق نہیں ہے۔ اسرائیل میں ہر شخص کافی حد تک فوج میں خدمات انجام دیتا ہے جہاں اسرائیلی شہریوں میں دو سے تین سال کی لازمی سروس میں کلچر اتارا جاتا ہے۔ IDF کی ذمہ داری کا نیچے کی طرف نزول سخت ضرورت اور ڈیزائن دونوں سے ہے۔ "تمام افواج برجستگی کی قدر کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں: یہ پڑھیں کہ چینی، فرانسیسی یا برطانوی افواج کیا کہتی ہیں۔۔۔ وہ سب برجستگی کے متعلق بات کرتے ہیں۔ الفاظ آپ کو کچھ نہیں بتاتے۔" ایڈورڈ لٹواک، فوج کا مورخ، فن حرب کا ماہر، 'پینٹاگون اینڈ دی آرٹ آف وار' کا مصنف اور 'دی اسرائیل آرمی' لکھنے میں شریک کے مطابق، "آپ کو ساخت کو دیکھنا ہوگا۔" لٹواک نے بات سمجھانے کے لیے بآسانی دنیا کی فوجوں میں اہل کاروں اور افسروں کا تناسب بتانا شروع کر دیا جس نے اسرائیل پر یہ کہہ کر ختم کیا جس کے فوجی اہرام کا آخری سرا غیر معمولی طور پر تنگ ہے۔ "IDF نے بالائی سطح پر دانستہ کم عملہ رکھا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ احکامات جاری کرنے کے لیے بالائی افسروں کی تعداد کم ہے۔ کم بالائی عہدے داروں کا مطلب ہے کہ کم تر عہدے دار انفرادی طور پر خود سمجھ کر آزادانہ کام کریں۔" لتواک بتاتا ہے کہ اسرائیلی فوج میں کرنل بہت کم لیکن لیفٹیننٹ بکثرت ہیں۔ امریکی فوج میں لڑاکا سپاہیوں اور اعلےٰ افسروں کا تناسب 1 اور 5 ہے؛ IDF میں یہ 1 اور 9 ہے۔ اسرائیلی فضائیہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ اسرائیلی ایئر فورس (IAF) میں فرانسیسی اور برطانوی فضائی افواج سے بڑی ہونے کے باوجود اعلےٰ افسر بہت کم ہیں۔ آئی اے ایف کا سربراہ ایک دو اسٹار جنرل ہے جو خصوصاً" دیگر مغربی افواج سے کم تر درجہ کا ہے۔

امریکہ کے لیے شائد بالائی درجہ میں زیادہ اعلیٰ ترین افسروں کا ہونا ضروری ہو چونکہ امریکی فوج بہت بڑی ہے، گھر سے آٹھ ہزار میل کی دوری تک جنگیں لڑتی ہے اور اسے متعدد براعظموں پر تعیناتی کیلئے نقل و حمل اور کمانڈ کے منفرد چیلنجوں کا سامنا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ ہر فوج کو ذمہ داریوں کیلئے اس کا سائز اور ڈھانچہ حسب ضرورت صحیح ہے، یہ حقیقت کہ IDF کا بالائی درجہ کافی ہلکا ہے اس کے اہم نتائج ہیں۔

یہ فائدہ ہم پر IDF کے تیس سالہ گیلا دفرحی نے واضح کیا۔اس کے کیریئر کا راستہ کافی عجیب تھا: وہ اٹھارہ سال کی عمر میں کمانڈو یونٹ میں فوجی، پیادہ کمپنی کا جزوی حصہ، پھر کمپنی کا کمانڈر بننے کے بعد سدرن کمانڈ کا ترجمان مقرر ہؤا۔ وہ اس کے بعد ایک پیادہ بٹالین ہارُوو کا ڈپٹی کمانڈر بن گیا۔اب وہ IDF کی ایک تازہ ترین پیادہ رجمنٹ کا کمانڈر ہے۔ ہم اس سے وادی اردن کے ایک بنجر کنارے پر ملے۔ وہ جیسے چل کر ہماری طرف آرہا تھا تو نہ اس کی جوان سالی اور نہ ہی اس کے لباس (ایک چُرمرِسی پیادہ فوج کی وردی) سے بیس کا کمانڈر لگ رہا تھا۔ ہم نے اس کا اس کی نئی بھرتی کی کلاس سے ایک دن پہلے انٹرویو کیا۔

فرحی اگلے سات ماہ کے لیے 650 فوجیوں کی بنیادی تربیت کا انچارج ہو گا جن میں زیادہ تر تازہ ہائی اسکول ختم کرنے والوں کے علاوہ تقریباً 120 افسروں، اسکواڈ کمانڈروں، سار جنٹوں کے علااوہ انتظامی عملہ ہو گا۔ فرحی نے بتایا، ''یہاں دلچسپ ترین لوگ کمپنی کمانڈر ہیں، وہ نہائت حیرت انگیز لوگ ہیں۔ یہ بچے ہیں—یہ تئیس سالہ کمپنی کمانڈر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سو سپاہیوں، بیس افسروں اور سار جنٹوں بشمول تین گاڑیوں کا انچارج ہے۔ اسے جمع کیا جائے تو اس کا مطلب نکلتا ہے، ایک سو بیس رائفلیں، مشین گنیں، بم، دستی بم، بارودی سرنگیں، وغیرہ۔ فرحی نے بتایا، ساز و سامان، نہائت مرعوب کن ذمہ داری ہے۔'' کمپنی کمانڈر سب سے نچلا درجہ ہے جسے ایک علاقہ کی لازماً'' ذمہ داری لینی چاہیے۔ اگر کوئی دہشت گرد اس علاقے میں آگھستا ہے تو وہاں ایک کمپنی کی کمانڈ اس کے نام پر ہے۔ مجھے بتایئے دنیا میں کہیں اور تئیس سالہ کتنے ہیں جن پر ایسا دباؤ ہو۔"فرحی نے ان تئیس سالہ کو درپیش ایک نادر چیلنج کی مثال دی۔ ویسٹ بینک کے شہر نابلس میں ایک آپریشن کے دوران فرحی کی کمپنی کا ایک زخمی فوجی ایک دہشت گرد کے زیر حراست گھر میں پھنسا ہؤا تھا۔ کمپنی کمانڈر کے پاس تین وسائل تھے: حملہ آور کتا، اس کے سپاہی اور ایک بلڈوزر. سپاہیوں کو اندر بھیجنے سے مزید جانی نقصان کا خطرہ تھا۔ گھر کو تباہ کرنے سے زخمیوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ معاملات کی مزید پیچیدگی کے لیے گھر اور فلسطینی اسکول کی دیوار مشترک تھی جہاں بچے اور اساتذہ ابھی تک اندر تھے۔ صحافی سکول کی چھت سے تمام منظر کی فلم بنا رہے تھے۔ دہشت گرد اس دوران اسرائیلی فوجیوں اور صحافیوں پر گولیاں برسا رہا تھا۔ کمپنی کمانڈر کو تمام تعطل کے دوران خود کفیل ہونا تھا۔ فرحی دور سے ذمہ داری سنبھالنے کی کوشش کر سکتا تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ اسے سوچنے سمجھنے کی آزادی دینا ہے: کمانڈر کیلئے لاتعداد مخمصے تھے اور درسی کتاب جیسا کوئی حل نہیں تھا۔'' سپاہی زخمی فوجی کو بچانے میں کامیاب ہو گئے جب کہ دہشت گرد اندر ہی رہا۔ کمانڈر کو علم تھا کہ اسکول کا عملہ خطرے کے باوجود اسکول خالی کرنے سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ

ان پر دہشت گرد "رفیق کار" کا نام داغ دیں۔ اسے اس کا علم تھا کہ صحافی سکول کی چھت نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ تازہ ترین خبر دینے میں پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے۔

کمانڈر کا حل: اسکول کو دھواں دار دستی بموں کے ذریعہ خالی کرواؤ۔ جب طلباء، اساتذہ اور صحافیوں کو بحفاظت نکال لینے کے بعد کمانڈر نے فیصلہ کیا کہ اب دہشت گرد کو ملحقہ عمارت سے بھگانے کے لیے بلڈوزر بھیجنا محفوظ ہے۔ ایک بار جب بلڈوزر گھر میں گھسنے لگا تو کمانڈر نے دہشت گرد کو بے اثر کرنے کے لیے کتے کا پٹہ کھول دیا۔ بلڈوزر جب گھر کو منہدم کر رہا تھا تو ایک اور دہشت گرد جس سے اسرائیلی بے خبر تھے، ساتھ والے اسکول سے باہر آیا۔ باہر کھڑے فوجیوں نے اس دہشت گرد کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس تمام آپریشن میں چار گھنٹے لگے۔ فرحی نے ہمیں بتایا، "میرے پہنچنے سے قبل یہ تئیس سالہ کمانڈر چار گھنٹے تک زیادہ تر اکیلا رہا۔" فرحی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا،

" کمپنی کمانڈر جب ایسے واقعے کے بعد فوجی مقام پر واپس آتا ہے تو اس کے سپاہی اسے مختلف نظروں سے دیکھتے ہیں اور وہ خود کو بھی مختلف لگتا ہے۔ وہ بذات خود —— اس کے فوجی، فلسطینی اسکول کے بچے، صحافی بہت سے لوگوں کی زندگیوں کا ذمہ دار خطرے میں تھا: دیکھیئے، اس نے مشرقی یورپ فتح نہیں کیا لیکن اسے ایک نہائت پیچیدہ صورت حال کیلیئے ایک تخلیقی حل تلاش کرنا تھا؛ اس کی عمر صرف تئیس سال تھی۔"

ہم نے پھر ایک بریگیڈیئر جنرل سے بیس سالہ یوسی کلین کے متعلق سنا جو 2006 کی لبنان جنگ میں ہیلی کاپٹر پائلٹ تھا۔ اسے جنوبی لبنان میں بہت دور سے ایک زخمی فوجی کو نکالنے کا حکم دیا گیا۔ جب وہ ہیلی کاپٹر میدان جنگ میں لے کر گیا تو زخمی سپاہی کو اسٹریچر پر لیٹا پایا جس کے گرد بڑھتی ہوئی گھنی جھاڑیاں تھیں جس کی بنا پر زمین سے اسٹریچر کو کھینچ کر بورڈ پر لانے کیلیئے ہیلی کاپٹر کو زمین کے کافی قریب اتارنا یا منڈلانا ناممکن تھا۔ ایسی صورت حال سے کیسے نمٹا جائے اس کے متعلق تو کوئی دستور العمل موجود نہیں تھا، لیکن اگر ہوتا بھی تو کلین نے جو کیا ویسا کرنے کی سفارش نہ کی جاتی۔ اس نے ہیلی کاپٹر کے ٹیل روٹر کو بطور سبزہ زار کی کانٹ چھانٹ کی مشین استعمال کیا۔۔ روٹر کسی بھی لمحہ ٹوٹ سکتا تھا جس سے ہیلی کاپٹر زمین پر گر کر تباہ ہو جاتا۔ کلین نے جھاڑیوں کو اتنا تراش لیا کہ وہ زمین کے قریب منڈلا کر زخمی فوجی کو اٹھا سکتا تھا۔ سپاہی کو جلدی سے اسرائیلی ہسپتال لے جایا گیا جہاں اس کی جان بچ گئی۔

فرحی نے اپنے ماتحت کمپنی کمانڈروں کے متعلق بات کرتے ہوئے پوچھا، "کالجوں میں ان کے جونیئر سال میں ان کے کتنے ہم سروں کا اس طرح امتحان لیا گیا ہے؟... کیا آپ ایک بیس سالہ بچے کو ایسی ذمہ داری نبھانے کی تربیت دے کر بالغ بنا سکتے ہیں؟" وہ اختیار جو چند جونیئر ترین ممبروں کو تفویض کیا جاتا ہے۔ فوج نے بعض اوقات اسرائیلی

لیڈروں کو بھی حیران کر دیا ہے۔یتزاک رابن کی پہلی پریمیئر شپ 1974 کے دوران آئی ڈی ایف کے یونٹ 8200—کی ایک نوجوان خاتون سپاہی،اسی یونٹ سے جس میں فراڈ سائنسز کے بانیوں نے خدمات انجام دی تھیں،دہشت گردوں کے ہاتھوں اغوا ہو گئی۔میجر جنرل ہارون زیوی فرکاش (موسوم بنام فرکاش)، جس نے اس یونٹ کی سربراہی کی—جو اسرائیل میں امریکی قومی سلامتی کے متوازی ہے،ایجنسی—نے رابن کی غیر یقینیت کو یاد کیا: "اغوا کی گئی لڑکی ایک سارجنٹ تھی۔رابن نے ہم سے کہا کہ وہ معلومات فراہم کریں کہ وہ کیا کچھ جانتی تھی۔وہ فکر مند تھا کہ اس سے خفیہ معلومات زبردستی سے کس قدر اگلوائی جاسکتی تھیں۔جب اس نے مختصر معلومات وہدایات دیکھیں تو رابن نے ہم سے کہا کہ ہمیں فوری تحقیقات چاہئے۔یہ ناممکن ہے کہ ایک سارجنٹ کو اسرائیل کی سلامتی کے اتنے اہم رازوں کا علم ہو۔یہ کیسے ہوُا؟"

رابن کا ردعمل خصوصا''حیران کن تھا چونکہ وہ اسرائیل کی چھ روزہ جنگ کے دوران آئی ڈی ایف کا سربراہ رہ چکا تھا۔فرکاش نے کہانی جاری رکھتے ہوئے کہا: "تو میں نے اس سے کہا،'جناب وزیر اعظم،یہ انفرادی سارجنٹ اکیلی نہیں ہے۔یہ کوئی غلطی نہیں تھی۔یونٹ 8200 کے تمام سپاہیوں کو ان باتوں کا علم ہونا چاہیے کیونکہ اگر ہم نے ایسی معلومات کو افسروں تک محدود رکھا تو ہمارے پاس کام مکمل کرنے کے لیے کافی لوگ نہیں ہوں گے۔ہمارے پاس کافی افسر نہیں ہیں۔'نظام کو تبدیل نہ کیا گیا کیونکہ یہ ہمارے لیے ناممکن ہے،افرادی قوت کی مجبوریوں کے پیش نظر مختلف نظام تعمیر کرنا ناممکن ہے۔"

فرکاش آج ایک کمپنی چلاتا ہے جو کارپوریٹ اور رہائشی سہولیات کو اختراعی سیکیورٹی سسٹم فراہم کرتی ہے،اس نے بذلہ سنجی سے کہا جو بڑی طاقتوں کے مقابلتا'' ہے کہ اسرائیل میں چار "جرنیلوں" کی کمی ہے: "جنرل ٹیریٹری، جنرل مین پاور، جنرل ٹائم اور جنرل بجٹ۔''فرکاش کا کہنا ہے کہ جنرل مین پاور کی کمی کے متعلق کچھ نہیں کیا جاسکتا۔"ہم دیگر ممالک کی طرح بہت زیادہ افسر مختص نہیں کر سکتے،اس لیے ہمارے پاس سارجنٹس ہی ہیں جو واقعی لیفٹیننٹ کرنلوں کا کام کر رہے ہیں۔''

افرادی قوت کی یہ کمی اس کے لیے بھی ذمہ دار ہے جو شاید IDF کی سب سے غیر معمولی خصوصیت ہے: اس کی ریزرو فورسز کا کردار دوسرے ممالک کے برعکس اسرائیل کی فوج کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ریزرو افواج کو اکثر ملٹریوں میں حاضر فوج کے بطور ضمیمہ تیار کیا جاتا ہے جو ملک کی دفاعی لائن ہے۔اسرائیل مخالفین کی کثیر تعداد کے مقابلتا''بہت چھوٹا ہے اور یہ اس کے آغاز سے ہی واضح تھا کہ کوئی بھی حاضر فوج اتنی بڑی نہیں ہو سکتی کہ وہ ہر طرف سے حملے کے خلاف دفاع کر سکے۔

جنگ آزادی کے کچھ عرصہ بعد اسرائیلی رہنماؤں نے فوجی ڈھانچہ میں ریزرو کی اکثریت پر مبنی ایک منفرد فیصلہ کیا جس کے تحت ریزروسٹ نہ صرف تمام یونٹس کے کارندے ہوں گے بلکہ وہ ریزروافسروں کے ماتحت بھی ہوں گے۔دیگر ممالک کی افواج میں ریزرویونٹوں کو حاضر فوج کے افسران شاذ کمانڈ کر سکتے ہیں یا نہیں لیکن جنگ میں بھیجنے سے پہلے انہیں ہفتوں بلکہ مہینوں بحالی کیلئے ٹریننگ دی جاتی ہے۔لٹواک کہتا ہے،"کسی فوج نے اپنے ایسے سپاہیوں کے گروپ پر اعتماد نہیں کیا جنہیں واپس بحالی کیلئے بلانے کے ایک دو دن بعد لڑائی میں بھیج دیا جائے۔"اس کا واقعی کسی کو علم نہ تھا کہ آیا اسرائیل کا منفرد ریزروسسٹم کام کرے گا چونکہ اسے کبھی آزمایا ہی نہیں گیا تھا۔دنیا میں آج ایسے نظام کی واحد فوج اسرائیلی فوج ہے۔

امریکی فوج کے مورخ فریڈ کیگن نے وضاحت کی،"یہ فوج کو منظم کرنے کا گوایک خوفناک طریقہ ہے لیکن اسرائیلی اس میں بہترین ہیں کیونکہ ان کے پاس کوئی متبادل چارہ نہیں تھا۔"

اسرائیل کا ریزروسسٹم صرف ملک کی ایک اختراعی مثال نہیں ہے؛یہ اس نظام مین مزید تیزی لانے والا بھی ہے. درجہ بندی اس وقت قدرتی طور پر دب جاتی ہے جب ٹیکسی ڈرائیور کروڑپتیوں کو حکم اور تئیس سالہ بچے اپنے چچاؤں کو تربیت دے سکتے ہیں۔ریزروسسٹم اس بے ترتیب،درجہ بند اخلاقیات کی مخالفت کو تقویت دینے میں مدد دیتا ہے جس کا مظاہرہ اسرائیلی معاشرے کے ہر پہلو،وار روم،کلاس روم اور بورڈ روم میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ناٹی رون دنیاوی زندگی میں ایک وکیل اور لیفٹینینٹ کرنل،جو ریزرووں کے ایک آرمی یونٹ کی کمانڈ کرتا ہے۔ اس نے ہمیں ایسے بتایا گویا یہ دنیا کی سب سے قدرتی چیز ہے۔"ایک سپاہی ایکسرسائز کرتے ہوئے ایک جنرل کو بتائے گا،'آپ یہ غلط کر رہے ہیں،آپ کو اس طریقے سے کرنا چاہیے۔"آموس گورین تل ابیب میں اپیکس پارٹنرز کے ساتھ وینچر کیپیٹل کا سرمایہ کار متفق ہے۔اس نے پانچ سال تک اسرائیلی کمانڈوز میں خدمات انجام دیں اور اگلے پچیس سال تک ریزرووں میں تھا۔"میں نے اس تمام وقت کے دوران کبھی کسی کو سلام نہیں کیا درایں حال کہ میں افسر بھی نہیں تھا۔میں صرف ایک معمولی سپاہی تھا۔"

لٹواک کا کہنا ہے کہ "ریزروتشکیلات میں بظاہر فوجی زندگی کے تمام سازوسامان سمیت مدنی ماحول برقرار رہتا ہے۔"اس کا مطلب یہ نہیں کہ سپاہیوں سے احکامات کی تعمیل کی توقع نہیں کی جاتی۔گورین نے واضح کیا،"اسرائیلی سپاہیوں کی تعریف عہدے سے نہیں کی جاتی؛وہ جس کام میں اچھے ہیں اسی سے جانے جاتے ہیں۔۔"یا جیسے لٹواک نے کہا،"احکام فی الواقعی سرانجام دینے والے کاموں کیلئے جرات مند لوگوں کو دئے جاتے ہیں اور ان کی تعمیل کی

جاتی ہے لیکن عہدے کی درجہ بندی کی حیثیت معمولی سی ہے، خصوصا" اس لئے کہ یہ اکثر عمر اور سماجی حیثیت کے درمیان شدید فرق کو کاٹتا چلا جاتا ہے۔"

ہم نے جب میجر جنرل فرکاش سے پوچھا کہ اسرائیل کی فوج درجہ بندی کی مخالف اور سوال پوچھنے میں اس قدر آزاد کیوں ہے؟ اس نے ہمیں بتایا کہ یہ بات صرف فوج ہی میں نہیں، اسرائیلی معاشرہ اور تاریخ ایسے ہی ہیں۔ اس نے کہا، "ہمارا مذہب ایک کھلی کتاب ہے۔ ایک لطیف یورپی لہجہ جو ٹرانسلوانیا میں اس کے ابتدائی سالوں کی دین ہے۔ "کھلی کتاب" اس نے جس کا ذکر کیا وہ تالمود تھی۔ صدیوں کی ضخیم یادداشتیں جس میں بائبل کی تشریح کرنے اور اس کے قوانین پر عمل پیرا ہونے کے متعلق رابائیوں کے مباحث تھے۔۔۔ یہودی مذہب میں پوچھ گچھ اور اسرائیلی قومی اخلاقیات ہمیشہ اسی سے اخذ کئے گئے ہیں۔

اسرائیلی مصنف آموس اوز نے کہا کہ یہودیت اور اسرائیل نے ہمیشہ شک اور دلیل کا کلچر، آزاد تشریحات، جوابی تشریحات، دوبارہ تشریحات، مخالف تشریحات کا ذوق پیدا کیا ہے۔ یہودی تہذیب کے وجود کے آغاز سے ہی دلیل بازی اس کی پہچان تھی۔ "IDF میں درجہ بندی کا فقدان درحقیقت شہریوں کی زندگی میں جاری و ساری ہے۔ یہ لوگوں کی درجہ بندی توڑ بھی سکتا ہے۔ لٹواک کہتا ہے، "پروفیسر اپنے طالب علم، باس اپنے اعلیٰ درجے کے کلرک کے لیے عزت حاصل کرتا ہے۔۔ ہر اسرائیلی کے 'ریزروسے' دوست ہیں اس کا جن کے ساتھ بصورت دیگر کسی قسم کا سماجی رابطہ نہ ہو سکتا۔" محض بے آرام جھونپڑیوں یا خیموں میں سونا، بدذائقہ فوجی کھانا کھانا، کئی کئی دن تک اکثر غسل نہ کرنا، وسیع پیمانے پر مختلف سماجی پس منظر کے ریزروسٹوں کا برابری کی بنیاد پر ملنا؛ اسرائیلی معاشرہ میں اب بھی بہت سوں کے مقابلتا" طبقاتی فرق کم ہے اور ریزرو نظام نے اسے برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔"

درجہ بندی اور عہدوں میں توافق نہ ہونا دیگر افواج میں نہیں ہے۔

مورخ اور IDF ریزرو آفیسر مائیکل اورین ـــــ جو اب امریکہ میں اسرائیلی سفیر ہے، وہ جب ایک فوجی رابطہ یونٹ میں تھا، اس نے ایک اسرائیلی فوجی اڈے کا عام منظر بیان کیا: "آپ کئی ایک اسرائیلی جرنیلوں کے آس پاس بیٹھے ہیں اور ہم سبھی کو کافی چاہیئے تھی۔ جو بھی کافی کی کیتلی کے قریب ہے وہ کافی بنائے گا۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ عام سی بات تھی کہ جرنیل اپنے فوجیوں کو کافی پیش کر رہے ہیں یا اس کے برعکس۔ ان چیزوں کے متعلق کوئی سرکاری آداب نہیں؛ آپ اگر امریکی کپتانوں کے ساتھ ہوتے اور ایک میجر داخل ہوتا تو ہر کسی میں تناؤ پیدا ہو جائے گا اور پھر ایک کرنل اندر آجائے تو میجر تناؤ میں آجائے گا. امریکہ میں یہ انتہائی سخت درجہ بندی۔۔ شِعار ہے۔ عہدہ انتہائی اہم ہے۔ امریکی فوج میں کہتے ہیں کہ، 'آپ رینک کو سلام کرتے ہیں شخص کو نہیں۔'"

IDF میں سینئر افسروں کو چیلنج کرنے کے انتہائی غیر روایتی طریقے بھی ہیں۔اورین نے ہمیں بتایا،"میں اسرائیلی فوج میں تھا جہاں ہم نے افسروں کو باہر نکال دیا، جہاں لوگ محض اکٹھے ہوئے اور انہیں ووٹ سے باہر کر دیا۔ میں نے ذاتی طور پر ایسا ہوتے دو بار دیکھا۔ مجھے وہ آدمی پسند تھا لیکن مجھ سے ان کے ووٹ زیادہ تھے۔انہوں نے ایک کرنل کے خلاف ووٹ دے کر اسے باہر کر دیا۔"ہم نے جب اورین سے سراسیمہ ہو کر پوچھا کہ یہ کیسے کیا جاتا ہے، تو اس نے وضاحت کی،"آپ جا کر کہیں کہ 'ہم آپ کو نہیں چاہتے، آپ اچھے نہیں ہیں میرا مطلب ہے یہاں سب کا پہلا نام چلتا ہے۔آپ اس کے سینئر کے پاس جائیں اور کہیں، 'اسے یہاں سے چلتا کیجئے'۔- یہ عہدے سے کہیں زیادہ کارکردگی پر مبنی ہے۔

آئی ڈی ایف کے ریٹائرڈ جنرل موشے "بوگی" یالن، جس نے وسرے انتفادہ کے دوران چیف آف اسٹاف کے طور پر خدمات انجام دیں،اس نے لبنان کی دوسری جنگ کی ایسی ہی کہانی سنائی۔ "لبنانی گاؤں دبو میں ایک ریزرو یونٹ کی طرف سے کارروائی کی گئی۔ ہمارے نو فوجی اور افسر مارے گئے اور دیگر میرے بھتیجے سمیت زخمی ہوئے۔ باقی ماندہ فوجیوں نے بٹالین کمانڈر کی تنظیمی کاروئی پر نااہلی کا الزام لگایا۔ کمپنی کی سطح پر سپاہی نے بریگیڈ کمانڈر سے شکایت کی۔ بریگیڈ کمانڈر نے البتہ خود تحقیق کی۔بٹالین کمانڈر کو اس عمل کی وجہ سے بالآخر عہدہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا جس کا آغاز اس کے ماتحتوں نے کیا تھا۔

یالن کا خیال میں اسرائیل کی فوج کی یہ منفرد خصوصیت مؤثر ہونے کے لیے اہم ہے:"قیادت کی کلید فوجیوں کا کمانڈر پر اعتماد ہے۔آپ کو اگر اس پر بھروسہ نہیں،اعتماد نہیں تو آپ اس کا اتباع نہیں کر سکتے.اس معاملے میں بٹالین کمانڈر ناکام رہا۔ یہ، جیسے اس معاملے میں،ایک پیشہ ورانہ ناکامی ہو سکتی ہے یا کسی اور معاملے میں اخلاقی ناکامی ہو سکتی ہے۔سپاہی کو بہر صورت اس کا علم ہونا ضروری ہے۔- کہ یہ قابل قبول ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ آگے بڑھے اور اس کے متعلق بات کرے۔"

ویسٹ پوائنٹ کا سابق پروفیسر فریڈ کیگن تسلیم کرتا ہے کہ اسرائیلیوں سے امریکی کچھ سیکھ سکتے ہیں۔اس نے ہمیں بتایا کہ،"مجھے نہیں لگتا کہ ایک کمانڈر کیلئے یہ صحت مند ہے کہ وہ مسلسل اس فکر میں مبتلا رہے کہ اس کے ماتحت اس کے سر پر سوار ہو جائیں گے وہ جیسے IDF میں کرتے ہیں۔"امریکی فوج اس کے قدرے برعکس پروموشن بورڈ افسروں کو پرکھنے سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ ہمارے نظام میں ترغیبات سب یک طرفہ ہیں۔ایک افسر کو ترقی پانے کے لیے صرف زیادہ سینئر افسروں کو خوش کرنا ہے۔جونیئر جوانوں کی کوئی شنوائی نہیں۔"

اورین۔۔۔اور فریڈ کاگن نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ سبھی فوجیں—نافرمانی کہیں گی لیکن IDF میں درحقیقت "امریکی فوج کے مقابلتاً" اتفاق رائے کہیں زیادہ ہے۔" یہ شائد عجیب سا لگے کیونکہ امریکی فوج کو "رضاکار" فوج کہا جاتا ہے (بلا معاوضہ نہیں، لیکن آزاد انتخاب کے معنی میں) جبکہ IDF جبری بھرتی پر مبنی ہے۔اورین مزید وضاحت کرتا ہے، "اس ملک میں ایک غیر تحریری سماجی معاہدہ ہے: ہم اس فوج میں خدمات انجام دینے جارہے ہیں بشرطیکہ حکومت اور فوج ہماری ذمہ دار بنے۔

میرے خیال میں اسرائیلی فوج 2008 کی امریکی فوج کے مقابلتاً" 1776 کی کانٹی نینٹل آرمی سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ جارج واشنگٹن کو معلوم تھا کہ ان کے 'جنرل' عہدے کا کوئی خاص مطلب نہیں کہ اسے ایک عظیم جنرل بننا تھا اور یہ کہ بنیادی طور پر لوگ وہاں اپنی مرضی سے موجود تھے۔" اورین جو کہہ رہا تھا کانٹی نینٹل آرمی اس کی ایک انتہائی مثال تھی چونکہ اس کے فوجی تقریباً روزانہ فیصلہ کرتے تھے کہ آیا رضاکارانہ طور پر جاری رکھیں۔ وہ ایک "عوام کی فوج" تھی اور آئی ڈی ایف بھی ویسی ہی ہے۔اورین وضاحت کرتا ہے کہ کانٹی نینٹل آرمی کی طرح IDF بھی بکھری سی، غیر رسمی لیکن زیادہ تر اتفاق رائے پر مبنی ہے کیونکہ اس کے سپاہی اپنے ملک کے وجود کی بقا کی جنگ لڑرہے ہیں اور ان کی صفوں میں بھانت بھانت کی عوام شامل ہے۔

یہ تصور کرنا آسان ہے کہ عہدے سے بے پرواہ سپاہی میں کس طرح اپنے باس کو بتانے کے بارے میں، "آپ غلط ہیں۔" بیباک ہیں۔ یہ خود اعتمادی IDF میں سال ہا سال کی سروس فراہم کرتی ہے کہ Shvat Shaked کیسے PayPal کے صدر کو ویب کے متعلق "اچھے اور برے لوگوں" کے درمیان فرق پر کیسے لیکچر دے سکتا تھا یا کیسے انٹیل اسرائیل کے انجینئروں نے نہ صرف کمپنی کی مرکزی مصنوعات بنانے کے بنیادی ڈھانچے کو یکسر بدلنے کیلئے ایک انقلاب برپا کرنے کا فیصلہ کیا بلکہ صنعت کی قدر کی پیمائش کا طریق کار بھی الٹ دیا۔ اصرار بمقابلہ گستاخی؛ تنقیدی، آزاد سوچ بمقابلہ خلاف ورزی؛ عزم اور دوررس بمقابلہ تکبر۔۔ آپ کے منتخب کردہ الفاظ کا انحصار آپ کے نکتہ نظر پر ہے لیکن اجتماعی طور پر وہ عام اسرائیلی اینٹرپرینیور کی عکاسی کرتے ہیں۔

حصہ دوم

جدت طرازی کی ثقافت کا بیج بونا

باب 3

اہل کتاب

دور تک جاؤ، دیر تک رہو، گہرائی میں دیکھو۔

آؤٹ سائیڈ

لاپاز، بولیویا کی بلندی 11,220 فٹ ہے اور ایل لو بو اس سے ایک منزل بلند ہے۔ ایل لو بو ایک ریستوراں، ہاسٹل، سوشل کلب اور شہر میں اسرائیلی کھانوں کا واحد مرکز ہے۔ اسے اس کے بانی ڈوریٹ مورالی اور اس کے شوہر ایلی چلاتے ہیں۔

بولیویا میں تقریباً ہر لمبے سفر پر گامزن اسرائیلی کا ایل لو بو سے ہوتے ہوئے آنے کا امکان ہے، محض اس لئے نہیں کہ اسے گھر کے کھانے جیسا ذائقہ، عبرانی میں گفتگو اور دوسرے اسرائیلیوں سے ملنا میسر آتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں وہاں کچھ اور ملے گا بلکہ اس سے بھی گراں قدر: خاص کتاب۔ اسے گو واحد کہا جاتا ہے لیکن یہ خاص کتاب ایک نہیں بلکہ جرائد کا ایک بے ترتیب اور ارتقاپذیر مجموعہ ہے جو دنیا کے چند دور دراز مقامات تک منتشر ہیں۔ ہر جریدہ ایک مسافر کا دوسرے مسافر کو ہاتھ سے لکھا نصیحت نامہ کا "بائبل" ہے۔

یہ خاص کتاب اب خصوصاً "اسرائیلی نہیں ہے لیکن اس کے مصنفین اور قارئین کا تعلق اسرائیل سے ہے۔

ڈوریٹ نے یاد کیا، ال لو بو کی کتاب کی طرح ریسٹورنٹ کھلنے کے صرف ایک ماہ بعد 1986 میں ڈالی گئی۔ چار اسرائیلی مہم جو اندر آئے اور پوچھا، "کتاب کہاں ہے؟" جب وہ پر اسرار نظر آئے تو انہوں نے وضاحت کی کہ ان کا مطلب ایک ایسی کتاب جہاں لوگ دوسرے مسافروں کیلئے سفارشات اور انتباہات چھوڑ سکیں۔

وہ باہر گئے، ایک کورا جریدہ خریداا ور ریستوراں کو عطیہ کیا۔ دور دراز جنگل میں ایک شہر کے متعلق عبرانی میں پہلے داخلے کی تفصیل مکمل کی، ان کا خیال تھا کہ یہ شائد دیگر اسرائیلیوں کو بھی پسند آئے۔

کتاب انٹرنیٹ سے قدیم تھی۔۔ یہ اسرائیل میں دراصل 1970 کی دہائی میں شروع ہوئی تھی لیکن آج کے بلاگز، چیٹ رومز، اور فوری پیغام رسانی کی دنیا میں یہ قدیم، کاغذ اور قلم پر مبنی ادارہ اب بھی مضبوط ہے۔ ایل لو بو چھ جلدیں لئے ایک علاقائی کتاب کا مرکز بن گیا: برازیل، چلی، ارجنٹائن، پیرو اور جنوبی امریکہ کے شمالی حصہ کے لیے علیحدہ کتابوں کے ساتھ اصل کتاب کی جانشین جو 1989 میں شروع کی گئی۔ تمام ایشیا میں اس کے علاوہ دیگر کتب بھی موجود ہیں۔ اصل کتاب صرف عبرانی میں لکھی گئی تھی لیکن آج کی کتب کئی ایک زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں۔

آؤٹ سائیڈ میگزین نے قابل احترام 1989 کی جلد میں لکھا، "کئی ایک زبانوں میں، مایوس کن ترتیب لئے خوبصورت اندراجات تھے، خیالات، التجائیں، شیخیاں اور متروک فون نمبرز کا ایک میلہ۔"" "ایک صفحے پر کسی مخصوص ڈسکو کو 'بیوٹیکول گرلز' کیلئے پسندیدہ کہا؛ اگلے صاحب نے ایک خاص برف کا غار دیکھنے کو 'ضروری' بتایا (کم از کم اس وقت تک جب تک کہ کسی اور نے اس اندراج پر ایک بہت بڑا 'نہیں' گھسیٹا)۔ اس کے بعد جاپانی میں آدھا صفحہ اور گہری جرمن میں ایک عبارت جس میں اونچائی کے بار چارٹس کے ساتھ اور مختلف پودوں کے خاکے۔ اس کے بعد بدخطی میں تمام صفحہ پیرو کے مانو نیشنل پارک کے برساتی جنگلات میں کینیو خریدنے کے لیے وقف ہے جو سات قوسین اور ایک تتمہ سمیت حاشیوں کے طرفین میں لپٹی ہوئی ہے؛ فلاں اور فلاں کی کوسکوس کے خلاف ایک انتباہ؛ ایک لمبی چونچ والے خوبصورت پرندے کی آرائشی چار رنگی ڈرائنگ جس کا نام فیلیپے ہے۔" یہ اگرچہ بین الاقوامی ہو چکی ہے لیکن یہ کتاب بنیادی طور پر اسرائیلی انوکھی چیز ہے۔

جہاں کہیں "لہر" جاتی ہے کتاب کے مقامی منفرد بیان کو برقرار رکھا جاتا ہے—عبرانی یونیورسٹی کا ماہر عمرانیات دریاماؤز جسے اسرائیلی سفری مقامات کے بدلتے انداز کہتا ہے۔ بہت سے نوجوان اسرائیلی مہم جو صرف ایک بین الاقوامی گروپ کے مشورے کے مطابق مہم جوئی کے متلاشی کتاب در کتاب کے سہارے چلتے جاتے ہیں جہاں زبانوں میں سب سے عام عبرانی زبان ہے۔

اسرائیلی مسافروں کے متعلق ایک معروف لطیفہ جو نیپال، تھائی لینڈ، بھارت، ویت نام، پیرو، بولیویا اور ایکواڈور میں بھی یکساں طور پر لاگو ہوتا ہے۔ ایک ہوٹل والا ایک اسرائیلی پاسپورٹ پیش کرنے والے مہمان سے پوچھتا ہے، "ویسے، آپ ہیں کتنے؟ جب اسرائیلی نوجوان جواب دیتا ہے، "سات ملین، "ہوٹل کا مالک پھر پوچھتا ہے، "اور اسرائیل میں پیچھے کتنے ہیں؟" یہ شاید ہی حیرت کی بات ہو کہ بہت سے ممالک میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسرائیلیوں کی آمد کی تعداد کے حساب سے اسرائیل چین جیسا گنجان آباد ملک ہو گا۔ آؤٹ سائیڈ میں ہے، "عالمی سطح پر دوسری قوموں کی بنسبت، "جہاں گردی کی اخلاقیات کو "اسرائیلیوں نے شدت سے اپنایا ہے: دور تک جاؤ، دیر تک رہو، گہرائی میں اتر کر دیکھو۔" اسرائیلی آوارہ گردی صرف دنیا کو دیکھنے کے متعلق نہیں ہے۔ اس کے ذرائع بہت گہرے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ برسوں فوج کی خدمتی قید میں رہنے کے بعد کھلی آزادی کی ضرورت ہے۔ یانیو، ایک اسرائیلی جس کا سامنا آؤٹ سائڈر رپورٹر سے ہوا جو بہت سے مثالی اسرائیلی مسافروں جیسا تھا: "اس نے برسوں کے فوجی بال کٹوانے کی تلافی اپنے حسب منشاء ہر قسم کی چیز اگانے کی کوشش کی: وہ سب کچھ جو وہ کر سکتا تھا: اس کی ٹھوڑی پر ہلکے سے چھوٹے بال تھے اور اس کے دھوپ دھلے سنہری بال چھوٹی جٹوں اور کانوں کے گرد مروجہ خم دار لٹیں بنے

ہوئے تھے، سبھی ہیئر سٹائل مل کر ایک بھڑ مانس جیسے بن گئے۔۔ یانیبو نے اعتراف کیا'' بال فوج کی وجہ سے ہیں، پہلے بال، پھر سفر۔"

یہ فوج سے سوا ہے۔ یہ اسرائیلی نوجوان شاید دیگر افواج کے بہت سے سابق فوجیوں سے شائد نہ ملیں جیسے محض ملٹری سروس ان کے غیر ملکی ساتھیوں کو سفر پر آمادہ نہیں کرتی۔ یہاں ایک اور نفسیاتی عنصر ہے۔۔۔ جسمانی اور ذہنی تنہائی کا رد عمل۔"وہاں رہنے میں ایک ذہنی قید خانہ کا احساس ہوتا ہے جو دشمنوں میں گھرا ہوُا ہے۔"اسرائیلی ٹریول میگزین Masa Acher کا ایڈیٹر یائیر کیدار کہتا ہے،"جب آسمان کھلتا ہے تو آپ باہر نکل جاتے ہیں۔" اسرائیلی کچھ عرصہ پہلے تک کسی ایک پڑوسی ملک کا سفر نہیں کر سکتے تھے گو بیروت، دمشق، عمان اور قاہرہ ایک دن سے کم کی دوری پر ہے۔

مصر اور اردن کے ساتھ امن معاہدوں سے اتنی تبدیلی بھی نہ آسکی، بہت سے متجسس اسرائیلی گو اب ان ممالک کا دورہ کر چکے ہیں۔

اس معمولی سی آزادی کے سہارے بندشوں سے نکل بھاگنے میں کمی واقع نہیں ہوئی جو اسرائیل کی جدید تاریخ کا ایک حصہ آغاز سے۔۔ بلکہ آغاز سے بھی قبل کا ہے۔

اسرائیلی ریاست کے وجود میں آنے سے بہت پہلے تنہائی کا دور دورہ تھا۔ابتدائی معاشی بائیکاٹ 1891 میں ہوُا جب مقامی عربوں نے عثمانی حکمرانوں کو یہودیوں کی فلسطین میں نقل مکانی اور زمین کی فروخت کو روکنے کیلئے کہا۔ 1922 میں پانچویں فلسطین عرب کانگریس نے تمام یہودی کاروباروں کے بائیکاٹ کا مطالبہ کیا۔

اسرائیل کے قیام سے پانچ سال قبل 1943 میں بائیس ممالک کی عرب لیگ نے فلسطین میں یہودی صنعت کی مصنوعات "کی خریداری پر پابندی لگانے کا طویل سرکاری بائیکاٹ کیا۔ یہ پابندی ان غیر ممالک کی کمپنیوں تک پھیل گئی جنھوں نے اسرائیل کے ساتھ خرید و فروخت کی (''ثانوی" بائیکاٹ)، اور ان بلیک لسٹ کمپنیوں کے ساتھ تجارت کرنے والی کمپنیوں کے ساتھ بھی (''ثلثی" بائیکاٹ)۔ تقریباً تمام بڑی جاپانی اور کورین کار ہونڈا، ٹویوٹا، مزدا، اور مٹسوبشی سمیت مینوفیکچررز نے تعمیل کی۔ثانوی بائیکاٹ کی بناپر ان کی مصنوعات اسرائیلی سڑکوں پر نظر نہیں آتی تھیں۔ ایک قابل ذکر استثناء سبارو کمپنی تھی جس کے پاس ایک طویل عرصے سے تقریباً تمام اسرائیلی مارکیٹ تھی، اسے عرب دنیا میں فروخت کرنے سے روک دیا گیا۔

عرب لیگ کی ہر حکومت نے ایک سرکاری بائیکاٹ دفتر کھولا جس نے بنیادی بائیکاٹ نافذ کیا، ثانوی اور ثلثی اہداف کے رویے کی نگرانی سمیت نئے امکانات کی نشان دہی کی۔ جارج واشنگٹن یونیورسٹی کے کرسٹوفر جوئنر کے

مطابق، "عصر حاضر کے تمام بائیکاٹ، اسرائیل کے خلاف لیگ آف عرب اسٹیٹس کا بائیکاٹ نظریاتی طور پر سخت ترین دشمنی ہے؛ تنظیمی طور پر انتہائی دانشمندانہ؛ سیاسی طور پر، طویل ترین اور قانونا" انتہائی نزاعی۔"

بعض اوقات غیر معمولی اہداف کو بائیکاٹ کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ عرب لیگ نے 1974 میں تمام بہائی عقیدے کو بلیک لسٹ کر دیا کیونکہ حیفہ میں ایک بہائی مندر ہے جو سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہونے کی وجہ سے اسرائیل کے لیے آمدنی کا ذریعہ ہے۔ لبنان نے والٹ ڈزنی کی فلم سلیپنگ بیوٹی کی نمائش اس بنا روک دی کیونکہ فلم میں گھوڑے کا عبرانی نام Samson ہے۔ ایسے ماحول میں یہ فطری بات ہے کہ اسرائیلی نوجوان دونوں سے فرار چاہتے ہیں، عرب دنیا سے جس نے ان کا معاشرتی مقاطعہ کیا اور ایسی مخالفت کو خاطر میں نہ لانا — گویا یہ کہا جائے، "آپ جس قدر مجھے بند کرنے کی کوشش کریں گے، میں اسی قدر باہر نکل کر دکھاؤں گا۔"

ایسی وجوہات کی بنا پر اسرائیلیوں نے انٹرنیٹ، سافٹ ویئر، کمپیوٹر اور ٹیلی کمیونیکیشن کمپنیوں کو گلے لگایا۔ ان صنعتوں میں سرحدیں، فاصلے اور نقل و حمل کے اخراجات عملی طور پر اہم نہیں ہیں۔ بطور اسرائیلی وینچر کیپیٹلسٹ اورنا بیری نے ہمیں بتایا، "ہائی ٹیک ٹیلی کمیونیکیشن دشمنوں میں گھرے چھوٹے سے ملک میں زندگی کو محبوسیت سے بچانے میں مدد کیلئے ہمارا قومی کھیل بن گیا۔" یہ محض ترجیح یا سہولت کے بجائے اشد ضرورت کا معاملہ تھا۔

اسرائیل دور دراز کی منڈیوں میں برآمد کرنے پر مجبور کیا گیا، اسرائیلی اینٹرپرینیورز نے بڑے بآسانی پہچانے جانے والے تیار کردہ سامان بمع نقل و حمل بھاری اخراجات سے دور رہنے اور چھوٹے، گمنام اجزاء اور سافٹ ویئر کی طرف کشش کی عادت سی بنالی۔ اسرائیل کو علم اور اختراع پر مبنی معیشتوں کے عالمی رخ بدلنے میں بالکل صحیح مقام ملا، ایک رجحان جو آج بھی جاری ہے۔

اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اسرائیل کو گزشتہ ساٹھ سال میں عربوں کے بائیکاٹ اور دیگر بین الاقوامی، جیسے فرانس کی فوجی پابندیوں، کھوئی ہوئی منڈیوں اور قوم کی اقتصادی ترقی پر مسلط مشکلات کے لحاظ سے کس قدر مہنگی پڑی ہیں۔ تخمینے 100 بلین ڈالر تک ہیں۔ اس کے برعکس کا اندازہ لگانا بھی اتنا ہی مشکل ہے: اسرائیلیوں کے ان اوصاف کی کیا قدر و قیمت ہے جو ان کی قوم کی ترقی کو کچلنے کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں اِفشا ہوئے؟ آج اسرائیلی کمپنیاں چین، انڈیا اور لاطینی امریکہ کی معیشتوں میں مضبوطی سے ضم ہو چکی ہیں۔

اورنا بیری کے کہنے کے مطابق ٹیلی کمیونیکیشن فون کمپنی اسرائیل کے لیے ابتدائی ترجیح بن گئی چونکہ چین کی ہر بڑی ٹیلی فون کمپنی اسرائیلی ٹیلی کام آلات اور سافٹ ویئر پر انحصار کرتی ہے۔ چین کی تیسری سب سے بڑی سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹ، جو ملک کے پچیس ملین نوجوان ویب سرفرز کو خدمات فراہم کرتی ہے وہ دراصل ایک

اسرائیلی اسٹارٹ۔۔اپ ہے جسے کولانو کہا جاتا ہے، جس کا مطلب عبرانی میں "ہم سب" ہے۔اس کی بنیاد مہاجر خاندان کے ایک عراقی اسرائیلی نے رکھی تھی۔

زود فہمی کے حتمی مظاہرے میں ایکوایٹی کے متلاشی سٹارٹ۔۔اپ کے اسرائیلی سرمایہ دار جنھوں نے کولانو میں اس وقت سرمایہ کاری کی جب یہ یہودیوں کی سوشل نیٹ ورکنگ سائٹ تھی،اس نے اپنی شناخت کو تمام تر تبدیل کرکے تمام انتظامیہ کو چین میں منتقل کر دیا جہاں نوجوان اسرائیلی اور چینی ایگزیکٹوز شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں۔

یونٹ 8200 کا اسرائیلی سابق طالب علم گل کر بس بھی بہت زیادہ وقت چین میں گزارتا ہے۔اس نے IDF چھوڑنے کے بعد ساز وسامان سمیت چینی زبان کی گہری تعلیم کے لیے بیجنگ چلا گیا۔اس نے ایک مقامی اتالیق کے ساتھ ون۔۔آن۔۔ون کی بنیاد پر—— تمام سال روزانہ پانچ گھنٹے پڑھائی کی تاکہ وہاں ایک کاروباری نیٹ ورک قائم کر سکے۔۔۔وہ اسی دوران ایک چینی کمپنی میں ملازمت بھی کرتا رہا۔

وہ آج اسرائیل میں وینچر کیاپیٹلسٹ ہے جو چینی مارکیٹ میں مہارت رکھتا ہے.اس کی ایک اسرائیلی کمپنی چین کے سب سے بڑے ریٹیل بینک کو وائس بائیو میٹرک ٹیکنالوجی فراہم کر رہی ہے۔اس نے ہمیں بتایا کہ اسرائیلی کیلئے درحقیقت یورپ کے مقابلتا،،چین میں کاروبار کرنا آسان ہے۔"پہلی بات یہ کہ ہم 'سیاحوں' کے آنے سے پہلے چین میں تھے،"وہ ان لوگوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے جنھوں نے صرف حالیہ برسوں میں چین کو ایک ابھرتی ہوئی مارکیٹ کے طور پر شناخت کیا۔"دوسری بات کہ چین میں یہودیوں سے دشمنی میراثی نہیں ہے۔ ہمارے لیے درحقیقت یہ زیادہ خوش آئند ماحول ہے۔"

اسرائیلی ایسی منڈیوں میں گھسنے میں اپنے عالمی حریفوں سے بہت آگے ہیں، جزوی طور پہ انہیں مشرق وسطیٰ میں تیزی سے ترقی کیلئے فوری تبدیلی کرکے نئے مواقع تلاش کرنا تھا۔نوجوان اسرائیلی بیک پیکرز بنے رابطوں کیلئے دنیا بھر میں پھیل گئے اور اسرائیلی ٹیکنالوجی کاروباریوں کیلئے غیر ملکی منڈیوں میں رسائی بازار موجود ہے۔وہ جب بیس سال سے بڑے ہو جائیں گے تو اکثر اسرائیلی نہ صرف بیرون ملک غیر ملکی مواقع دریافت کرنے کا تجربہ رکھتے ہوں گے بلکہ وہ غیر مانوس ماحول میں داخل ہونے اور اپنی سے بہت مختلف ثقافتوں سے رابطہ کرنے سے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔

درحقیقت، فوجی مورخ ایڈورڈ لٹواک کا اندازہ ہے کہ بہت سے اسرائیلیوں نے فوج سے فارغ ہونے کے بعد پینتیس سال کی عمر تک درجن بھر سے زیادہ ممالک کا دورہ کیا ہے۔اسرائیلی نئی معیشتوں اور نامعلوم علاقے میں جزوا،،اس وجہ سے فروغ پاتے ہیں وہ کیونکہ اکثر دنیا میں کتاب کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔

اس بین الاقوامیت میں گہری دلچسپی کی ایک مثال اسرائیلی کمپنی نیتافِم ہے جو دنیامیں ڈرپ اریگیشن سسٹم کی سب سے بڑی فراہم کنندہ بن گئی ہے۔1965 میں قائم کی گئی نیتافم ایک ایسی نادر مثال ہے جو اسرائیل کی کم ٹیکنالوجی والے زرعی ماضی اور کلین ٹیک میں موجودہ عروج کے درمیان پل کا کام دیتی ہے۔نیتافِم کو سِمچابلاس نے دریافت کیا جو ریاست کے ابتدائی سالوں میں شروع کیے گئے بنیادی ڈھانچے کے منصوبے کا سب سے بڑا معمار ہے۔پولینڈ میں پیدا ہونے والا دنیا کی پہلی جنگ کے دوران وارسا میں قائم یہودی سیلف ڈیفنس یونٹس میں سرگرم تھا۔وہ 1930 کی دہائی میں اسرائیل پہنچنے کے فوراً بعد قومی پانی کی کمپنی Mekorot میں چیف انجینئر بن گیا۔اس نے پائپ لائن اور نہر کی منصوبہ بندی کی جو دریائے اردن اور بحیرہ گلیلی سے بنجر نیگیو تک پانی لائے گی۔

بلاس کو ایک پڑوسی کے گھر کے پچھواڑے میں اگے بظاہر "پانی کے بغیر" درخت سے ڈرِپ اریگیشن کا خیال آیا۔ پتہ چلا کہ اس دیو قامت درخت کی پرورش زیر زمین پائپ میں سے آہستہ آہستہ ٹپکتے پاتی کے قطروں سے ہو رہی تھی۔1950 کی دہائی میں جب جدید پلاسٹک دستیاب ہوًا تو بلاس نے محسوس کیا کہ ڈرپ اریگیشن تکنیکی طور پر ممکن ہے.اس نے اپنی ایجاد کو پیٹنٹ کیا اور صحرائے نیگیو میں ایک انجمن امداد باہمی بستی بنام کبٹز ہیٹزرم کے ساتھ ٹیکنالوجی استعمال کرنے کا معاہدہ کیا۔

نیتافِیم نہ صرف اس وجہ سے ممتاز ہو رہی تھی کہ اس نے فصلوں کی پیداوار میں 50 فی صد تک اضافہ کرنے کے علاوہ 40 فیصد کم پانی استعمال کا ایک اختراعی طریقہ متعارف کروایا بلکہ اس لئے بھی کہ یہ کبٹز پر مبنی پہلی صنعتوں میں سے تھی۔تب تک کبوتزم۔۔۔اجتماعی آبادیاں۔۔۔زراعت پر مبنی تھیں۔کبٹز فیکٹری کو دنیا میں برآمد کرنے کا خیال ایک جدت تھی۔نیٹافم کو اصل فائدہ یہ تھا کہ دور دراز منڈیوں کی تلاش کیلئے سفر کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی جنہیں ان مصنوعات کی اشد ضرورت تھی۔۔۔جہاں 1960 اور 70 کی دہائیوں میں مغرب کے کاروباری افراد دورہ نہیں کرتے تھے۔نیتافِم اب پانچ براعظموں کے 110 ممالک میں کام کر رہی ہے۔ایشیا میں اس کے دفاتر ویتنام،تائیوان،نیوزی لینڈ،چین (دو دفاتر)،انڈیا،تھائی لینڈ،جاپان،فلپائن،کوریا،اور انڈونیشیا میں،جنوبی امریکہ میں ارجنٹائن،برازیل،میکسیکو،چلی،کولمبیا،ایکواڈور اور پیرو میں،یورپ اور سابق سوویت یونین میں بھی گیارہ دفاتر ہیں،ایک ایک آسٹریلیا اور شمالی امریکہ میں ہے۔

Netafim کی ٹکنالوجی اتنی ناگزیر ہوگئی ہے کہ بہت سی غیر ملکی حکومتیں جو تاریخی طور پر اسرائیل کی مخالف تھیں ان کے ساتھ سفارتی چینلز کھلنا شروع ہوگئے۔نیٹافِم سابق سوویت بلاک کی مسلم ریاستوں آذربائیجان، قازقستان،اور ازبکستان میں سرگرم ہے جو سوویت یونین کی تحلیل کے بعد اسرائیل کی حکومت کے ساتھ بہتر

تعلقات کا باعث بنے۔ ایہود اولمرٹ 2004 کے وزیر تجارت جنوبی افریقہ کے دورے پر نئے کاروباری اتحاد کی تشکیل کی امید میں نیٹافم کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ اس سفر کے نتیجے میں Netafim کے لیے 30 ملین ڈالر کے معاہدے ہاتھ لگے نیز دونوں مملکتوں کے درمیان زراعت اور بنجر زمینوں کی ترقی پر مفاہمت کی ایک یادداشت عمل میں آئی۔

اسرائیلی کاروباری افراد اور ایگزیکٹوز بذات خود ریاست کی جانب سے خود ساختہ سفارتی مشنوں میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیا بھر میں گھومنے والے بہت سے اسرائیلی کاروباری لوگ صرف ٹیکنالوجی کے مبشر نہیں ہیں بلکہ تمام اسرائیلی معیشت کو بیچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ Jon Medved — "عرفی نام بیرومیٹر" کا موجد، بے تکلفی کی پیمائش کرنے کے لیے ایک ایسی ہی مثال ہے۔

کیلیفورنیا میں پرورش پانے والے میڈوَیڈ کو انجینئرنگ کے بجائے سیاسی سرگرمیوں کی تربیت دی گئی تھی۔ اس کا پہلا ذریعہ معاش بحیثیت صیہونی منتظم تھا۔ وہ 1981 میں اسرائیل چلا گیا اور اسرائیلیوں کو اسرائیل کے مستقبل کے متعلق تبلیغی دوروں سے معمولی سی آمدنی حاصل ہوئی۔ اس کی 1982 میں اسرائیل کے بڑے دفاعی ٹھیکے دار رافیل کے ایگزیکٹو کے ساتھ گفتگو سے میڈوَیڈ کا بلبلہ پھٹ گیا۔ اسے غیر رسمی طور پر بتایا گیا کہ وہ جو کر رہا تھا وہ وقت و توانائی کا ضیاع تھا۔ ایگزیکٹو نے واضح طور پر کہا؛ اسرائیل کو مزید پیشہ ور صیہونیوں یا سیاست دانوں کی ضرورت نہیں تھی، اسرائیل کو کاروباری افراد کی ضرورت تھی۔

میڈوَیڈ کے والد نے کیلیفورنیا میں آپٹیکل ٹرانسمیٹرز اور ریسیورز بنانے والی ایک چھوٹی سی کمپنی قائم کی۔ میڈوَیڈ نے اسرائیل میں اپنے والد کی مصنوعات پیش کرنا شروع کیں۔ اس نے ہر کیبنٹ میں صیہونیت کا مستقبل بیچنے کے بجائے ہر کمپنی کو آپٹیکل ٹیکنالوجی بیچنا شروع کر دیا۔ اس نے بعد میں سرمایہ کاری کا کاروبار اپنالیا اور یروشلم میں اپنے گیراج میں وینچر کیپیٹل فرم بنام اسرائیل سیڈ پارٹنرز کی بنیاد رکھی۔ اس کا فنڈ بڑھ کر 260 ملین ڈالر کی حد پھلانگ گیا۔ اس نے ساٹھ اسرائیلی کمپنیوں میں Shopping.com سمیت سرمایہ کاری کی جسے بعد میں eBay نے خرید لیا؛ Compugen اور Answers.com، ان دونوں کے NASDAQ پر حصص بکنا شروع ہو گئے۔ میڈوَیڈ نے 2006 میں اسرائیل سیڈ کو خیر باد کہہ کر خود ہی سٹارٹ—اپ اور اس کا انتظام کرنے کے لیے بنام ورنگو کمپنی کا آغاز کیا جس نے سیل فونز کے لیے ویڈیو رنگ ٹونز میں نمایاں نام پیدا کیا جو جلد ہی یورپی اور ترکی کی منڈیوں میں بھی گھس گئی۔

اس کی اپنی کمپنی کم اہم ہے۔اس سے قطع نظر کہ میڈوَیڈاپنے کاروباری اداروں کے لیے کیا کر رہاہے،اس کے سرمایہ کار شکایت کرتے ہیں کہ وہ اسرائیلی معیشت کی تبلیغ پر بہت زیادہ وقت خرچ کرتا ہے۔ میڈوَیڈ ہر بیرون ملک سفر پر رسمی تعارف کے بھاری بھرکم سلائیڈ سے لدے گشتی پروجیکٹر اور لیپ ٹاپ، جس پر اسرائیلی ٹیک سین کی تاریخ وار کامیابیوں کو یادگاری بنانے کیلئے اٹھائے پھرتا ہے۔ تقاریر میں——اور ہر وہ جو اسے سننے پر مائل ہو—— میڈوَیڈ تمام اسرائیلیوں کے ان غیر معمولی "اخراج" کا جشن مناتا ہے جس میں کمپنیاں خریدی گئیں یا ان کے حصص خریدے یا بیچے گئے،اور اس نے درجنوں "اسرائیل میں بنی" ٹیکنالوجیز کی بالترتیب فہرست بنا رکھی ہے۔

اپنے رسمی تعارفوں میں وہ مذاقاً" کہتا ہے کہ اگر اسرائیل نے "اِنٹیل دروں" برتری کی پیروی کی----اِنٹیل کے چپس اجاگر کرنے کے لیے اس کی مارکیٹنگ مہم چلی---اسی طرح "اسرائیل دروں" اسٹیکرز ہیں جو دنیا میں تقریباً ہر چھونے والی چیز پر چپکے دکھائی دیں گے۔اس کے پاس مثالوں کی بھرمار ہے: کمپیوٹرز سے سیل فون، طبّی آلات اور معجزاتی ادویات،انٹرنیٹ پر مبنی سوشل نیٹ ورک، صاف توانائی کے جدید ذرائع سے لے کر خورد و نوش،ان سپر مارکیٹوں کے رجسٹر ہم جہاں خریداری کرتے ہیں۔

میڈویڈ کمرے میں موجود ملٹی نیشنلز کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ اگر انہوں نے اسرائیل میں ابھی تک کاروبار شروع نہیں کیا تو امکان ہے کہ وہ کچھ بھول رہے ہیں۔ وہ ہر رسمی تعارف سے پہلے پتہ لگالیتا ہے کہ سامعین میں کن کمپنیوں کے ایگزیکٹوز ہوں گے،انہیں یہ بتانا یقینی ہے کہ اسرائیل میں ان کے حریفوں میں سے کون پہلے سے یہاں موجود ہیں۔ "ہم جو چیز چھوتے ہیں اس کے اندر اسرئیل ہوتا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ تقریباً ہر کمپنی جس کو ہم چھوتے ہیں وہ اسرائیل کے اندر ہے۔ کیا آپ ہیں؟" وہ سامعین کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھتا ہے۔

میڈویڈ نے ایک ایسا کردار اپنایا ہے جو کسی دوسرے ملک میں عموماً" مقامی چیمبر آف کامرس، وزیر تجارت، یا سیکرٹری خارجہ کا ہوتا ہے۔ میڈویڈ رسمی تعارف میں جن اسٹارٹ--اپس کو بطور چیمپئن پیش کرتا ہے ان کمپنیوں میں اس نے شاذ و نادر ہی سرمایہ کاری کی ہے۔ وہ ان تقاریر کی تیاری کرتے وقت ہمیشہ بھٹکا رہتا ہے: "کیا میں اسرائیل سے آنے والی نئی امید افزا کمپنیوں میں ورنگو کی بات کروں؟ یہ تو کوئی خاص بات نہ ہوئی، ہے ناں؟ کمپنی کے لیے یہ اچھی نمائش ہے۔" وہ اس خواہش کا شکار نہیں ہوتا۔ "میرا انتہائی زور و شور تو اسرائیل کے متعلق ہے۔ میرے امریکی سرمایہ کار اس پر میری بری طرح سے یہ کہہ کر خبر لیتے ہیں--'آپ اپنے حریفوں کو مشتہر کرتے ہیں لیکن اپنی کمپنی کو نہیں' وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن وہ بہت بڑے نکتے سے بے خبر ہیں۔" میڈویڈ دائمی حرکت میں ہے۔اس نے پچھلے پندرہ سال میں پچاس بار رسمی تعارف پیش کیے۔ سبھی کا ذکر کریں تو دنیا کے چالیس سے زیادہ

ممالک کی کانفرنسوں اور یونیورسٹیوں میں ٹیکنالوجی پر تقریباً آٹھ سو بار بشمول اسرائیل کا دورہ کرنے والی متعدد بین الاقوامی شخصیات۔

ریڈ ہیرنگ میگزین کے سی ای او ایلکس ویو کس نے ہمیں بتایا، ''وہ متعدد براعظموں میں ملین ہائی ٹیک کانفرنسیں دیکھ چکا ہے۔ میں میڈ ویڈ جیسے اسرائیلیوں کو دیگر ممالک سے ایسے ساتھیوں سمیت رسمی تعارف سنتا ہوں۔ دیگر ہمیشہ اپنی مخصوص کمپنی کو انتہائی زور شور سے پیش کرتے ہیں. اسرائیلی ہمیشہ اسرائیل کے لیے زور و شور سے پیش کرتے ہیں۔

باب 4

ہارورڈ، پرنسٹن اور ییل

سماجی گراف یہاں بہت آسان ہے۔ سبھی ایک دوسرے کو جانتے ہیں---یوسی وردی ڈیوڈ امیر ہمیں یروشلم میں پائلٹ وردی پہنے اپنے گھر میں ملا لیکن اس میں ٹاپ گن والی کوئی بات نہیں تھی۔ نرم خو، سنجیدہ اور منکسر، وہ وردی میں بھی مخصوص پائیلٹ جیسی کراری چال ڈھال کے برعکس زیادہ تر امریکی لبرل آرٹس کے طالب علم جیسا لگ رہا تھا۔ اس نے فخریہ طور پر وضاحت کی کہ اسرائیلی فضائیہ نے کیسے دنیا کے چند بہترین پائلٹوں کو تربیت دی--ان کے متعدد بین الاقوامی مقابلوں اور جنگ میں ان کے ریکارڈ سمیت--یہ دیکھنا آسان ہو گیا کہ وہ اس میں کیسے منطبق ہوا۔

دوسرے ممالک کے طلباء جب یہ فیصلہ کرنے میں مصروف ہوتے ہیں کہ کس کالج میں داخلہ لیا جائے، اسرائیلی مختلف فوجی یونٹوں کی خوبیوں کو تول رہے ہوتے ہیں۔ دیگر طلباء جب ایسی سوچ میں مگن ہیں کہ انہیں بہترین اسکولوں میں داخلے کے لیے کیا کرنا چاہیئے، بہت سے اسرائیلی بعینہٖ یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ وہ IDF کی اعلیٰ یونٹس میں کیسے بھرتی ہو سکیں۔

امیر بارہ سال کی عمر میں عربی سیکھنے گیا۔ وہ چونکہ اس وقت بھی جانتا تھا کہ اسے عربی سیکھنے سے بہترین اِنٹیلی جنس یونٹوں میں داخلے کیلئے مدد مل سکتی ہے۔ اسرائیلی جب سترہ سال کے ہو جاتے ہیں تو ان یونٹوں میں داخل ہونے کا دباؤ واقعی شدت اختیار کر لیتا ہے۔ تمام اسرائیل میں ہائی اسکول کی جونیئر اور سینئر جماعتوں میں غیر معمولی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ پائلٹ کا کورس کرنے کیلئے کس سے پوچھا گیا ہے؟ دشمن کی جگہ کا پتہ لگانے کیلئے بحریہ کے مختلف کمانڈو یونٹس، چھاتہ بردار، پیادہ بریگیڈز، اور منتخب ترین کمانڈو یونٹ کا چیف آف اسٹاف بننا؟ کن طلباء سے کہا جائے گا

کہ وہ ارفع جاسوسی یونٹس کے لیے کوشش کریں، جیسے یونٹ 8200 جہاں شکید شاکید اور اس کے فراڈ سائنسز کے شریک بانی نے خدمات انجام دیں؟ IDF کے کمپیوٹر سسٹمز ڈویژن، مامرم میں کون جائے گا؟ کون تالپیوت کے لیے زیر غور ہوں گے ؟ ایک یونٹ جو تمام اعلیٰ کمانڈو یونٹس کے آپریشنز کو تکنیکی تربیت مہیا کرتا ہے۔

اسرائیل میں جبری بھرتی کی عمر تک پہنچنے سے تقریباً ایک سال پہلے تمام سترہ سالہ مردوں اور عورتوں کو IDF بھرتی مراکز میں رپورٹ کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے جہاعلمی قابلیت اور نفسیاتی امتحانات، انٹرویوز اور طبّی تشخیص کی خاطر ابتدائی ایک دن--اسکریننگ کی جاتی ہے۔ نوجوانوں کی دن کے اختتام پر ذاتی انٹرویو میں صحت اور دماغ پیمائی کی درجہ بندی متعین کرنے کے بعد خدمت کے امکانات پیش کیے جاتے ہیں۔ صحت، اہلیت، اور شخصیت کے تقاضوں پر پورا اترنے والے ان امیدواروں کو جو IDF کے ایلیٹ یونٹوں یاڈویژنوں میں سروس کے خواہش مند ہیں انہیں اضافی استعدادی لیاقت ٹیسٹ کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔

چھاتہ بردار بر گیڈ کے ٹیسٹ اکثر امیدواروں کی طے شدہ تاریخوں سے کئی ماہ قبل ہر سال تین مرتبہ ہوتے ہیں۔ نوجوان شہری خود کو دو دن کی سخت جسمانی اور ذہنی جانچ کے لیے پیش کرتے ہیں جہاں تقریباً چار ہزار امیدواروں میں سے چار سو چھانٹ لئے جاتے ہیں۔ یہ چار سو چھاتہ بردار خصوصی فوجوں کے لیے فیلڈ ٹیسٹ اور اسکریننگ میں حصہ لینے کے لیے رضاکار بن سکتے ہیں جو گیارہ بار مشقوں کی شدید پانچ روزہ سیریز ہے جو گھنٹوں جاری رہتی ہے اور ہمیشہ جسمانی اور ذہنی دباؤ میں اضافہ کے ساتھ سبھی کچھ سخت وقتی پابندیوں کے تحت کیا جاتا ہے۔ تمام عرصہ کے دوران آرام کرنے کے وقفے نہائت مختصر اور نیند کیلئے گنجائش تقریباً نہ ہونے کے برابر، کھانا اور اس کیلئے وقت کا حال بھی ایسا ہی۔ شرکاء پانچ دنوں کو ایک طویل وقت کا مبہم دورانیہ بیان کرتے ہیں جہاں دن اور رات ایک جیسے لگتے ہیں۔ گھڑی یا سیل فون کی اجازت نہیں ہے - جانچ پڑتال کرنے والوں کا کام اس عمل کو انتہائی پریشان کن بنانا ہے۔ پانچ دن کے اختتام پر ہر سپاہی کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔

ہر یونٹ کے بیس اعلیٰ درجے کے سپاہی فوری طور پر بیس ماہ کی ٹریننگ شروع کرتے ہیں۔ ایک ساتھ ٹریننگ مکمل کرنے والے بحیثت ٹیم اپنی باقاعدہ اور ریزرو سروس کے دوران اکائی بن کر رہتے ہیں۔ ان کی یونٹ ایک قسم کا دوسرا خاندان بن جاتی ہے۔ وہ عمر کے چالیس سال کے وسط تک ریزروہی میں رہتے ہیں۔

اسرائیل کی سرفہرست یونیورسٹیوں کی طرح، IDF کے اعلےٰ ترین یونٹوں میں داخلہ لیناہارورڈ، پرنسٹن اور ییل میں داخلہ لینے کی طرح مشکل ہے۔ وہ یونٹ جس میں ایک درخواست دہندہ نے خدمات سرانجام دیں وہ ممکنہ

آجروں کو بتاتا ہے کہ وہ کس قسم کی جانچ پڑتال میں سے گذرا/گذری یا وہ کون سی ممکنہ مہارتوں اور متعلقہ تجربات کا/کی مالک ہے۔

اسرائیل میں کسی کا علمی ماضی کسی حد تک فوج کے ماضی سے کم اہم ہے۔ ملازمت کے انٹرویو کے سوالات میں سے ایک یہ ہوتا ہے کہ آپ نے فوج میں کہاں خدمات انجام دیں؟"اِنٹیلی جنس یونٹ کے سابق طالب علم گل کربس---خاص کتاب کا تعاقب کرنے والا کہتا ہے---جو آج چینی ٹیکنالوجی مارکیٹ کا ماہر ہونے کی بنا پر اسرائیل کی وینچر کیپیٹل انڈسٹری میں کام کرتا ہے۔"انٹرنیٹ پر نوکری کی پیشکشوں اور اشتہارات میں خصوصا'' مطالبہ کیا جاتا ہے، '8200 کے سابق طلباء کے لیے۔'اب 8200 سابق طلباء کی ایسوسی ایشن ایک قومی اجتماع ہے. جمع ہو کر ماضی کی لڑائیوں اور پرانی فوجی یادوں پر غور کرنے کے بجائے ان کی نظر مستقبل پر ہوتی ہے۔ سابق طلباء کاروباری نیٹ ورکنگ پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔8200 گروپ کے کامیاب کاروباری افراد نے اجتماعات میں اپنی کمپنیوں اور صنعتوں کے متعلق رسمی تعارف کروایا۔"

یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسرائیل کے ایلیٹ کمانڈو یونٹس چناؤ، تربیت کے پختہ معیار اور اس میں دقت اور سابق طلباء کے معیار کی وجہ سے مشہور ہیں۔IDF کا ایک ایسا یونٹ ہے جس کے چناؤ اور ٹریننگ کا عمل خصوصا'' تکنیکی جدت طرازی کی سلطنت میں آسمان کو چھوتا ہے۔ وہ یونٹ ٹالپیوٹ ہے۔ ٹالپیوٹ نام بائبل کے سانگ آف سانگز کے شعر سے لیا گیا ہے جس سے مراد قلعے کے برج ہیں؛ جس کا اضافی ضمنی مفہوم کامیابی کے عروج کی طرف اشارہ ہے۔

ٹالپیوٹ کا امتیازی ہونا---اعلیٰ ترین چناؤ کا یونٹ--- جس میں فوجیوں کیلیئے IDF کا طویل ترین اکتالیس ماہ کا تربیتی کورس ہوتا ہے جو اکثر فوجیوں کے سروس دورانئے سے طویل تر ہے۔ فوجی اس پروگرام میں اضافی چھ سال کیلیئے داخل ہوتے ہیں، یعنی ان کیلیئے کم از کم سروس کا دورانیہ نو سال ہے۔ یہ پروگرام فیلیکس ڈوتھن اور شاول یاتزیو کے دماغ کی اچھوتی تخلیق تھی۔ یہ دونوں عبرانی یونیورسٹی کے سائنسدان تھے۔ انہیں اس کا 1973 کی یوم کپور جنگ میں بڑی تباہی کے بعد خیال آیا۔ ملک اُس وقت بدستور بحران کا شکار تھا۔ ایک حیرت انگیز حملے سے سادہ لوحی کی بنا پر اس میں جانی نقصان سے اب تک چکرا رہے تھے۔ اسرائیل کو یہ ایک مہنگی جنگی یاددہانی تھی کہ حجم اور آبادی کے چھوٹے پن کی تلافی معیار اور تکنیکی برتری کے ذریعے کرنا ہو گی۔

دونوں پروفیسروں نے آئی ڈی ایف کے چیف آف اسٹاف رافیل "رافُل" ایتان سے ایک سادہ سے خیال کے متعلق رابطہ کیا: مٹھی بھر اسرائیلی باصلاحیت ترین نوجوانوں کو چن کر انہیں یونیورسٹیوں اور فوج میں موجود عمیق ترین ٹیکنالوجی کی تربیت دی جائے۔ یہ پروگرام ایک سال کیلیئے تجربتا'' شروع کیا گیا تھا جو مسلسل تیس سال چل رہا

ہے۔اسرائیلی ہائی اسکولوں سے ہر سال لائق ترین دو فیصد، دو ہزار طلباء سے کوشش کرنے کیلئے کہا جاتا ہے۔ان دس میں سے صرف ایک مختلف قسم کے بنیادی طور پر فزکس اور ریاضی کے ٹیسٹ پاس کر سکتا ہے۔ان دو سو طلبہ کی شخصیت اور اہلیت کی گہری جانچ پڑتال کیلئے مزید دو دن میں ٹیسٹ لئے جاتے ہیں۔

پروگرام میں داخل ہونے کے بعد ٹالپیوٹ طلباء ریاضی یا فزکس میں یونیورسٹی ڈگری کی تحصیل کی منازل تیزی سے طے کرتے ہیں۔انہیں ساتھ ہی IDF کی تمام شاخوں کی تکنیکی ضروریات سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ان کی تعلیمی تربیت اسرائیل یا کسی اور منفرد یونیورسٹی کی تعلیم کی نسبت اعلیٰ ہوتی ہے---وہ کم وقت میں زیادہ مطالعہ کرتے ہیں۔ان کی بنیادی تربیت بھی چھاتہ برداروں کے ساتھ ہوتی ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ انہیں IDF کی تمام بڑی شاخوں سے روشناس کروایا جائے تاکہ وہ ٹیکنالوجی اور فوجی دونوں کی ضروریات اور خصوصاً ان کے باہمی تعلق کو سمجھ سکیں۔

طلباء کو علم کے اس قدر وسیع کورس فراہم کرنے کا حتمی مقصد یہی نہیں ہے۔انہیں دراصل زیر نظر مشن کے رہنما بننے اور مسائل حل کرنے والوں میں تبدیل کرنا ہے۔یہ نتیجہ انہیں انتہائی کم رہنمائی کے ساتھ مشن پر مشن سونپ کر حاصل کیا جاتا ہے۔چند کام ایسے غیر دلچسپ ہوتے ہیں جیسے ساتھی فوجی طلباء کیلئے کسی کانفرنس کے مقررین، سہولیات، نقل و حمل اور کھانے پینے کا اہتمام و انتظام کرنا۔دوسرے اس قدر پیچیدہ جیسے ایک زندہ دہشت گرد سیل کے ٹیلی کمیونیکیشن نیٹ ورک میں گھسنا۔زیادہ امتیازی بات یہ ہے کہ فوجی طلباء کو کثیر الجہتی علوم کے ذریعے خاص فوجی مسائل کا حل تلاش کرنے پر مجبور کیا جائے۔

فوجی طلباء کی ایک ٹیم کو مثلاً ''آئی ڈی ایف کے ہیلی کاپٹروں کی تھرتھراہٹ سے پائلٹوں کی کمر میں شدید درد کا درپیش مسئلہ حل کرنا تھا۔ٹالپیوٹ کے فوجی طلباء نے پہلے یہ طے کیا کہ انسانی ریڑھ کی ہڈی پر ہیلی کاپٹر کی تھرتھراہٹ کے اثر کی کیسے پیمائش کی جائے۔انہوں نے بطور نمونہ ایک سیٹ تیار کی اور اسے ایک نقلی ہیلی کاپٹر میں نصب کر کے سیٹ کی بَیک ریسٹ میں ایک سوراخ کر دیا۔انہوں نے اس کے بعد پائلٹ کی کمر پر ایک قلم رکھ دیا، پائیلٹ کو نقلی ہیلی کاپٹر میں "اڑنے" کیلئے کہا اور مختلف تھرتھراہٹ کی وجہ سے پیدا نشانات کی تصاویر بنانے کیلئے بَیک ریسٹ سوراخ میں ایک تیز رفتار کیمرہ نصب کیا۔انہوں نے آخر میں تصاویر میں حرکات کا کمپیوٹرائزڈ ڈیٹا کا تجزیہ کرنے کے بعد حرکت کی معلومات کو مد نظر رکھ کر ہیلی کاپٹر کی نشستوں کا نمونہ دوبارہ بنایا۔یہ فوجی طلباء اگر کورس کے پہلے دو یا تین سال نبھا ڈالیں تو یہ ٹالپیون کہلاتے ہیں، ایک ایسا عنوان جو فوجی اور شہری دونوں میں یکساں باوقار ہے۔

ٹالپیوٹ کاپروگرام مجموعا'' IDF کی داخلی تحقیق اور ترقیاتی محکمے، مافاٹ کے تحت ہے جو امریکی DARPA کے (دی ایڈوانسڈ ریسرچ پروجیکٹس ایجنسی) کے متوازی ہے۔مافاٹ کے سپرد آئی ڈی ایف میں ہر ٹالپین کو اس کیلئے اگلے چھ سال میں مخصوص یونٹ میں باقاعدہ سروس تفویض کرنے کا من چاہااور حساس کام ہے۔

ٹالپیوٹ پروگرام کے آغاز سے ہی ناقدین کو اس کے ممتاز ہونے کے غرور نے اپنی طرف متوجہ کیا۔پروگرام تقریبا اس وجہ سے شروع نہ ہوسکا کیونکہ فوجی رہنما اتنے چھوٹے گروپ میں اتنی بڑی سرمایہ کاری کرنے کو سودمند خیال نہیں کرتے تھے۔چند ناقدین نے حال ہی میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ پروگرام ناکام ہے

اکثر گریجویٹس مطلوبہ نو سال سے زیادہ فوج میں نہیں رہتے لہٰذا اعلیٰ مدارج تک نہیں پہنچتے۔IDF کی برتری کو تکنیکی طور پر برقرار رکھنے کے لیے ٹالپیوٹ کی تربیت کو گو بہتر بنایا گیا ہے، نئی کمپنیاں بنانے کیلئے ایسی ہی قیادت کے تجربے اور تکنیکی علم کا مجموعی پروگرام مثالی ہے۔اس پروگرام نے تیس سال میں گو صرف 650 گریجویٹ پیدا کیے لیکن وہ اسرائیل کے اعلیٰ ماہرین تعلیم اور ملک کی چند کامیاب ترین کمپنیوں کے بانی بن گئے۔کال مانیٹرنگ نظاموں کے پیچھے عالمی کارپوریشن کا NIC سسٹمز جو فوربس کی سو میں سے پچاسی کمپنیاں استعمال کرتی ہیں، کی بنیاد ٹالپیاونز کی ایک ٹیم نے رکھی تھی۔اسی طرح کمپیوجین جو انسانی جینوم (خلئے میں ڈی این اے کی تمام ہدایات) کی رمز کشائی اور ادویہ کی ترقی میں بھی ایک ٹیم رہنما تھیNASDAQپر تجارت کرنے والی بہت سی اسرائیلی ٹیکنالوجی کمپنیاں یا تو ایک تالپیوٹوں کے ذریعہ قائم کی گئیں یا کلیدی کرداروں میں موجود سابق طلباء تھے۔تالپیوٹ کے معمار دوتھن اور یا تزیو نقادوں کو سختی سے مسترد کرتے ہیں۔

وہ سب سے پہلے اس پر بحث کرتے ہیں کہ IDF کے اندر ٹالپیونز کیلئے اِنٹر سروس مقابلہ --- جس کا کبھی کبھی وزیراعظم کو تصفیہ کرنا پڑا--- خود ہی بولتا ہے۔ان کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ ٹالپینز مطلوبہ چھ سال کی سروس کے دوران بآسانی سرمایہ کاری واپس ادا کرتے ہیں۔ تیسرا اور شاید سب سے اہم کہ ٹالپپوٹ کے دو تہائی گریجویٹس تعلیم و تحقیق یا ٹیکنالوجی کی کمپنیوں میں کھپ جاتے ہیں جو معیشت اور معاشرہ میں زبردست حصہ ڈال رہی ہیں اور اس طرح ملک کو مختلف طریقوں سے مضبوط کر رہی ہیں۔

ٹالپیونرز غالبا'' اسرائیلی فوج میں اعلےٰ ترین اشرافیہ طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں لیکن پروگرام کی ترقی کے پیچھے بنیادی حکمت عملی--- جدید، اختراعی طریقوں سے مسائل کو حل کرنے کے لیے انہیں وسیع اور گہری تربیت فراہم

کرنا ہے--- جو زیادہ تر فوج میں واضح ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ اسرائیلی اخلاقیات کا حصہ ہے: لوگوں کو بہت سی چیزیں کی مہارت سکھانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ فقط ایک مہارت میں بہترین ہوں۔

اس سے یکساں طور پر منتشر قومی خدمت کے تجربہ سے اسرائیل کی معیشت اور معاشرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ہمیں اس کا علم کسی اسرائیلی یا امریکی سے نہیں ہوا۔ گیری شین برگ ایک ملاح کی طرح لگتا ہے، ایک ٹیک گیک (مقابلتاً" پستہ قد، ہٹا کٹا) شاید اس لیے کہ اسے برطانوی بحریہ کا اٹھارہ سال کا تجربہ ہے۔۔ وہ اب برٹش ٹیلی کام میں ٹیکنالوجی اور جدت کیلئے نائب صدر رہے۔ ہمیں وہ ایک شام دیر گئے تل ابیب کی ایک بار میں ملا۔ یہ اس کے خلیج کے راستے دبئی جاتے ہوئے اسرائیل کے کئی ایک کاروباری دوروں میں سے تھا۔ شینبرگ نے کہا، "اسرائیلی ڈی این اے میں اختراع کے متعلق کچھ ایسا ہے جو ناقابل وضاحت ہے۔" لیکن اس کے پاس ایک نظریہ کی شروعات تھیں۔ "میں سوچتا ہوں کہ اس کی وجہ ذہنی و جسمانی نشوونما میں پختگی ہے۔

دنیا میں یہ کہیں نہیں دیکھا کہ لوگ ٹیکنالوجی کی جدت طرازی کے مرکز میں کام کرنے کے ساتھ انہیں قومی خدمت بھی کرنا ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ہر اسرائیلی کم از کم دو سے تین سال کے لیے فوج میں جاتا ہے۔ وہ اگر فوج میں دوبارہ شامل نہیں ہوتے وہ عموماً" کسی یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہیں۔ شینبرگ نے کہا، "دنیا کے مقابلتاً" اسرائیلیوں کی ایک بہت بڑی تعداد فوج کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ لیتی ہے۔" اور گنائیزیشن فار اکنامک ڈویلپمنٹ (او ای سی ڈی) کے مطابق 45 فی صد اسرائیلی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں جو دنیا میں سب سے زیادہ فی صد میں سے ہے۔

ایک حالیہ آئی ایم ڈی عالمی مسابقتی سالانہ کتاب کے مطابق اسرائیل ان ساٹھ ترقی یافتہ اقوام میں دوسرے نمبر ہے جہاں "یونیورسٹی کی تعلیم مسابقتی معیشت کی ضروریات کی کسوٹی پر پورا اترتی ہے۔" طلباء جب کالج سے فارغ ہوتے ہیں تو وہ بیس سے تیس سال کے درمیان ہوتے ہیں؛ چند گریجویٹ پہلے ہی ڈگری لئے، اور ان میں ایک بڑی تعداد شادی شدہ ہوتی ہے۔ شینبرگ نے استدلال کیا، "یہ سب کچھ فرد کی ذہنی صلاحیت کو بدل دیتی ہے۔ ان کی ذہنی اور جسمانی نشوونما بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے؛ انہیں زندگی کا زیادہ تجربہ ہوتا ہے۔ ایجاد واختراع نئے منصوبے تلاش کرنے کا نام ہے۔"

جدت کا انحصار اکثر مختلف نکتہء نظر رکھنے پر ہوتا ہے جو تجربے سے آتا ہے. حقیقی تجربہ بھی عموماً" عمر یا ذہنی و جسمانی بالیدگی کے ساتھ آتا ہے۔ آپ کو اسرائیل میں تجربہ، نکتہء نظر اور پختگی چھوٹی عمر میں حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ معاشرہ اسرائیلیوں پر سکول کی تعلیم بمشکل ختم ہونے کے ساتھ ہی بہت سے تبدیل کن تجربات ٹھونس دیتا

ہے۔کالج پہنچے پر ان کی سوچ امریکی ہم منصبوں کے مقابلتاً" مختلف ہوتی ہے۔"آپ کو زندگی کے متعلق بالکل مختلف نکتہء نظر ملا ہے۔مجھے لگتا ہے کہ یہ بعد کی تعلیم، چھوٹی عمر میں شادی، فوجی تجربہ---میں نے اٹھارہ برس [برطانوی] بحریہ میں گزارے لہذا میں ایسی بات کو سمجھ سکتا ہوں۔"

شینبرگ نے بیان جاری رکھا، "آپ فوج میں ایک ایسے ماحول میں ہیں جہاں آپ کو جوابا" عمل کرنا ہے. آپ کو زندگی اور موت کے درمیان فیصلے کرنا ہیں۔آپ نظم وضبط کے متعلق سیکھتے ہیں۔آپ اپنے دماغ کو کام میں لانے کی تربیت دینے کے متعلق سیکھتے ہیں، آپ خصوصا" اگر فرنٹ لائن پر یا آپ عملا" کچھ کر رہے ہیں۔کاروباری دنیا میں صرف یہی کچھ اچھا اور مفید ہو سکتا ہے۔"یہ پختگی خصوصا" بچگانہ سی بے صبری کے ساتھ مل کر طاقت بن جاتی ہے۔

اسرائیلی اپنے ملک کے قیام سے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مستقبل---قریب وبعید---دونوں ہمیشہ ایک سوال بنا رہتا ہے۔ہر لمحہ ایک پر اہمیت حکمت عملی کا متقاضی ہے۔مارک گیرسن، ایک امریکی کاروباری شخص جس نے کئی اسرائیلی اسٹارٹ۔۔۔اپس میں سرمایہ کاری کی، نے اس کی وضاحت کی، "ایک اسرائیلی جب کسی عورت سے ملاقات کا خواہش مند ہے تو وہ اسی رات اس سے ملنے کے متعلق پوچھتا ہے۔ایک اسرائیلی کاروباری شخص کے پاس کوئی بزنس منصوبہ ہے، وہ اسے اسی ہفتے شروع کر دے گا۔یہ تصور کہ کاروبار کے آغاز سے قبل کوائف جمع کئے جائیں، اس کا کوئی وجود نہیں جو کاروبار کیلئے اچھی بات ہے. بہت زیادہ وقت صرف کرنا آپ کو یہ سکھا سکتا ہے کہ کیا غلط ہو سکتا ہے، نہ یہ کہ کیا تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔"

امیر کی طرح دیگر بہت سے رنگروٹوں کیلئے IDF نے خود کو جانچنے اور ثابت کرنے کا ایک دلچسپ موقع فراہم کیا۔ IDF رنگروٹوں کو ایک اور قیمتی تجربہ پیش کرتا ہے: اسرائیلی معاشرے میں ایک منفرد جگہ جہاں نوجوان مرد اور خواتین مختلف ثقافتی، سماجی اقتصادی اور مذہبی پس منظر کے ہم رتبہ ساتھیوں کے ساتھ مل کر محنت اور انہماک سے کام کرتے ہیں۔ایک نوجوان یہودی روس سے، دوسرا ایتھوپیا سے، ایک لا مذہب (آبائی نژاد اسرائیلی) تل ابیب کے شیخی بگھارنے والے مضافاتی علاقہ سے، یروشلم سے یشیوا کا طالب علم، اور کسان خاندان سے تعلق رکھنے والا ایک کبوتز، گالبا" سب ایک ہی جگہ پر مل سکتے ہیں۔وہ دو سے تین سال باقاعدہ سروس کے بعد مزید بیس سال سالانہ فاضل سروس میں گزاریں گے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ IDF کو فاضل فورسز پر بہت زیادہ انحصار کرنے کے لیے بنایا گیا تھا چونکہ اتنے چھوٹے ملک کے لیے بڑے پیمانے پر ہمہ وقت تیار فوج برقرار رکھنا ممکن نہیں ہے۔لڑاکا سپاہیوں کے لیے فوجی رابطوں کی کئی

دہائیوں سے فاضل ڈیوٹی کیلئے مسلسل تجدید کی جاتی ہے۔اسرائیلی سال میں چند ہفتوں یا بعض اوقات صرف ایک ہفتے کیلئے پیشہ ورانہ اور ذاتی زندگی سے ہٹ کر اپنی فوجی یونٹ کے ساتھ تربیت کے لیے آتے ہیں۔ حیرت کی بات نہیں کہ بہت سے کاروباری تعلقات فوجی نقل و حرکت، گارڈ ڈیوٹی اور تربیت کے طویل اوقات کے دوران بنائے جاتے ہیں۔

تال کینان، ایک اسرائیلی HBS گریجویٹ کہتا ہے، جو" ہارورڈ بزنس سکول کی ہر پانچ سال بعد کلاس ری یونین کی میزبانی کرتا ہے۔ یہ پر لطف موقع ہوتا ہے، آپ کے نیٹ ورک کو برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ ہم دو دن ہم جماعتوں کے ساتھ مل کر لیکچرز سنتے ہیں۔ تصور کیجئے کہ ہر سال ری یونین جو دو سے چار ہفتوں تک رہے، فوج کی اس یونٹ کے ساتھ جہاں آپ نے تین سال گزارے تھے۔ آپ یہاں لیکچر سننے کے بجائے سرحد پر حفاظتی گشت کر رہے ہیں۔ یہ زندگی بھر کے بالکل مختلف قسم کے بندھن کی پرورش کرتا ہے۔"

فوجی سروس کے دوران پرورش پانے والے تعلقات در حقیقت پہلے سے ہی ایک بہت چھوٹے اور باہم جڑے ملک میں ایک دوسرے نیٹ ورک کی تشکیل کرتے ہیں۔ یوسی وردی، درجنوں انٹرنیٹ اسٹارٹ۔۔۔اپس کا گاڈ فادر اور تاروں ۔۔گھری دنیا کا چیمپیئن نیٹ ورکر کہتا ہے، "تمام ملک میں فقط شخص بھر کا فاصلہ ہے۔" جون میڈ ویڈ کی طرح وردی بھی اسرائیل کا مشہور کاروباری سفیر ہے۔

وردی کا کہنا ہے کہ وہ ایسی اسرائیلی کمپنیوں کے متعلق جانتا ہے جنہوں نے مدد۔۔چاہئے اشتہارات بند کر دیئے ہیں: "اب یہ سب زبانی کہنے کی بات ہے۔ سماجی گراف یہاں بہت آسان ہے، سبھی کی ایک دوسرے سے جان پہچان ہے؛ ہر کوئی سب کے بھائیوں کے ساتھ فوج میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ سب کی اماں ان کے سکول میں ٹیچر تھی۔ چچا کسی اور یونٹ کا کمانڈر تھا۔ کوئی کسی سے چھپا نہیں رہ سکتا۔ اگر آپ کا برتاؤ اچھا نہیں تو آپ وائی او منگ یا کیلیفورنیا میں غائب نہیں ہو سکتے۔ یہاں شفافیت بے پناہ ہے۔" ایسے باہمی ارتباط کے فوائد اسرائیل میں ہی محدود نہیں، لیکن اسرائیل میں وہ غیر معمولی طور پر شدید اور وسیع تر ہیں۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ دنیا بھر میں آئی ڈی ایف کی دیگر افواج کے ساتھ بہت سی چیزیں مشترک ہیں بشمول ان کی اعلیٰ ترین یونٹوں کے لیے بھی یکساں طور پر سخت آزمائش سے گذرتے ہیں۔ بہت سے دیگر فوجیوں کا انتخابی عمل اس وجہ سے بہت مختلف ہے کہ وہ لازما" رضاکارانہ بھرتی ہونے والوں میں سے منتخب کریں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے کہ ہر ہائی اسکول طالب علم کا ریکارڈ چھکا کر دیکھیں اور کامیاب ترین چند دل پزیر آسامیوں کیلئے اپنے انتہائی باصلاحیت ساتھیوں سے مقابلہ میں شریک ہوں۔ امریکہ میں مثلا" فوج صرف انہیں منتخب کرتی ہے جو بھرتیوں

میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں یا جیسے ایک .U.S بھرتی کرنے والے نے کہا، "اسرائیل میں فوج بہترین کو منتخب کرتی ہے۔امریکہ میں اس کے برعکس ہے. ہم صرف یہی امید کر سکتے ہیں کہ بہترین ہمیں منتخب کرے۔

امریکی فوج بہترین کی تلاش کیلئے اس امید پر بہت دوڑ دھوپ کرتی ہے کہ ان کی امریکی فوج میں خدمات انجام دینے میں دلچسپی ہو۔امریکہ کی ویسٹ پوائنٹ ملٹری اکیڈمی کی ہر سال کی تازہ ترین کلاس پر نظر ڈالئے۔درمیانی درجہ پوائنٹ ایوریج 3.5 کے ارد گرد منڈلاتا ہے،اور داخلہ ڈیپارٹمنٹ سب طالب علم کیڈٹس میں قیادت کی اہلیت کے لیے طرح طرح کے اعداد و شمار کا بآسانی تعین کر سکتا ہے، بشمول وہ جو ہائی اسکول میں یونیورسٹی ٹیم کے کپتان تھے (60 فیصد)، جو ہائی اسکول میں کلاس کے صدر تھے (14 فیصد) وغیرہ۔داخلہ ڈیپارٹمنٹ کے پاس ایک انتہائی جامع ڈیٹابیس ہے۔تمام ممکنہ درخواست دہندگان سے پوچھ گچھ کرنا اور اکثر پرائمری اسکول تک واپس جانا۔

مصنف ڈیوڈ لیپسکی نے ویسٹ پوائنٹ کے متعلق اپنی کتاب میں لکھا ہے، بالکل امریکی انداز، "آپ چھٹی جماعت میں ہوں تو ویسٹ پوائنٹ کو کچھ لکھیں تو آپ کو ہائی اسکول پہنچنے تک ہر چھ ماہ بعد داخلے کے متعلق خط و کتابت ملے گی۔جب تقریباً پچاس ہزار ہائی اسکول کے جونیئرز ویسٹ پوائنٹ کھولتے ہیں اور ہر سال ممکنہ فائلوں کی شرح دوگنا ہو جاتی ہے جو بارہ سو کیڈٹس کی تازہ ترین کلاس پر ختم ہوتی ہے۔پانچ سالہ پروگرام کے اختتام پر ہر گریجویٹ کی تعلیم پر چوتھائی ملین ڈالر خرچ ہو چکے ہوتے ہیں۔

ویسٹ پوائنٹ میں داخلہ کیلئے غیر معمولی رسائی کی کوششوں کے باوجود امریکی مسلح افواج کے سینئر رہنماؤں کو بہت سے امریکیوں کے تعلیمی ریکارڈ حاصل کرنے میں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔امریکی اس رسائی کے بغیر اپنی مرضی کے مطابق مطلوبہ بھرتی کو حذف نہیں بنا سکتے۔ایک امریکی فوجی آدمی کے ساتھ گفتگو اسرائیلی نظام کی اقتصادی قدر کو نہائت واضح کرتی ہے۔کرنل جان لوری، بحری پیادہ فوج کا افسر ہائی اسکول کے بعد میرین فوج میں بھرتی ہوا اور گزشتہ پچیس سال سے فعال ڈیوٹی یا ریزرو میں رہا۔

اس نے ہارورڈ بزنس اسکول سے ایم بی اے کیا اور ہارلے ڈیوڈسن، اربوں ڈالر کا بہت اعلٰی موٹر سائیکل بنانے والا، میں کارپوریٹ مدارج میں ترقی پاتا گیا۔اس نے اپنے کاروباری کیریئر سے پہلے ریزرو میں فرض نبھانے کے دوران ہارن آف افریقہ، خلیج فارس اور آپریشن ڈیزرٹ سٹارم میں خدمات انجام دیتے ہوئے اس کی تکمیل کی۔

لوری ایک ہزار میرینز کو کمانڈ کرتا ہے اور ہر مہینے دو ویک اینڈ کے لیے ملک کے مختلف ریزرو اڈوں کا سفر کرنے کے علاوہ سالانہ مہینہ بھر حاضر ہونے کیلئے ضروری کالیں بھی کرتا ہے۔لوری ہارلے ڈیوڈسن کے فیکٹری پلانٹس کے انتظامات اور تقریباً ایک ہزار ملازمین کی نگرانی میں مدد بھی کرتا ہے۔وہ دن میں ایک سینئر بزنس ایگزیکیٹو ہوتا ہے

لیکن رات کو وہ میرینز کو عراق میں دوروں کی تیاری کی تربیت دیتا ہے۔ وہ ان دونوں دنیاؤں کے درمیان بلا تردد منتقل ہو جاتا ہے۔ اس کی بس یہی خواہش ہے کہ اس جیسا فوجی تجربہ امریکی کاروباری دنیا میں اتنا ہی عام ہو جتنا اسرائیلی کاروباریوں میں ہے۔ لوری نے ہمیں بتایا، "فوج آپ کو چھوٹی عمر میں اپنا کر سکھاتی ہے کہ آپ کسی چیز کے ذمہ دار ہیں، لہٰذا جو کچھ ہو گا، یا نہ گا اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"" "یہ جملہ، 'یہ میرا قصور نہیں تھا' فوجی کلچر میں اس کا کوئی وجود نہیں۔" یہ تبصرہ باب 2 میں زیادہ تر کمپنی کمانڈرز کا ان کے علاقے میں کچھ بھی ہونے کا ذمہ لینے کے متعلق فرحی کے نکتے جیسا لگتا ہے۔

لوری، پرنسٹن کا گریجویٹ کہتا ہے، "کسی کالج کا تجربہ، بڑا نفع نقصان اور شدید دباؤ آپ کو اس نہج پر سوچنے کی تربیت نہیں کرتا۔"" "آپ جب اس عمر میں اس قسم کے دباؤ میں ہوتے ہیں تو یہ مجبورا" کرنا پڑتا ہے کہ آپ قبل از وقت شطرنج کی تین یا چار چالیں سوچ رکھیں.. آپ جو کرتے ہیں--- میدان جنگ میں--- یا کاروبار میں۔" لوری کے لیے میرین کور کا نیٹ ورک اہم ہے۔ اس کے فوجی ساتھی اس کے لیے پہلے سے ایڈوائزر بورڈ کی شکل میں موجود ہیں۔ وہ دیکھ رہا ہے، "یہ کام کے علاوہ دوستیوں کی ایک اور دنیا ہے لیکن ان میں سے بہت سے میری قسم کے کام سے جڑے ہوئے ہیں۔"

"دیکھیئے، میں نے پچھلے دن ہی ایک ساتھی افسر سے بات کی جو ابو ظہبی میں مقیم ریتھیون کی انتظامیہ میں ہے۔ میں ان سے بہت سوں کو پانچ سال سے لے کر پچیس سال سے جانتا ہوں۔"

نوجوان لیڈروں کی تعلیم کے لیے کالج سے فوج بہت بہتر ہے۔ جیسے IDF میں ہو رہا ہے کہ آج کے جونیئر کمانڈرز بھی سینئر افسروں کو ان طریقوں سے چیلنج کرنے پر زیادہ مائل ہیں جو عام طور پر ماضی میں جرات نہیں کرتے تھے۔ یہ جزوی طور پر زیادہ دوروں اور اپنے ساتھیوں کو اس طرح ہلاک ہوتا دیکھنے کی اس بنا پر ہوا جسے جونیئر افسر یقین کے ساتھ اکثر برے فیصلے، حکمت عملی یا اعلیٰ حکام کے ذریعہ فراہم کردہ کم وسائل کا فقدان سمجھتے ہیں۔

فریڈ کاگن، امریکی فوجی تجزیہ کار اس کی وضاحت کرتا ہے کہ امریکی فوجی اور میرینز بھی اس معنی میں اسرائیلیوں تک پہنچ گئے ہیں کہ ایک جونیئر فوجی جو متعدد بار تعینات ہو چکا ہے وہ اعلیٰ افسروں کے ساتھ حسن سلوک سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ "میدان جنگ کا تجربہ اور ماتحتوں کا کمانڈروں کو چیلنج کرنے کے رجحان کے درمیان تعلق ہے۔ میدان جنگ کے اس تمام کاروباری تجربے کے پیش نظر عراق اور افغانستان کی جنگوں کے تجربہ کار کاروباری دنیا کیلئے پہلے سے کہیں بہتر ہیں وہ دنیا جہاں خواہ سٹارٹ۔۔۔ اپس بنانا ہو یا موجودہ ہنگامہ خیز دور میں بڑی کمپنیوں کی رہنمائی میں مدد کرنا۔

ال چیس نے تجربہ کاروں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ جاب مارکیٹ میں دوسروں سے خوفزدہ نہ ہوں جو پہلے ہی کاروباری دنیا میں ہیں اور "نظام" سے واقف ہیں۔اس نے کہا تجربہ کار لوگ ایسی چیزیوں سے روشناس کرواتے ہیں جن کے متعلق ان کے کاروباری ساتھی صرف خواب ہی دیکھ سکتے ہیں بشمول متناسبیت کا احساس——زندگی یا موت فی الواقعی کیا ہے اور اس سے کم کیا چیز ہے؛افرادی قوت کو متحرک،دباؤ کے تحت اتفاق رائے اور جنگ کی کٹھالی سے ایک ٹھوس اخلاقی بنیاد کیسے حاصل کی جاتی ہے۔

برائن ٹائس،ایک انفنٹری افسر جو یو ایس میرین کور میں کپتان تھا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کوئی کاروبار کرے۔اس وقت وہ تیس سال کا تھا اور وہ پانچ تعیناتیاں مکمل کر چکا تھا——بشمول ہیٹی،افغانستان——اور عراق کیلئے چھٹی کے وسط میں تھا۔اس نے اسٹینفورڈ کے ایم بی اے پروگرام میں درخواستوں کیلئے مضامین مغربی عراق کے مونہہ زور صوبے الانبار کی الاسد ایئر بیس کے قریب ایک تباہ حال عمارت میں لیپ ٹاپ پر لکھے۔اسے اپنی درخواست کو طاق اوقات میں مکمل کرنا پڑا کیونکہ اس کے مشن کا آغاز ہمیشہ آدھی رات کے وقت ہوتا تھا۔120 میرینز کے یونٹ کے لیے بطور آپریشن آفیسر،ٹائس کو باغیوں اور القاعدہ کے خلاف ہر مہم کے لیے "پیکیج" تیار کرنا ہوتا تھا اس کا تعین کرنے کیلئے کہ کتنی طاقت،کتنے میرینز اور کتنی فضائی مدد کی ضرورت ہو گی۔اسے آرام اور مستقبل میں کارروائیوں کی منصوبہ بندی کیلئے صرف دن کا وقت میسر تھا۔سٹینفورڈ کیمپس سے آٹھ ہزار میل دور ذاتی انٹرویو کی اسکول کی شرط پوری نہیں کر سکتا تھا۔

اسے داخلے کے شعبے نے فون پر انٹرویو کیلئے ایک شیڈول دیا جو اس نے کھلے صحرا میں کھڑا ہو کر کمین گاہ سے گولی چلانے والوں اور چھاپوں کی مہم کے درمیان کیا۔ٹائیس نے ایڈمشن آفیسر سے ہیلی کاپٹروں کے شور کیلئے معذرت کی اور قریب ہی گولہ گرنے پر انٹرویو کو مختصر کرنا پڑا۔

امریکی فوجی افسر بڑی تعداد میں ایم بی اے پروگراموں کے لیے درخواستیں دے رہے ہیں اور کیپٹن ٹائس کی طرح غیر معمولی حد تک کوشش کر رہے ہیں۔2008 میں ایم بی اے کے 15,259 یا چھے فیصد خواہشمند فوجی درخواست دہندگان نے (GMAT)، گریجویٹ مینجمنٹ ایڈمشن ٹیسٹ دیا۔ورجینیا یونیورسٹی کے ڈارڈن سکول آف بزنس میں 2007 سے 2008 تک فوجی درخواست گزاروں کی تعداد 62 فیصد بڑھ گئی۔

2008 میں پہلے سال کی کلاس کے 333 طلباء میں سے 40 کا تعلق فوج سے تھا جن میں سے 38 نے افغانستان یا عراق میں خدمات انجام دی تھیں۔

گریجویٹ مینجمنٹ ایڈ مشن کونسل جو GMAT کے انتظامات کرتی ہے،اس نے محاذ جنگ سے بزنس اسکول کے راستے کو بہتر طریقے سے منظم کرنے کو ترجیح جانا ہے۔اس نے اپنا آپریشن MBA پروگرام شروع کیا جو مسلح افواج کے ارکان کو ایسے بزنس اسکول دریافت کرنے میں مدد دیتے ہیں جو درخواست کی فیس معاف کرتے، مالی امداد کے پیکجز پیش کرتے اور یہاں تک کہ مالی تنگی کے شکار فوجیوں کو فیسیں مؤخر کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

کونسل فوجی اڈوں پر GMAT کے امتحانی مراکز قائم کرر ہی ہے،ایک 2008 میں ٹیکساس کے فورٹ ہڈ میں کھولا گیا؛ایک اور جاپان میں یوکوٹا ایئر بیس پر کھولنے کا منصوبہ ہے۔

امریکی بھرتی کرنے والے کارپوریٹ ریکروٹرز اور ایگزیکٹوز کو کاروباری دنیا میں جنگی تجربہ اور اس کی قدر کو سمجھنے کی صلاحیت محدود ہے۔جون میڈ ویڈ نے جیسے وضاحت کی کہ اکثر امریکی کاروباری لوگ یہ نہیں جانتے کہ فوجی ریزیومے کیسے پڑھنا ہے۔ال چیز نے ہمیں بتایا کہ اس نے متعدد تجربہ کار فوجیوں کا بزنس انٹرویو لینے والوں کے ساتھ کام کیا ہے جس میں ان کے میدان جنگ میں تمام قائدانہ تجربات میں اعلیٰ پیمانے پر فیصلہ سازی میں کیس اسٹڈیز اور جنگی علاقے میں لوگوں اور آلات کی بڑی تعداد کا انتظام کرنا شامل تھا،اور اس کے آخر میں انٹرویو لینے والے نے کچھ اس قسم کی بات کی،"یہ سبھی کچھ بہت دلچسپ ہے لیکن کیا آپ نے حقیقتاً'' کبھی کوئی کام کیا ہے؟"

اسرائیل میں اس کے برعکس ہے۔جب اسرائیلی کاروبار نجی سیکٹر میں تجربہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں تو آجر کیلئے ملٹری سروس اہم معیاری پیمانہ ہے---جو سبھی جانتے ہیں کہ افسر بننے یا خدمت کرنے یا اعلیٰ یونٹ میں خدمت انجام دینے کا کیا مطلب ہے۔

باب 5

جہاں حکم افراتفری سے ملتا ہے۔

شک اور دلیل---یہ یہودی تہذیب کی بیماری کی مجموعی علامات ہیں جو آج کے اسرائیل کی بھی یہی ہیں۔

اموس اوز

تقریباً تیس قوموں میں لازمی فوجی سروس ہے جو اٹھارہ ماہ سے زیادہ دیر تک چلتی ہے۔ ان میں سے اکثر ممالک ترقی پذیر یا غیر جمہوری ہیں۔ دنیا کے صرف تین ترقی یافتہ ممالک، اسرائیل، جنوبی کوریا اور سنگاپور میں فوجی خدمت اتنی طویل مدت تک درکار ہوتی ہے۔ یہ حیرت کی بات نہیں کہ ان تینوں نے طویل عرصے تک وجودی خطرات کا سامنا کیا یا وہ اپنی بقا کے لیے حال ہی میں جنگیں لڑ چکے ہیں۔

اسرائیل کو خود مختار بننے سے پہلے ہی اس کے وجود کو دھمکانا شروع ہو گیا تھا۔ 1920 کی دہائی کے آغاز سے عرب دنیا نے فلسطین میں قومی یہودی ریاست کے قیام میں مزاحمت کی، پھر اسرائیل کو متعدد جنگوں میں شکست دینے یا کمزور کرنے کی کوشش کی۔ جنوبی کوریا شمالی کوریا کی طرف سے مسلسل دھمکیوں کی لپیٹ میں رہا ہے جو جنوبی کوریا کے دارالحکومت سیول سے چند میل کے فاصلے پر ایک بڑی کھڑی فوج لئے کھڑا ہے۔ سنگاپور دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان کے قبضے کی یادیں لئے زندہ ہے۔ اس کی آزادی کی حالیہ جدوجہد، جس کا اختتام 1965 میں ہوُا اور اس کے بعد اتار چڑھاؤ کا دور آن پڑا۔

سنگاپور کی نیشنل سروس 1967 میں متعارف کروائی گئی۔ "ہمیں اپنا دفاع کرنا تھا۔ یہ ہماری بقا کا معاملہ تھا۔ وزیر دفاع ٹیو چی ہین نے وضاحت کی، ''ایک چھوٹی سی آبادی کے چھوٹے سے ملک کیلئے معقول قوت بنانے کا واحد راستہ جبری بھرتی تھا۔ ہر سنگاپوری کے بھرتی ہونے پر غیر معمولی اثرات کے پیش نظر یہ ایک معمولی فیصلہ نہیں تھا لیکن کوئی اور متبادل بھی نہیں تھا۔"

سنگاپور کے پاس آزادی کے وقت صرف دو پیادہ رجمنٹیں تھیں اور یہ انگریزوں کی قائم کی ہوئی اور انہی کے زیر کمان تھیں۔ ان میں دو تہائی فوجی تو سنگاپور کے رہائشی بھی نہیں تھے۔ سٹی سٹیٹ کے سب سے پہلے وزیر دفاع، گوہ کینگ سوئی نے تجاویز کی تلاش میں مورد چائی کدرون، تھائی لینڈ میں سابق اسرائیلی سفیر سے ملاقات کی، جس سے اس وقت سے جان پہچان تھی جب وہ ایشیا میں کام کر رہا تھا۔ کیدرون نے بتایا، "گوہ نے ہمیں بتایا کہ ہم سمجھتے تھے کہ صرف اسرائیل ایک چھوٹا ملک ہے جو مسلم ممالک میں گھرا ہوُا ہے۔ وہ ایک چھوٹی، متحرک فوج بنانے میں ہماری مدد کر سکتا ہے۔"

سنگاپور نے دو سال کے دوران دو بار آزادی حاصل کی۔ ملائیشیا کے حصے کے طور پر 1963 میں برطانیہ سے پہلی آزادی اور 1965 میں دوسری آزادی ملائیشیا سے ملی تا کہ خانہ جنگی کو کچلا جا سکے۔ سنگاپور کے موجودہ وزیر اعظم گوہ چوک ٹونگ نے اپنے ملک کے ملائیشیا کے ساتھ تعلقات کو بربادشادی اور پھر درشتی سے طلاق پر خاتمہ کے بعد کشیدگی کا شکار ہونا بیان کیا۔''

سنگاپور کے باشندے انڈونیشیا کی دھمکیوں سے بھی خوف زدہ تھے جب کہ سنگاپور کے شمال، انڈوچائنا میں ایک مسلح کمیونسٹ شورش سر اٹھا رہی تھی۔ گوہ کی مدد کی درخواستوں کے جواب میں IDF کے لیفٹیننٹ کرنل یہودا گولن نے سنگاپور کی نوزائیدہ فوج کے لیے دو دستور العمل لکھنے کا کام کیا: ایک جنگی حال و مستقبل کی منصوبہ بندی اور وزارت دفاع کے ڈھانچے پر اور دوسرا انٹیلی جنس اداروں کیلئے. بعد میں آئی ڈی ایف کے چھ افسروں بمع اہل خانہ فوجیوں کو تربیت اور جبری بھرتی پر مبنی فوج بنانے کے لیے سنگاپور منتقل ہو گئے۔ لازمی سروس اور ایک کیریئر آرمی کے ہمراہ سنگاپور نے بھی IDF کی ریزرو سروس کا ماڈل اپنایا۔ ہر سپاہی باقاعدہ سروس کی تکمیل کے بعد تینتی سال کی عمر تک ہر سال مختصر مدت کے لیے خدمت کرنے کا پابند ہے۔

سنگاپور کی بانی نسل کے لیے قومی خدمت محض دفاع سے کہیں زیادہ بامعنی تھی۔ "سنگاپوری معاشرے کے تمام طبقات بارش اور تپتی دھوپ میں کندھے سے کندھا ملا کر تربیت حاصل کریں گے، اکٹھا پہاڑیوں پر بھاگیں گے، جنگلوں اور تعمیر شدہ علاقوں میں بحیثیت ایک ٹیم لڑنا سیکھیں گے۔ انہیں نیشنل سروس میں مشترکہ تجربہ ایک بندھن میں باندھ دے گا جس سے سنگاپور کی شناخت اور کردار تشکیل ہوں گے۔" وزیراعظم گوہ نے یہ بات سنگاپور کی فوج کی پینتیسویں سالگرہ کے موقع پر کہی۔

"ہم ابھی ایک قوم کے طور پر ابھر رہے ہیں،" گوہ نے جاری رکھا۔ "ہمارے آباؤاجداد تارکین وطن تھے --وہ کہتے ہیں کہ نیشنل سروس میں، خواہ کوئی چینی، مالے، انڈین، یا یوریشین ہو—— سب ایک ہی رنگ کے ہیں: ایک گہرا، دھوپ جلا بھورا! وہ جب ایک اکائی بن کر لڑنا سیکھتے ہیں تو وہ ایک دوسرے پر اعتماد، احترام اور یقین کرنے لگتے ہیں۔

ہمیں اگر سنگاپور کے دفاع کے لیے جنگ کرنا پڑے تو وہ اپنی پلاٹون میں اپنے دوستوں کے لیے اتنا لڑیں گے جتنا اپنے ملک کے لیے۔" "سنگاپور" کی جگہ "اسرائیل" رکھیں یہ ڈیوڈ بین گوریون کی تقریر جیسی لگ سکتی تھی۔ سنگاپور کی فوج اگرچہ IDF کے ماڈل پر بنائی گئی ہے یعنی آزمائشا" اسرائیل کے بہت سے کاروباریوں کے لیے--- "ایشین ٹائیگر" اسٹارٹ۔۔۔اپس کو جنم دینے میں ناکام رہا ہے۔

کیوں؟

ایسا نہیں ہے کہ سنگاپور کی ترقی متاثر کن نہیں رہی۔ حقیقی فی کس جی ڈی پی 35,000 امریکی ڈالر دنیا میں سب سے زیادہ میں سے ہے اور حقیقی جی ڈی پی نمو ملک کے قیام کے بعد سے اوسطاً 8 فیصد سالانہ ہے۔ اس کی ترقی کی کہانی

اس کے باوجود، سنگاپور کے رہنما ایک ایسی دنیا کے ساتھ قدم بقدم چلنے میں ناکام رہے ہیں جہاں تین صفات کی قیمت بیش بہا ہے جن سے سنگاپور کی ثقافت تاریخی طور پر اجنبی ہے: پہل کاری، خطرہ مول لینا، اور چستی۔

خطرہ مول لینے کے فرق کے متعلق بڑھتی ہوئی بیداری نے سنگاپور کے فنانس وزیر تھرمن شنموگرٹنم کو ناوا سوارسکی سوفر سے ملنے کی تحریک دی، ایک اسرائیلی وینچر کیپیٹلسٹ جو عبرانی یونیورسٹی کی ٹیکنالوجی منتقلی کمپنی چلاتی رہی۔ یونیورسٹی کمپنی بنام یِّوم دنیا میں بلحاظ تعلیمی پروگرام دس اعلیٰ تریں یونیورسٹیوں میں شامل ہے جس کی پیمائش تعلیمی تحقیق کو تجارتی بنانے سے کی جاتی ہے۔ شانموگرتنم کا اس سے ایک ہی سوال تھا: "اسرائیل یہ کیسے کرتا ہے؟" وہ G-20 میٹنگ کے لیے قریب ہی تھا لیکن وہ اسرائیل جانے کی خاطر آخری دن ہم خیال رہنماؤں کی میٹنگ میں نہیں گیا۔

سنگاپور کے قیام کا والدلی کوان یو جو تین دہائیوں تک وزیراعظم رہا، آج خطرے کی گھنٹیاں بجا رہا ہے۔ "کاروبار میں تخلیقی صلاحیتوں کیلئے ایک نئے دھماکے کا وقت آ گیا ہے،" وہ کہتا ہے۔ "ہمیں بہت سی نئی کوششوں کی، بہت سے اسٹارٹ۔۔۔اپس کی ضرورت ہے۔'

ایسا ہی احساس ایک اور ملک کوریا میں بھی ہے سنگاپور میں بھی فوجی بھرتی ہے اور بیرونی خطرے کا احساس بھی لیکن اسرائیل کی طرح ان صفات نے اسٹارٹ۔۔۔اپ کلچر پیدا نہیں کیا۔ کوریا میں واضح طور پر بڑی ٹیکنالوجی کمپنیوں کی کمی نہیں ہے۔ ایرل مارگالیت، ایک اسرائیلی کاروباری شخص جس کے پاس میڈیا اسٹارٹ۔۔۔اپس کا اصطبل ہے، کوریا کو دراصل اپنی انتہائی ترقی یافتہ کمپنیوں کیلئے زرخیز زمین کے طور پر دیکھتا ہے۔ "امریکہ قناعت کی ملکہ ہے،" مارگلیٹ نے کہا، "لیکن یہ اب نشریاتی دور بھی ہے جبکہ چین اور کوریا تفاعلی دور میں ہیں۔

کوریا اسرائیل کی طرح فی کس اتنے اسٹارٹ۔۔۔اپس کیوں پیدا نہیں کر رہا؟ ہم نے بصیرت کے لیے لارنٹ ہاگ سے پوچھا۔ ہاگ لفٹ کانفرنسوں کا خالق اور اس کے پیچھے ایک بڑی طاقت ہے جو ٹیکنالوجی اور ثقافت میں تعلق پر توجہ مرکوز کرتی ہے۔

اس کے اجتماعات 2006 سے جنیوا، سوئٹزرلینڈ اور جیجو، کوریا میں ہو رہے ہیں۔ ہم نے ہاگ سے پوچھا کہ کوریا میں مزید اسٹارٹ۔۔۔اپس کیوں نہیں ہیں جب کہ کوریائی باشندوں کو تو ٹیکنالوجی سے بہت زیادہ لگاؤ ہے۔ اس نے ہمیں بتایا۔ ”عوام میں ذلت کا سامنا کرنے کا خوف اور 2000 میں انٹرنیٹ کے بلبلے کے پھٹنا۔"

"کوریا میں کسی کی ناکامی کو بے نقاب نہیں ہونا چاہیے۔ 2000 کے اوائل میں بہت سے کاروباری افراد نئی معیشت کو قبول عام سمجھ کر کود پڑے۔ جب بلبلا پھٹا تو عوامی ناکامی نے کاروبار داغ دار کر دیا۔ ہاگ کو کوریا میں ایک

ٹیکنالوجی کو پرواں چڑھانے والے ڈائریکٹر سے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ پراجیکٹس کیلئے بلانے پر صرف پچاس گذارشات موصول ہوئیں، "یہ اس قدر جدت پسند اور دور اندیش کوریا کیلئے فی الواقعی کم تعداد ہے۔

ہاگ جو اسرائیلی ٹیک منظر کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے، "ایسا لگتا ہے کہ اسرائیلی اس منظر کے دوسری طرف ہیں۔ وہ ناکامی کے سماجی داغ کی پرواہ نہیں کرتے اور اقتصادی یا سیاسی صورت حال سے بے پرواہ اپنے منصوبوں کی ترقی میں لگے رہتے ہیں۔" Swersky Sofer جب سنگاپور، کوریا اور دیگر مملک سے زائرین کی میزبانی کرتی ہے تو چیلنج یہ ہوتا ہے کہ ان ثقافتی پہلوؤں کو کیسے اجاگر کیا جائے جن سے اسرائیلی اسٹارٹ۔۔۔اپ وجہِ تحریک بنیں۔ جبری بھرتی، فوجی ریزرو میں خدمت انجام دینا، سر پر منڈلاتی دھمکیوں کا چھایا رہنا اور یہاں تک کہ تکنیکی نکتہ رسی کافی نہیں ہے تو پھر دوسرے اجزاء کیا ہیں؟

تال ریزن فیلڈ نے ہمیں عملاً" آگاہ کیا۔ "میں آپ کیلئے بالکل مختلف نکتہ نظر سے مماثلت بیان کروں گا،""اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ ہم بلاتیاری کوئی کام کرنا کیسے پڑھاتے ہیں تو صرف اپولو کو دیکھئے۔ جین کرانز نے جو ناسا میں کیا --- جسے امریکی مورخین مثالی لیڈرشپ سمجھتے ہیں ـــــ یہ اس کی ایک مثال ہے جس کی بہت سے اسرائیلی کمانڈروں سے میدان جنگ میں توقع کی جاتی ہے۔" اس نے اسرائیلی جدت کے متعلق ہمارے سوال کا جواب بالکل سیاق و سباق سے ہٹ کر دیا لیکن وہ تجربے کی بناپر بات کر رہا تھا۔ ہارورڈ بزنس اسکول میں تعلیم کے دوسرے سال کے دوران ریزن فیلڈ نے ایک ساتھی اسرائیلی کمانڈوز کے ساتھ ایک سٹارٹ۔۔۔اپ شروع کیا۔ انہوں نے ہارورڈ بزنس پلان کے مقابلے میں اپنی تجویز پیش کی جو ستر ٹیمیوں کو شکست دے کر اول نمبر پر رہی۔

اپنی کلاس میں HBS سے اعلیٰ ترین گریجویشن کرنے کے بعد ریزن فیلڈ نے تل ابیب پر مبنی آئی ویو شروع کرنے کے لیے گوگل کی پرکشش پیشکش ٹھکرادی۔ ریزن فیلڈ نے اس سے قبل اسرائیلی فوج میں تربیتی پروگرام کی منتخب ترین بھرتیوں میں کامیابی حاصل کی تھی۔ HBS کے دوران ریزن فیلڈ نے ایک کیس کا مطالعہ کیا جس میں اپالو 13 اور کولمبیا خلائی شٹل کے بحران سے سبق سیکھنے کا موازنہ کیا گیا تھا۔ 2003 کولمبیا مشن اسرائیلیوں کے لیے ایک خاص مشابہت لئے ہے۔ اس کے عملے میں سے پہلا اسرائیلی خلاباز کرنل ایلان رامون ـــــ کولمبیا کے ٹوٹنے سے ہلاک ہو گیا۔ رامون بہت پہلے ایک اسرائیلی ہیرو رہ چکا تھا۔ وہ جرات مند پائلٹ تھا جس نے 1981 میں عراق کی جوہری تنصیب اوسیرک کو تباہ کیا تھا۔

ایچ بی ایس کے پروفیسر زایمی ایڈمنڈسن، مائیکل رابرٹو، اور رچرڈ بوہمر نے اپالو اور کولمبیا کے بحرانوں کی تحقیق اور موازنہ کرنے میں دو سال گزارے۔

انہوں نے ایک تحقیق پیش کی جو ریزن فیلڈ کی کلاسوں میں بزنس مینیجمنٹ کے نکتہ نظر سے سیکھے سبقوں کے مطابق تجزیہ کرنا بنیاد بن گیا۔ ریزن فیلڈ نے سب سے پہلے HBS کیس پڑھا۔ سابق کمانڈو 2008 میں پیش کردہ مسائل سے پہلے سے واقف تھا۔ ریزن فیلڈ نے کیس کا ذکر ہمیں سے کیوں کیا؟ اس کا اسرائیل یا اس کی اختراعی معیشت سے کیا تعلق تھا؟

اپالو 13 کا بحران 15 اپریل 1970 کو اس وقت پیش آیا جب خلائی جہاز چاند کے راستے کا تین چوتھائی سفر طے کر چکا تھا۔ یہ نیل آرمسٹرانگ اور بزایلڈرین کے اپالو 11 سے اترنے کے ایک سال بعد سے بھی کم تھا۔ ناسا اونچی ہواؤں میں تھا۔ جب اپالو 13 دو دن سے اپنے مشن میں تھا اور دو ہزار میل فی گھنٹہ سے پرواز کر رہا تھا تو اس کا پہلا آکسیجن ٹینک پھٹ گیا۔ خلاباز جان سوئگرٹ نے اس وقت جو کہا وہ اب ایک مشہور مقولہ بن چکا ہے: "ہیوسٹن، ہمیں ایک مسئلہ درپیش ہے۔"

فلائٹ ڈائریکٹر، ہیوسٹن میں جانسن اسپیس سینٹر میں جین کرانز، مشن اور بحران کا انچارج تھا۔ اسے تیزی سے بگڑتے ریکارڈ پیش کئے جا رہے تھے۔ اسے پہلی اطلاع ملی کہ عملہ کے پاس آکسیجن اٹھارہ منٹ کے لیے کافی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ نظر ثانی کی گئی تو سات منٹ اور پھر آکسیجن چار منٹ کیلئے باقی بچی۔ حالات بے قابو ہو رہے تھے۔ ناسا کی متعدد ٹیموں سے مشورہ کرنے کے بعد کرانز نے خلابازوں کو چھوٹے قمری توسیعی ماڈیول کے اندر جانے کو کہا جسے خلا میں مختصر چھوٹے ٹرپس کے لیے اپالو سے الگ کرنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ توسیعی ماڈیول کی اپنی آکسیجن اور الیکٹرک کی چھوٹی سی سپلائی تھی۔ کرانز نے بعد میں یاد کیا کہ "اسے پچھلے وسائل کو بڑھانے کیلئے راستہ تلاش کرنا تھا۔" جو دو آدمیوں کے لیے بمشکل دو دن کیلئے کافی تھا نہ کہ تین آدمیوں کیلئے چار دن کے لیے۔

کرانز نے ہیوسٹن میں ٹیموں کے ایک گروپ کو ہدایت کی کہ وہ خود کو ایک کمرے میں بند کر کے آکسیجن کے مسئلے اور خلابازوں کو اپالو اور پھر گھر واپس لانے کے طریقوں کی تحقیق کریں۔ ان ٹیموں کا مل بیٹھنا پہلی بار نہیں تھا۔ کرانز انہیں کئی ماہ پہلے ہی ہر روز جمع کر کے ایسے ہنگامی صورت حال سے نپٹنے کیلئے ایسی مشقوں کی عادت ڈال چکا تھا۔ وہ نہ صرف ٹیموں کے اندر بلکہ ٹیموں اور ناسا کے باہر کے ٹھیکے داروں کے درمیان زیادہ سے زیادہ باہمی عمل کے جنون میں مبتلا تھا۔ اس نے اس بات کو یقینی بنایا کہ وہ سب تربیت کے دوران قریبی تھے، یعنی اگر اسے سول سروس کے قوانین کی خلاف ورزی کرنا پڑ جاتی جس سے ناسا کے احاطے میں ٹھیکے داروں کو کل وقتی کام کرنے سے روکنا ہوتا۔ کرنز نہیں چاہتا تھا کہ ٹیم کے ارکان کے درمیان اجنبیت ہو جنہیں کسی دن ایک ساتھ مل کر بحران سے نمٹنا درکار

ہو۔ بحران کے تین دن بعد کرانزاور اس کی ٹیمیں اس کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو گئیں کہ تخلیقی طریقے سے کم بجلی استعمال کر کے اپالو کو زمین پر واپس لایا جا سکتا ہے۔

نیو یارک ٹائمز نے اداریہ لکھا کہ اگر "ناسانیٹ ورک" کے ماہرین کی ٹیمیں ہنگامی اصلاح کے معجزے نہ دکھاتیں تو بحران مہلک ہوتا۔

یہ ایک ناقابل یقین کارنامہ اور ایک پرانہماک کہانی تھی۔ ہم نے ریزن فیلڈ سے پوچھا کہ اسرائیل سے اس کا کیا تعلق ہے؟ تیزی سے آگے بڑھ کر 1 فروری 2003 تک آجایئے، اس نے ہمیں بتایا کہ کولمبیا مشن میں سولہ دن رہی اور خلائی شٹل زمین کی فضا میں دوبارہ داخل ہونے پر دھماکہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اب ہم جانتے ہیں کہ انسولیٹنگ فوم کے ایک 1.67 پاؤنڈ وزنی ٹکڑے نے ٹیک آف کے دوران ایندھن کے بیرونی ٹینک سے اکھڑ کر شٹل کے بائیں بازو کے سر کردہ کنارے سے ٹکرا کر ایک سوراخ کر ڈالا جس سے سپر ہیٹیڈ گیسوں کو ونگ کے اندرون میں چیرنے کا موقع مل گیا۔

ٹیک آف اور پرواز کے درمیان دو ہفتے گذر چکے تھے --- جب فوم پہلی بار بازو سے ٹکرائی --- اور دھماکہ ہوا۔ کیا اتنے عرصہ کے دوران کولمبیا کی مرمت کیلئے کچھ کیا جا سکتا تھا؟

HBS کے مطالعہ کے بعد ریزن فیلڈ نے یقینا" ایسا سوچا کہ ہاں مرمت ہو سکتی تھی۔ اس نے مٹھی بھر درمیانی درجے کے ناسا انجینئرز کی طرف اشارہ کیا جنہیں سنا نہیں گیا۔ انہوں نے پوسٹ لانچ ریویو سیشن کے دوران ویڈیو مانیٹر پر فوم کو اکھڑتا دیکھ کر فورا" ناسا کے مینیجرز کو مطلع کیا۔ انہیں بتایا گیا کہ فوم کا اکھڑنا کوئی نیا "مسئلہ" نہیں تھا۔ فوم اکھڑنے سے پچھلی لانچوں میں شٹل کو نقصان پہنچ چکا تھا لیکن کبھی کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔ یہ صرف عام دیکھ بھال کا مسئلہ تھا۔ آگے چلیئے۔

انجینئروں نے غیر متفق ہونے کی کوشش کی چونکہ فوم کا یہ ٹوٹا ہوا ٹکڑا "بہت ہی بڑا" تھا۔ انہوں نے درخواست کی کہ امریکی سیٹلائٹس --- جو پہلے ہی مدار میں تھے انہیں سوراخ شدہ ونگ کی اضافی تصاویر لینے کے لیے بھیجا جائے۔ بد قسمتی سے انجینئرز کی ایک نہ سنی گئی۔ انتظامیہ نے ان کی ثانوی درخواست پر بھی کان نہ دھرا کہ خلا بازوں کو نقصان کے اندازہ کیلئے اسپیس واک کروائیں تاکہ زمین پر واپسی سے پہلے اس کی مرمت کرنے کی کوشش کی جا سکے۔

ناسا نے اس سے پہلے فوم کا اکھڑنا دیکھ رکھا تھا؛ ماضی میں اس سے مسائل پیدا نہیں ہوئے تھے چونکہ یہ حسب معمول ایک معمولی سا مسئلہ تھا اس لئے اس پر مزید بحث کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ انتظامیہ نے تمام انجینئرز

سے کہا کہ چلے جاؤ یہاں سے۔HBS تحقیق کا یہی حصہ تھا جس پر ریزن فیلڈ نے توجہ مرکوز کی۔ تحقیق کے مصنفین نے وضاحت کی کہ تنظیمیں دو میں سے ایک ماڈل پر تشکیل دی جاتی ہیں:

ایک معیاری ماڈل، جہاں معمولات اور نظام کا ہر چیز پر پہرہ ہے بشمول کام کا وقت پر ہونا اور بجٹوں کی سخت تعمیل، یا تجرباتی ماڈل، جہاں ہر روز، ہر مشق اور ہر نئی معلومات کے ہر ٹکڑے کا جائزہ لیا جاتا اور بحث کی جاتی ہے ایک ایسا ماحول جو R&D لیبارٹری سے ملتا جلتا ہے۔

کولمبیا کے دور میں، NASA کے ماحول میں معمولات اور معیارات کی پابندی کا دور دورہ تھا۔ انتظامیہ نے غیر لچکدار نظام میں ڈیٹا کے ہر نئے ٹکڑے کو جوتے کے چمچے سے ڈالنے کی کوشش کی --- جسے رابرٹا وولسٹیٹر، ایک فوجی اِنٹیلی جنس تجزیہ کار نے ہمارے "موجودہ عقائد کے ساتھ ضدی لگاؤ" کے طور پر بیان کیا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا انٹیلی جنس تجزیہ کی دنیا میں بھی سامنا ہوُا ہے جہاں دشمنوں کے رویے کا اندازہ لگاتے وقت اکثر تخیل کا فقدان ہوتا ہے۔

ناسا کے اپولو کے جستجوئی ماحول سے کولمبیا کے سخت معیاری ماحول میں تبدیلی 1970 کی دہائی میں تب شروع ہوئی جب خلا ایجنسی نے نئے شٹل پروگرام کے لیے کانگریس سے فنڈنگ کی درخواست کی۔ شٹل ایک دوبارہ قابل استعمال خلائی جہاز کے طور پر فروغ دی گئی تھی جو خلائی سفر کی لاگت کو ڈرامائی طور پر کم کر دے گی۔ صدر نکسن نے اس وقت کہا تھا کہ یہ پروگرام قریبی خلا میں نقل و حمل کو معمول بنا کر اس میں انقلاب برپا کر دے گا۔"اس کا تخمینہ لگایا گیا تھا کہ شٹل ہر سال بے مثال پچاس مشنوں پر جائے گی۔ سابقہ ایئر فورس کی سیکرٹری شیلا وِڈنال جو کولمبیا حادثے کی تحقیقاتی بورڈ کی رکن تھی، نے بعد میں بتایا کہ ناسا نے کولمبیا کو بطور "747" پیش کیا جسے آپ بآسانی اتار سکتے، گھما سکتے اور دوبارہ اڑا سکتے ہیں۔''

HBS پروفیسر ز نے جیسے توجہ دلائی، "خلائی سفر، بالکل تکنیکی جدت کی طرح بنیادی طور پر ایک سخت تجرباتی کوشش ہوتی ہے اور اس کا اسی طریقے سے انتظام کرنا چاہیے۔ ہر نئی پرواز کو ماضی کے معمولات کے برعکس ایک اہم ٹیسٹ اور ڈیٹا کا ذریعہ ہونا چاہیے۔'' یہی وجہ تھی کہ ریزن فیلڈ نے ہمیں اس کا مطالعہ کرنے کی ہدایت کی۔

اسرائیل کی جنگ لڑنا بھی ایک "سخت تجرباتی کوشش" ہے جیسا کہ ہم نے اسرائیل کی 1973 میں سیگرز سے نپٹنے کی کہانی میں پایا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اسرائیلی فوج اور اسٹارٹ۔۔۔اپس بہت سے طریقوں سے اپالو کے ماحول کا اتباع کرتے ہیں۔

ناواسویر سکی سوفر کے اس خیال کے مطابق یقینا‘‘اس اپالوماحول سے جڑا ہؤا ہے، کر— سکتے --ہیں، ذمہ دارانہ رویہ جسے اسرائیلی روش گڈول کہتے ہیں۔ اسرائیلی فوج میں سپاہی وہ لوگ ہیں جو روش گڈول انداز سے سوچتے ہیں۔ لفظا‘‘ایک "بڑا سر"؛اور روش کاٹان یا"چھوٹا سر"والے کا رویہ۔ روش کاٹان رویہ والے کو رد کر دیا جاتا ہے،اس کا مطلب ہے کہ حکم کو ممکنہ حد تک ذمہ داری یا اضافی کام لینے سے بچنے کی خاطر معمولی سا سمجھنا۔ روش گڈول طریقے کا یہ مطلب ہے کہ احکامات بہترین طریقے سے بجالانے کیلئے قوت فیصلہ استعمال کرنااور ضروری کوشش بروئے کار لانا ہے۔ یہ بروقت کرنے کو نظم وضبط سے کرنے،اور چیف کو چیلنج کرنے کو درجہ بندی کے احترام پر ترجیح دیتا ہے۔

"چیف کو چیلنج کرنا" بے شک ایک حکم امتناعی ہے جو نچلے اسرائیلی فوجیوں کے لیے جاری کیا گیا ہے جو جنگ کے بعد فوجی کمیشن سے براہ راست آیا ہے جسے ہم بعد میں دیکھیں گے۔ سنگاپور میں ہر چیز روش گیڈول ذہنیت کے بر عکس ہے۔

سنگاپور میں وقت گزاریں اور یہ فوری طور پر واضح ہو جائے گا کہ یہ صاف ستھرا ہے۔ انتہائی صاف ستھرا۔ خوبصورتی سے کٹے سبز لانوں اور سر سبز درختوں کو شاندار نئی فلک بوس عمارتوں نے گھیر رکھا ہے۔ عالمی مالیاتی اداروں کی چوکیاں تقریبا ہر کونے پر ملتی ہیں۔ سڑکیں کچرے سے پاک ہیں۔ یہاں بے ضرر کچرا ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ سنگاپوریوں کو خصوصا‘‘ ہدایت دی جاتی ہے کہ شائستہ کیسے رہنا ہے، کم جھگڑالو، کم شور مچانا اور عوام میں چیونگم نہ چبانا ہے۔

صفائی کا دائرہ حکومت تک بھی ہے۔ لی کوان یو کی پیپلز ایکشن پارٹی بنیادی طور پر سنگاپور کی آزادی کے بعد سے بلا تعطل اقتدار میں ہے۔ یہ بالکل وہی ہے جو لی چاہتا ہے۔ اس کا ہمیشہ سے یقین ہے کہ متحرک سیاسی مخالفت اس کے منظم اور موثر سنگاپور کی دور رس سیاسی بصیرت کو کمزور کر دے گی۔ عوامی اختلاف کو گو بالکل دبایا نہیں گیا لیکن حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ سنگاپور میں اس رویہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن اسرائیل میں یہ اجنبی ہے۔

اسرائیلی فضائیہ کا پائلٹ یوول ڈوٹن بھی ہارورڈ بزنس اسکول کا گریجویٹ ہے۔ جب "اپولو بمقابلہ کولمبیا" کی بات آتی ہے تو اسے یقین ہے کہ اگر ناسا اپنی تحقیقی بنیادوں پر جمار ہتا تو قوم کے نقصان دہ طریقے سے لگنے کے متعلق روزانہ کے "مشن سے متعلقہ سوال" میں نشاندہی کے بعد سنجیدگی سے بحث کی جاتی۔ اسرائیل کے اعلٰے ترین فوجی یونٹوں میں ہر دن ایک تجربہ ہے. میدان جنگ میں یا تمام دنیا میں خواہ کچھ بھی ہو رہا ہو، ہر دن ایک سخت جان کاہ سیشن کے ساتھ ختم ہوتا ہے جس میں ایک یونٹ کی تمام صفوں سے دن بھر کی خامیوں، کوتاہیوں کو تنقیدی نظر سے تجزیہ کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں۔ اس نے ہمیں بتایا، "کوتاہیوں پر تنقیدی نظر رکھنا بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا ڈرل یا

جاری جنگ پر۔ "نئ معلومات کے لیے کھلی، گہری اور گرما گرم بحث کیلئے ہر پرواز کی مشق، بر وقت، اور حقیقی آپریشن کے ساتھ لیبارٹری کے کام جیسا سلوک کیا جاتا ہے جہاں" جائزہ لینے اور دوبارہ جائزہ اور سہ بار جائزہ لیا جاتا ہے۔ ہماری تربیت اسی طرح کی جاتی ہے۔"

ان گروپوں میں معلوماتی سوالات میں صرف بے لگام صاف گوئی پر ہی زور نہیں دیا جاتا بلکہ ساتھیوں، ماتحتوں اور اعلیٰ افسروں سمیت ہر ایک کی غلطی سے سیکھنے کیلئے ہر ایک خود پر بھی تنقید کرتا ہے-"یہ عموماً" نوے منٹ چلتا ہے۔ یہ سبھی کے سمیت ہے۔ یہ بہت ذاتی ہے۔ یہ ایک بہت مشکل تجربہ ہے۔"ڈوٹن نے یاد کرتے ہوئے کہا، "اس کے فوجی کیریئر کے انتہائی پسینہ چھڑانے والے معلوماتی سوالات کا سامنا کرنا۔" وہ لوگ جو 'ہلاک' ہوگئے [تجرباتی مشق میں]، ان کے لیے یہ بہت مشکل ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لیے جو جنگ میں زندہ رہتے ہیں---روزانہ کی تربیتی مشق بھی—اگلا سب سے مشکل حصہ معلوماتی سوالات کا سامنا کرنا ہے۔

دوتن ایف—16 لڑاکا طیارے اڑانے والا ایک IAF فارمیشن کمانڈر تھا۔"آپ جس طریقے سے کسی بات یا فیصلے پر مختلف نکتہ ء نظر کے درمیان اختلاف پر معلوماتی سوالات کرتے ہیں وہ ہمارے فوجی ماحول کا ایک بڑا حصہ ہے؛ اس قدر کہ معلوماتی سوال کرنا ایک فن ہے جس پر آپ کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ فلائٹ اسکول سے تمام راستے سکواڈرن تک---ایک شخص سے خود اور دوسروں سے معلوماتی سوالات پوچھنے کی صلاحیت کے بارے میں بہت سے سوالات ہوتے ہیں۔"

غلط فیصلے کی وضاحت کرنا نا قابل قبول ہے۔"اپنے کئے کا دفاع کرنا بھی مقبول نہیں ہے. اگر آپ نے کچھ بگاڑ دیا ہے تو آپ کو فقط یہ دکھانا ہے کہ آپ نے اس سے کیا اسباق سیکھے ہیں۔ کوئی اپنا دفاع کرنے سے کچھ نہیں سیکھتا۔"

معلوماتی سوالات کا مقصد صرف غلطیوں کا اعتراف کرنا ہی نہیں بلکہ معلوماتی سوالات کے نظام کا اثر یہ ہے کہ پائلٹ سیکھتے ہیں کہ غلطیاں قابل قبول ہیں بشرطیکہ انہیں افراد اور گروہوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے مواقع کے طور پر استعمال کیا جائے۔ نئے رسمی عقائد تخلیق کرنے پر مفید، قابل اطلاق اسباق پر زور دینا IDF کا خاصہ ہے۔ تمام اسرائیلی فوج کی روائت بلا روائت بننا ہے۔

کمانڈروں اور سپاہیوں کو کسی خیال یا حل کا ہو کر نہیں رہنا چاہئے محض اسلئے کہ یہ حل ماضی میں کار آمد تھا۔

اس تہلکہ خیز ماحول کے بیچ پیچھے ریاست کی بانی نسل سے آئے ہیں۔ 1948 میں اسرائیلی فوج کے پاس اپنی روایات، پروٹوکول یا اصول نہیں تھے؛ نہ ہی اس نے انگریزوں سے ادارے درآمد کیے جن کی فوج اسرائیل کی آزادی سے پہلے فلسطین میں موجود تھی۔ فوجی مورخ ایڈورڈ لٹواک کے مطابق اسرائیل اس طرح تمام مابعد

نو آبادیاتی فوجوں کے برعکس تھاجو "جنگ کے درمیان ایک زیر زمین ملیشیا کے ذریعے معرض وجود میں آیا، جن میں سے بہت سے آدمی لکڑی کے پستول کے ساتھ کوٹھریوں میں تربیت یافتہ تھے۔اسرائیلی فوج نے تلخ اور طویل تنازعات کے مسلسل دباؤ کے تحت بہت تیزی سے ترقی کی۔

خاموشی سے عقیدہ اور روایت کی قبولیت کے بجائے جو زیادہ تر دوسری فوجوں کے معاملے میں پائی گئی ہے، اسرائیلی فوج کی ترقی کی جدت، تنازعہ،اور بحث کے ہنگامے کے باعث تعریف کی گئی ہے۔"اپنی ہر جنگ کے بعد مزید برآں، IDF سخت بحث کے اسی عمل پر مبنی دور رس ساختی اصلاحات کی کارروائیوں میں مصروف رہی۔ جب 1948 کی جنگ آزادی کے بعد بھی فوج کو حاضر ڈیوٹی سے رخصت دی جارہی تھی تو بین گوریون نے ایک برطانوی تربیت یافتہ افسر ہائیم لاسکوف کو IDF کی ساخت کا معائنہ کرنے کے لیے مقرر کیا۔لاسکوف کو فوج کی بنیادی تنظیم نو کے لیے کھلی چھٹی دی گئی۔لٹواک نے واضح کیا کہ "ایسی مجموعی تحقیق شکست کے بعد ہوتی تو حیرت کی بات نہ ہوتی،اسرائیلی فتح کے بعد بھی اختراعی تھے۔نئی شے ہمیشہ پرانی سے بہتر نہیں ہوتی،تازہ خیالات کے بہاؤ نے کم از کم اس فوجی ذہن کو جامد نہیں ہونے دیا جو اکثر فتح کی حتمی سزا اور مستقبل کی شکست کا باعث بنتا ہے۔"

1967 کی چھ روزہ جنگ اسرائیل کے لیے سب سے فیصلہ کن فتح تھی۔جنگ سے پہلے عرب ریاستیں کھلم کھلا شیخی بگھار رہی تھیں کہ وہ فتح یاب ہوں گی اور اسرائیل کے لیے بین الاقوامی حمایت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ قائل تھے کہ یہودی ریاست کی بدقسمتی مقدر ہو چکی ہے۔اسرائیل نے پیشگی حملہ سے تمام مصری فضائیہ کو زمین پر تباہ کر دیا۔اگرچہ جنگ چھ روزہ جنگ کہلاتی تھی، یہ دراصل پہلے دن ہی چند گھنٹوں میں جیتی جا چکی تھی۔آخر میں عرب ریاستیں تمام محاذوں پر پیچھے دھکیلی جا چکی تھیں۔فتح میں بھی اپنی اپنی تحقیق کی گئی:اس کے بعد آئی ڈی ایف کی پڑتال کی گئی۔اعلیٰ عہدے داروں کو دراصل کامیاب جنگ کے بعد برطرف کر دیا گیا۔

پھر، یہ حیرت کی بات نہیں ہونی چاہئے کہ زیادہ متنازعہ جنگوں کے بعد جیسے 1973 کی یوم کپور جنگ، 1982 کی لبنان جنگ اور 2006 کی لبنان جنگ، جنہیں اسرائیلیوں نے زیادہ تر سنجیدگی سے بھدے طریقے سے لڑی گئی لڑائیاں سمجھا---عوامی کمیشنوں نے اعلےٰ پیمانے پر انکوائری میں سنجیدگی سے ملک کے فوجی اور سویلین رہنماؤں کا جائزہ لیا۔

"امریکی فوج کسی کارروائی کے بعد اندر کی رپورٹیں تیار کرتی ہے،"ہمیں یہ بات فوجی مورخ اور امریکی محکمہ خارجہ کے سابق اعلیٰ اہلکار ایلی اَٹ کوہن نے بتائی۔"لیکن وہ خفیہ ہیں.ایک کاملا" اندرونی، خود ساختہ ورزش۔میں نے امریکی فوج کے سینئر افسروں کو بتایا کہ وہ ہر جنگ کے بعد اسرائیل جیسے قومی کمیشن سے فائدہ اٹھائیں گے جس

میں اعلیٰ عہدے دار جواب دہ ہوں اور اس بحث تک تمام ملک کی رسائی ہو۔'' امریکی آرمی لیفٹیننٹ کرنل پال ینگلنگ کی الجھن کے لیے یہ کام جلد ہونے کا نہیں۔ ''ہم دو درمیانے درجے کے ممالک میں استحکام لانے کی کوششوں میں پچھلے سات سال میں ہزاروں جانیں ضائع اور سیکڑوں ارب ڈالر خرچ کر چکے ہیں؛ ہم مستقبل میں اسے آہستہ آہستہ ڈھالنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔'' اس نے یہ بات کوانٹیکو، ورجینیا میں میرین بیس پر ایک لیکچر دیتے ہوئے کہی۔ اس نے 2007 میں ایک متنازعہ مضمون میں یہ مسئلہ اٹھایا کہ جنگ ہارنے والے جنرل کی نسبت "ایک سپاہی کو رائفل کھونے پر کہیں زیادہ نتائج بھگتنا پڑتے ہیں۔"

دوسری طرف اسرائیلی اپنے کمیشنوں کے متعلق اس قدر کٹر بنے رہے جو انہوں نے ایک وجودی جنگ کے درمیان بھی قائم کیا۔ جولائی 1948 میں ایلیٹ کوہن نے اسرائیل کی جنگ آزادی کے "کئی ایک واقعی حیران کن واقعات میں سے ایک واقعہ بیان کیا" کہ حکومت نے دوران جنگ مختلف طبقات کے سیاسی رہنماؤں کا ایک کمیشن قائم کیا۔ کمیشن جنگ کے دوران حکومت اور فوج کے طرز عمل پر فوجی افسروں کا غصہ سننے کے لیے تین دن کے لیے رک گیا جسے وہ بین گوریون کی بلاوجہ مداخلت سمجھتے تھے۔ جنگ کے دوران ایک کمیشن قائم کرنا قیادت کی توجہ بٹانے کی بنا پر ایک قابل اعتراض فیصلہ تھا۔ یوول ڈوٹن نے جیسے پہلے بتایا کہ اسرائیل میں معلوماتی سوالات اتنے ہی اہم ہیں جتنی خود لڑائی۔

حال ہی میں 2006 کی لبنان جنگ کے متعلق ایسے ہی سخت جائزے اور قومی معلوماتی سوالات کرنے کی عوامی نمائش تھی۔ 12 جولائی 2006 کو اسرائیل کی شمالی سرحد کے پار سے حزب اللہ کے حملے کا بڑے پیمانے پر جواب دینے کیلئے عوام حکومتی فیصلے کی حمایت پر تقریباً متفق تھی۔ یہ عوامی حمایت اس وقت بھی جاری رہی جب شمالی اسرائیل میں عام شہری اندھا دھند میزائل حملہ کی زد میں آئے اور جنگ کے دوران سات میں سے ایک اسرائیلی اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہوا. باقی اسرائیل کے مقابلتاً'' بڑے پیمانے پر میزائل حملوں سے متاثرین میں جارحانہ کارروائیوں کو جاری رکھنے کی حمایت اور بھی زیادہ تھی۔ یہ حمایت شاید حزب اللہ کو ہمیشہ کیلئے تباہ کرنے کی خواہش اسرائیلیوں کے مصائب برداشت کرنے سے زیادہ تھی۔

اسرائیل 2006 میں لبنان میں حزب اللہ کو تباہ اور کمزور کرنے میں میں ناکام رہا اور مغوی فوجیوں کی واپسی پر مجبور ہوًا۔ سیاسی اور عسکری قیادت کے خلاف سخت رد عمل تھا۔ کالوں میں وزیر دفاع، آئی ڈی ایف کے چیف آف سٹاف اور وزیر اعظم کو مستعفی ہونے کے لیے کہا گیا۔ چھ فوجی کمپنیوں کے (تقریباً چھ سو فوجی) تقریباً چار سو حزب اللہ کے جنگجوؤں کے ساتھ دو بدو لڑائی میں مارنے میں کامیاب ہو گئے جبکہ ان کا جانی نقصان صرف تیس تھا لیکن جنگ کو

اسرائیلی حکمت عملی اور تربیت کی ناکامی قرار دیا گیا اور ایسا لگتا ہے کہ عوام کو IDF نے اہم ترین اخلاقیات سے خطرناک رخصتی کا اشارہ دیا ہے۔

2006 کی لبنان جنگ در حقیقت کاروباری ماڈل جو پچھلی جنگوں میں کامیاب ہوا تھا اسرائیل کا اس سے انحراف غور کرنے کیلئے زیر نظر تھا۔ ریٹائرڈ جنرل Giora Eiland کے مطابق جس نے باوقار IDF کی پلاننگ برانچ اور قومی سلامتی کونسل کی سربراہی کی، جنگ میں چار IDF کی بڑی ناکامیوں کی نشاندہی کی: "جنگی یونٹوں کی خراب کارکردگی، خصوصا" زمین پر؛ کمزور ہائی کمان؛ کمانڈ اور کنٹرول کے کمزور طرز عمل؛ اور عامیانہ مشکلات بشمول روایتی اقدار۔ آئلینڈ نے خصوصا" کہا، "کھلے ذہن سے سوچنا، جو پہلے سے متصور خیالات پر بلا تحقیق مفروضات پر تکیہ کرنے کے خطرے کو کم کرنے کے لیے ضروری ہے، بہت کم تھا۔"

دوسرے لفظوں میں اسرائیل تنظیم اور برجستہ تدبیر کی کمی کا شکار تھا۔ آئلینڈ نے اس پر بھی توجہ مرکوز کی کہ فوجیوں میں یہ گہرس احساس جاگزیں نہ کروایا گیا تھا کہ 'جنگ کی قسمت ہمارے کندھوں پر ہے۔ "کمانڈرز" نے ٹیکنالوجی پر بہت زیادہ بھروسہ کیا جس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ میدان میں آئے بغیر ایک شاطرانہ حکمت عملی سے زمینی جنگ لڑنا ممکن تھا۔"

آئلینڈ نے آخر میں ایک تنقید کی جس کا نچوڑ غالباً اسرائیلی تھا اور جس کا کسی دوسرے فوجی معاملات میں بمشکل تصور کیا جا سکتا ہے: "دوسری لبنان کی جنگ کے مسائل میں سے ایک چیف آف اسٹاف کے فیصلوں پر اعلیٰ افسروں کا مبالغہ آمیز حد تک پابند رہنا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری فیصلہ چیف آف سٹاف کا ہی ہوتا ہے اور ایک بار فیصلے ہو جانے کے بعد، سب کو ان کے نفاذ کے لیے مکمل عزم کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ یہ سینئر افسروں کا کام ہے کہ جب وہ چیف آف اسٹاف کو غلط محسوس کریں تو وہ جیسا دیکھتے ہیں" (زور دیا گیا)۔ اس سے بحث کریں اور یہ پیشہ ورانہ سچائی کی بنیاد پر اعتماد کے ساتھ کیا جائے۔

بڑی تنظیموں کو، فوجی ہوں یا کارپوریٹ، مسلسل غلامانہ ذہنیت اور گروہی سوچ سے ہوشیار رہنا چاہیے ورنہ تمام نظام کا پیچیدہ ڈھانچہ بلاشبہ خوفناک غلطیوں کا جلد شکار ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود بہت سی ملٹری اور بہت سی کارپوریشنیں نظم وضبط کی خاطر لچک، تنظیم کی خاطر پہل کاری، اور پیشن گوئی کی خاطر جدت کو قربان کرنے کے لیے تیار نظر آتی ہیں۔ اصولا" کم از کم یہ اسرائیلی طریقہ نہیں ہے۔ آئلینڈ نے تجویز پیش کی کہ IDF کو مضبوط بنانے کی خاطر اس کے پرانے سلسلہ مدارج کی مخالفت، اختراعیت اور کاروباری اخلاقیات کے سخت اقدامات پر غور کرنا چاہیے۔ اس نے کہا، "یہ صحیح ہے یا کسی حد تک ممکن ہے، "کم درجے کے افسروں کو کم بالائی احکام کے تحت موجودہ

سیکیورٹی آپریشنز کی منصوبہ بندی اور قیادت کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ روایتی جنگ کے لیے بہتر طور پر تیار ہو سکیں؟

2006 کی جنگ آئی ڈی ایف کیلئے ایک بہت مہنگی ویک اپ کال تھی۔ یہ ان فوجوں کی مانند جمود اور کھوکھلے پن کی مریض بن چکی تھیں جسے عرصہ ءدراز سے میدان کارزار کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ اسرائیل کے معاملے میں IDF کا دہشت گردوں کے تعاقب میں توجہ کا مرکز کمانڈو طرز کی جنگ کی طرف منتقل ہونے کیلئے تو مناسب تھا لیکن روایتی جنگ کے لیے درکار مہارتوں اور صلاحیتوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔

اسرائیلی رد عمل اس کے باوجود صفوں کو سخت کرنے پر اتنا نہیں تھا جتنا ڈھیلا کرنے پر تھا: اعلیٰ افسروں کو نچلی سطحوں پر انتقال اختیار اور ذمہ داری سپرد کرنا اور جونیئر افسروں کا بڑے افسروں کو چیلنج کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا۔ اس بنیاد پرست پر زور ترغیب کو آزادی دینے کے بجائے "بنیادی اقدار" کی بحالی کے طور پر دیکھا گیا۔ سنگاپور جیسے ملک کے لیے اس کا مطلب اسرائیلی فوجی ڈھانچے کی محض ہم سری کی کوشش کرنا نہیں تھا بلکہ معیشت میں اسرائیلی چند ایجادات کو داخل کرنا بھی تھا۔ مندرجہ بالا بیان کے مطابق سنگاپور اسرائیل سے حکم دینے اور اطاعت پر اصرار کرنے کی وجہ سے ڈرامائی طور پر مختلف ہے۔ سنگاپور کی شائستگی، خوبصورتی سے تراشے لان، اور واحد پارٹی کی حکمرانی نے معیشت سے اس کی روانی کو صرف غلاظتوں سے صاف کر دیا ہے۔

اقتصادیات کے ایک نئے اسکول کے مطابق، جو اینٹرپرینیورزم کے اہم اجزاء کا مطالعہ کر رہا ہے، بہاؤ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب لوگ حدود کو عبور، سماجی اصولوں کو تہ و بالا اور آزاد منڈی کی معیشت میں گرمی پیدا کر سکتے ہوں، سبھی انتہا پسند خیالات کی تحریک کا باعث بن سکتے ہوں۔ ہارورڈ کے ماہر نفسیات ہاورڈ گارڈنر نے کہا ہے، ”مختلف قسم کا "بروقت نہ ہونا۔۔ [جیسے] پورا نہ پڑنا، ایک غیر معمولی نمونہ یا ایک بے ضابطگی" معاشی تخلیقی صلاحیتوں کو متحرک کرنے کی طاقت رکھتی ہے لہٰذا روانی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حکم ہے۔ تھوڑی سی افراتفری نہ صرف صحت مند بلکہ اہم ہے۔ اس علم کے سرکردہ مفکرین---ماہرین اقتصادیات ولیم بومول، رابرٹ لٹین اور کارل شرام نے دلیل دی کہ مثالی ماحول کو بہترین طریقے سے بیان کرنے کیلئے اسے "پیچیدہ سائنس" میں "افراتفری کا کنارہ۔" متصور کیا جاتا ہے۔ وہ اس کنارے کی تعریف یوں کرتے ہیں "بحری و دریائی پانی کا خطہ جہاں سخت حکم اور بے ترتیب افراتفری بلند پایہ موافقت، پیچیدگی اور تخلیقی صلاحیت کو اعلیٰ سطح پر جنم دیتے ہیں۔"

یہ بالکل وہی ماحول ہے جس میں اسرائیلی نئے انٹرپرینیور ترقی کرتے ہیں۔ وہ جہاں ایک اعلیٰ درجے کی جمہوریت موجود ہو مستحکم اداروں اور قانون کی حکمرانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ علاوہ ازیں اسرائیل کی غیر درجہ بند ثقافت

سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جہاں کاروبار میں ہر کوئی چھوٹی کمیونٹیز، مشترک آرمی سروس، جغرافیائی قربت اور غیر رسمیت کی وجہ سے ملحقہ تیار کردہ نیٹ ورکس سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں کہ فوج خصوصا"ایئر فورس، پیادہ فوج، جاسوسی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی اعلیٰ یونٹوں نے ہزاروں اسرائیلی ہائی ٹیک اسٹارٹ۔۔۔اپس کے میدانوں میں نوزائیدہ کو پالنے جیسا کام کیا ہے۔انہیں دیگر ممالک کم ہی پیدا سکے ہیں لیکن اسرائیلی معیشت اس روش گڈول سوچ اور دوبارہ تنقیدی تجزیے کے مظاہر سے فائدہ اٹھاتی ہے جو جامد معیار سے بندھا رہنے کے بجائے زیریں تجربہ کے نظریہ سے مضبوطی سے بندھی ہوئی ہے اور اتنی وسیع ہے کہ قومی بلکہ عالمی اثرات پر معقول تاثر چھوڑ سکتی ہے۔

حصہ سوم

آغاز

باب 6

ایک صنعتی پالیسی جو مفید ثابت ہوئی۔

لوگوں کو اس بات پر قائل کرنا آسان نہیں تھا کہ مچھلیوں کا صحرا میں پالنے کی کوئی تک بنتی ہے۔

پروفیسر سیموئل ایپلباؤم

یہ کہانی کہ اسرائیل اس مقام تک کیسے پہنچا جہاں وہ آج ہے——ساٹھ سال میں پچاس گنا اقتصادی ترقی---اسرائیلی کردار کے محاورات، جنگ آزمودہ نئے کاروباری کام یا جغرافیائی سیاسی وقوع پذیری کی کہانی سے زیادہ ہے۔ اس کہانی میں حکومتی پالیسیوں کے اثرات کو ضرور شامل کرنا چاہئے جنہیں اسرائیلی فوج اور اس کے شہریوں کی طرح موافق ہونا ضروری تھا جو قسمت کے کئی کھیلوں میں مبتلا چکے تھے۔

اسرائیل کی معیشت کی تاریخ دو عظیم ادوار میں سے ہے جسے جمود اور افراط زر کے دور سے الگ کیا گیا ہے۔ حکومت کی وسیع اقتصادی پالیسیوں نے ملک کی ترقی کو تیز کرنے میں اہم کردار ادا کیا، اسے پھر الٹ دیا اور پھر اسے ایسے طریقوں سے کھلا چھوڑا کہ حکومت بھی جن کی متوقع نہیں تھی۔

پہلی عظیم چھلانگ 1948 سے 1970 تک لگائی، ایک مدت جس کے دوران فی کس جی ڈی پی تقریباً چار گنا اور آبادی تین گنا بڑھ گئی جب کہ اسرائیل تین بڑی جنگوں میں مصروف بھی رہا۔ دوسری 1990 سے آج تک، جس کے دوران ملک نیند کے ماتے ہوؤں سے عالمی جدت کے مرکز میں بدل گیا۔ ڈرامائی طور پر مختلف —— تقریباً مخالف —— ذرائع اپنائے گئے: توسیع کی پہلی مدت بذریعہ کاروباری حکومت حاصل کی جس میں ایک چھوٹے ابتدائی نجی شعبے کا غلبہ تھا؛ دوسرا دور ایک فروغ پذیر کاروباری نجی شعبے کے ذریعے ہوُا جو حکومتی کارروائی کی ترغیب سے متاثر تھا۔

اقتصادی ترقی کے پہلے دور کی جڑیں ملک کی بنیاد سے بہت پہلے انیسویں صدی کے آخر میں تلاش کی جاسکتی ہیں۔

1880 کی دہائی میں یہودی آبادکاروں کے ایک گروہ نے ایک نئے شہر پیٹاچ ٹکوا کو معرض وجود میں لانے کے بعد وہاں کھیتی باڑی کرنے کی کوشش کی --- جو آج کے تل ابیب سے چند میل دور تھا۔

خیموں میں رہنے کے بعد علم برداروں نے مٹی کے کمرے بنانے کیلئے مقامی عربوں کی خدمات حاصل کیں۔ بارش ہوئی تو کمرے خیموں سے زیادہ ٹپکنا شروع ہوگئے۔ دریا طغیانی پر آیا تو تعمیرات اس میں بہہ گئیں. چند آباد کار ملیریا اور پیچش کا شکار ہوئے۔ چند سردیوں کے بعد ہی کسانوں کی سڑکوں تک رسائی مفقود اور ان کی بچتیں ختم ہو گئیں۔ خاندان بھوک کے قریب پہنچ گئے۔

1883 میں اگرچہ بہتری نظر آنا شروع ہوئی۔ فرانسیسی یہودی مخیر بینکر ایڈمنڈ ڈی روتسچلڈ نے اشد مالی مدد فراہم کی۔ ایک زرعی ماہر نے دریا کے بہاؤ سے پیدا دلدل سے نپٹنے کیلئے آبادکاروں کو یوکلپٹس کے درخت لگانے کا مشورہ دیا؛ ان درختوں کی جڑوں نے جلد ہی دلدل کو خشک کر دیا جس سے ملیریا کے واقعات میں ڈرامائی طور پر کمی واقع ہوئی تو مزید خاندان نمو پذیر کمیونٹی میں آباد ہونے کے لیے آئے۔ یہ 1920 کی دہائی کے شروع سے آخر تک جاری رہی، یِي شُووِ--- فلسطینی ریاست سے پہلے کی یہودی برادری --- میں محنت سے پیداوار میں 80 فیصد اضافہ ہوُا، یہودیوں کی آبادی دوگنی ہونے سے قومی پیداوار میں چار گنا اضافہ ہوُا۔ 1931 سے 1935 تک عالمی کساد بازاری میں حیرت انگیز طور پر یہودیوں اور عربوں کی اوسط سالانہ اقتصادی ترقی بالترتیب 28 اور 14 فیصد تھی۔

آباد کاروں کی پیٹاچ ٹکوا جیسی چھوٹی برادریاں اپنے طور پر اس قدر ہوش ربا ترقی کبھی نہ کر پاتیں اگر نئے تارکین وطن نے نہ صرف حصہ ڈالا ہوتا بلکہ اہم اخلاقیات بھی جس نے خیرات پر مبنی معیشت کو الٹ کر رکھ دیا۔ ان تارکین وطن میں بیس سالہ وکیل ڈیوڈ گرواِن تھا جو 1906 میں پولینڈ سے وارد ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا یہودی نام 70c.e. کے رومن دور کے ایک یہودی جنرل بین گوریون کے نام پر رکھ لیا---اور جلد ی ہی پی شوو کا بلا مقابلہ لیڈر بن گیا۔

اسرائیلی مصنف آموس اوز نے لکھا ہے کہ "وہ ریاست کے ابتدائی سال میں بہت سے اسرائیلیوں کی نظر میں موسیٰ، جارج واشنگٹن، گیری بالڈی اور قادر مطلق سمیت ان سبھی کا مجموعہ تھا۔" بین گوریون اسرائیل کا پہلا قومی انٹرپرینیور بھی تھا۔ تھیوڈور ہرزل نے بھلے سے یہودیوں کی خود مختاری کا خواب دیکھا کیا اور بکھرے یہودیوں کو ایک خود مختار ریاست کے رومانوی تصور کے گرد اس پر عمل کروانا شروع کیا، لیکن یہ بین گوریون تھا جس نے اس خواب کو ایک خیال سے ایک فعال قومی ریاست کی شکل میں منظم کیا۔ ونسٹن چرچل نے دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ کی فوج کے جنرل جارج مارشل کو بطور اتحادی طاقتوں کی "فتح کا منتظم" بیان کیا۔ چرچل کے الفاظ میں بین گوریون "صیہونیت کا منتظم" تھا۔ بین گوریون کاروباری زبان میں "عملی زندگی والا آدمی" تھا جس نے در حقیقت ملک کی تعمیر کی۔

بین گوریون کیلئے انتظام کا دائرۂ عمل اور نقل و حمل کی منصوبہ بندی کو درپیش چیلنج انتہائی پیچیدہ تھا۔ صرف ایک مسئلے پر غور کریں: تارکین وطن کے مسلسل بہاؤ سے کیسے نپٹا جائے؟ 1930 کی دہائی سے وسیع پیمانے پر زندہ جلانے جانے کے اختتام تک لاکھوں یورپی یہودیوں کو حراستی کیمپوں میں جلاوطن کیا جا رہا تھا جن میں سے کچھ فلسطین کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔--دیگر فرار ہونے والوں کو مختلف ممالک نے پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا، وہ بدیں وجہ اکثر انتہائی خوفناک حالات میں روپوش رہنے پر مجبور تھے۔

1939 کے بعد برطانوی حکومت نے، جو فلسطین میں انچارج نوآبادیتی طاقت تھی، فلسطین میں امیگریشن پر سخت ترین پابندیاں عائد کیں، ایک پالیسی جسے "سفید کاغذ." کہا جاتا ہے، برطانوی حکام نے پناہ گزینی کی کوشش کرنے والوں میں سے اکثر کو روک دیا۔ بین گوریون نے فلسطین کے متعلق دو بظاہر متضاد مہمات شروع کیں۔

اس نے پہلے فلسطین میں رہنے والے تقریباً اٹھارہ ہزار یہودیوں کو متحرک اور منظم کیا جو یورپ واپس جا کر برطانوی فوج میں نازیوں کے خلاف لڑنے والی "یہودی بٹالینز" میں شامل ہوئے۔ اس نے ساتھ ہی یہودی پناہ گزینوں کو برطانیہ کی امیگریشن پالیسی کی مخالفت کرتے ہوئے یورپ سے فلسطین میں نقل و حمل کے لیے ایک خفیہ

ایجنسی بنائی۔ بین گوریون بیک وقت یورپ میں انگریزوں کے ساتھ مل کر لڑ رہا تھا اور فلسطین میں انگریزوں کے خلاف۔

اس دور کی اکثر تاریخیں سیاسی اور عسکری جدوجہد پر مرکوز ہیں جو 1948 میں اسرائیل کے قیام پر منتج ہوئی۔ اس کے ارد گرد معاشی جہت میں ایک افسانوی کہانی پیدا ہوئی ہے: بین گوریون ایک سوشلسٹ تھا اور اسرائیل ایک کامل سوشلسٹ ریاست کے طور پر پیدا ہوٗا تھا۔

اس افسانہ کے مآخذ قابل فہم ہیں۔ بین گوریون اپنے دور کے سوشلسٹ ماحول میں دھنسا ہوٗا تھا، مارکسزم اور 1917 کے روسی انقلاب کے عروج سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ سوویت یونین اور مشرقی یورپ سے آنے والے بہت سے یہودی فلسطینی ریاست بننے سے قبل انتہائی بااثر سوشلسٹ تھے

بین گوریون کی تمام توجہ ہر قیمت پر صرف ریاست کی تعمیر پر مرکوز تھی۔ اس کے پاس ایسی پالیسیوں کا تجربہ کرنے کیلئے وقت نہیں تھا جو اس کے خیال میں محض مارکسی نظریے کی توثیق کے لیے تیار کی گئی تھیں۔ اس کے خیال میں ---ہر پالیسی، اقتصادی، سیاسی، فوجی، یا سماجی --- قوم کی تعمیری مقصد کو پورا کرنے کیلئے ہونی چاہئے۔ بین گوریون کلاسک bitzu'ist تھا، ایک عبرانی لفظ جس کا آزاد سا ترجمہ "عملیت پسند" ہے جس میں کارکن کی خوبی بہت زیادہ ہو۔ bitzu'ist وہ ہے جو کام کو پایہء تکمیل تک پہچاتا ہو۔ Bitzu'ism اخلاقیات اور اسرائیل کی کاروباری مہم کا مرکز ہے۔۔ مصنف اور ایڈیٹر لیون ویزلٹیئر لکھتا ہے، "کسی کو بٹزوسٹ کہنا اس یا اس کی ایک اعلی کارکردگی کی تعریف کرنا ہے۔ "bitzu'ist تعمیر کرنے والا، آبپاشی کرنے والا، پائلٹ، اسلحہ کا غیر قانونی تاجر، آباد ہونے والا ہے۔ اسرائیلی کی سماجی قسم کی پہچان: سخت، وسائل سے بھرپور، بے صبر، خشک مزاج، موثر، جسے نہ تو سوچنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی نیند کی۔

ویزلٹیئر پیش قدمی کرنے والی نسل کو بیان کر رہا ہے، اس کے الفاظ ان لوگوں کے لیے موزوں ہیں جو سٹارٹ --- اپس میں سب کچھ جھونکنے کا خطرہ مول لیتے ہیں۔ Bitzu'ism ایک دھاگہ ہے جو لٹیروں اور انٹرپینیورس کیلئے دلدلیں صاف کرنے والوں سے شروع ہو کر ان کے خوابوں کو پورا کر سکنے والوں کو پروتا چلا جاتا ہے جنہیں مشکلات اور بندوق کا مقابلہ کرنے والوں پر یقین ہے۔ بین گوریون کے لیے مرکزی کام یہودی وسیع منتشر آبادی تھا جسے ایک دن اسرائیل بننا تھا. اس کا خیال تھا کہ اسرائیل کی مستقبل کی خود مختاری کی ضمانت دینے کا واحد راستہ آبادکاری پر انتہائی توجہ مرکوز کرنے کا پروگرام تھا۔ دوسری صورت میں مخالفین بے ترتیب یا کم آبادی کے علاقے کسی بھی دن دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے ان متنازعہ فیہ علاقوں میں مقابلتاً، کم اسرائیلی نمائندگی کی بنا پر عالمی

برادری کے سامنے کیس بنانا آسان ہو گا۔ مزید برآں آبادی کو وسیع پیمانے پر بکھیرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ گنجان آباد شہر اور قصبے جیسے یروشلم، صفید تبریاس اور ـــــ دشمن فضائی افواج کے واضح اہداف ہوں گے۔

بین گوریون اس سے بھی باخبر تھا کہ اگر حکومت نے آباد کاری اور نقل مکانی کے لیے مراعات فراہم کرنے میں پیش قدمی نہیں کیں تو لوگ شہری مراکز اور بنیادی سہولیات سے بہت دور پسماندہ علاقوں کی طرف نہیں جائیں گے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ نجی سرمایہ دار ایسی کوششوں کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ترقی پر اس شدید توجہ سے معیشت میں حکومت کی مداخلت کی غیر رسمی میراث بھی پیدا کی۔ پنچاس سپیر، جس نے 1960 اور 70 کی دہائی کے دوران مختلف اوقات میں بطور وزیر خزانہ، وزیر تجارت اور صنعت کارنامے انجام دئے، نے اپنے محدود اندازِ نظم و نسق کے تحت مختلف فیکٹریوں کیلئے مختلف غیر ملکی کرنسی کی شرح تبادلہ مقرر کر رکھی تھی جسے "100 زر مبادلہ کی شرح کا طریقہ" کہا جاتا تھا ـــــ اور اس سے باخبر رہنے کیلئے ایک چھوٹی سی سیاہ نوٹ بک میں ہر نرخ لکھ رکھے تھے۔ موشے صنبر، بنک آف اسرائیل کے پہلے گورنر کے مطابق سپیر کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ اس کی دو نوٹ بک تھیں۔ "ایک میں ان کا اپنا ذاتی مرکزی ادارہ شماریات درج تھا: ہر بڑے کارخانے میں اسے لوگ واپس رپورٹ کرتے تھے کہ کارخانے نے کس کو، اور کتنی تعداد یا مقدار فروخت کی، کتنی بجلی استعمال کی گئی، وغیرہ۔ سرکاری اعداد و شمار باقاعدہ رکھنے سے قبل یہ جاننے کا طریقہ یہی تھا کہ معیشت کی حالت کیسی ہے۔

صنبر کے خیال میں یہ نظام صرف ایک چھوٹی سی جدوجہد کرنے والی مثالی قوم کیلئے کارآمد ہو سکتا تھا۔: حکومت میں کوئی شفافیت نہیں تھی، لیکن "اس دور کے سب سیاست دان.. غریب مرے.... انہوں نے مارکیٹ معیشت میں مداخلت کر کے حسب منشاء فیصلے کئے لیکن کسی نے ایک سینٹ بھی جیب میں نہ ڈالا۔

کبٹز اور زرعی انقلاب

پہلی عظیم چھلانگ کے مرکز میں ایک بنیاد پرست اور علامتی جدتی معاشرہ تھا جس میں کیبٹز کے سائز کے متعلق مقامی اور عالمی اثر و رسوخ غیر متناسب رہا ہے: آج، اسرائیل کی آبادی کا 2 فیصد سے بھی کم کیبوٹز نک ملک کی برآمدات کا 12 فیصد پیدا کرتے ہیں۔

تاریخ دانوں نے کبٹز کو "دنیا کی کامیاب ترین کمیون" کہا ہے۔ 1944 میں اسرائیل کے قیام سے چار سال پہلے صرف سولہ ہزار لوگ کبوتزم میں رہتے تھے (کبوتز کا مطلب ہے "اجتماع" یا "اجتماعی، "کبٹزم جمع ہے، اور ارکان کو

کبٹز نِک کہتے ہیں)۔ یہ زرعی بستیاں نجی املاک کو ختم کرنے اور کامل مساوات کیلئے بسائی گئیں۔ یہ تحریک اگلے بیس سال میں بڑھ کر اسی ہزار لوگوں تک پہنچ گئی جو 250 کمیونٹیز میں رہتے تھے، لیکن یہ اسرائیل کی آبادی کا صرف 4 فیصد ہے۔ اس وقت تک کبوتزم سے اسرائیل کی پارلیمنٹ کنیسٹ کے تقریباً 15 فیصد ارکان ہیں اور IDF کے افسروں اور پائلٹوں میں اس سے بھی بڑا تناسب ہے۔ 1967 کی چھ روزہ جنگ میں آئی ڈی ایف کے آٹھ سو مرنے والے فوجیوں کا ایک چوتھائی کبوتزنک تھے -- ان کا تناسب عام آبادی سے چھ گنا تھا۔

ایک سوشلسٹ کمیون کے تصور میں شائد غیر روائتی کلچر کے نقوش نظر آئیں لیکن ابتدائی کبوتزم میں ایسا کچھ نہیں تھا۔ کبوتزنک سختی اور غیر رسمیت کی علامت تھے اور ان کی عمیق مساوات کے حصول میں درویشانہ جھلک تھی.

ابراہیم ہرزفیلڈ اس کی ایک قابل ذکر مثال، جو ریاست کے ابتدائی سال میں ایک کبٹز تحریک کار ہنما تھا، جس نے سوچا کہ فلش بیت الخلاء نا قابل قبول حد تک سماجی گراوٹ کی نشانی تھے۔ 1950 کی دہائی کے غریب اور پریشان حال اسرائیل میں جب بہت سی بنیادی اشیاء راشن پر تھیں تب بھی اکثر اسرائیلی بستیوں اور شہروں میں فلش ٹوائلٹ ایک مشترکہ ضرورت سمجھے جاتے تھے۔ مقبول عام روائت یہی ہے کہ جب پہلا ٹوائلٹ کبٹز میں نصب کیا گیا تو ہرزفیلڈ نے خود اسے کلہاڑی سے توڑ پھوڑ دیا۔ 1960 کی دہائی تک ہرزفیلڈ بھی ترقی کو نہ روک سکا؛ اور کیبوٹزم میں فلش ٹوائلٹ نصب کر دئے گئے۔

کبوتزم نہائت اجتماعی بھی تھے اور نہائت جمہوری بھی۔ ہر سوال کے متعلق، بلا شرکت غیرے کہ کونسی فصل اگائی جائے سے لے کر ممبران کے پاس ٹیلی ویژن ہوگا یا نہیں تک، لامتناہی بحث کی جاتی تھی. شمعون پیریز نے بتایا، "کبوتزم میں پولیس یا کوئی عدالت نہیں تھی۔ جب میں ممبر تھا تو نجی پیسہ بھی نہیں تھا. میرے آنے سے پہلے ذاتی ڈاک بھی نہیں تھی۔ آئی ڈاک ہر کوئی پڑھ سکتا تھا۔"

بچوں کی اجتماعی پرورش شاید انتہائی متنازعہ فیہ تھی۔ طرز عمل مختلف تھے لیکن تقریباً تمام کبوتزم میں "بچوں کے گھر" تھے جہاں بچے رہتے تھے اور کیبٹز ممبران ان کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ کبوتزم میں زیادہ تر بچے ہر روز چند گھنٹے اپنے والدین سے ملتے لیکن وہ والدین کے گھروں میں سونے کے بجائے اپنے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ سوتے تھے۔

کبٹز کا عروج جزوی طور پر اسرائیلی یونیورسٹیوں میں اسرائیلی کبوتزم پر زرعی اور ٹیکنالوجی میں نئی دریافتوں کا نتیجہ تھا۔ انتہائی سختیوں اور بانیوں کے غیر لچکیلے نظریات سے تبدیلی کا دور اور زمین پر ہل چلانے بیج بونے سے جدید ترین صنعت کو ہٹزریم جیسی کبٹز میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اکتوبر 1946 کی ایک رات میں دس دیگر الگ تھلگ اور چھوٹی چوکیوں سمیت اس کبٹز کی بنیاد رکھی گئی جب مرکزی یہودی قبل از -- ریاست سے ملیشیا ہاگانہ نے جنوبی نیگیو صحرا

میں اہم فوجی مقامات پر موجود رہنے کا فیصلہ کیا۔ جب دن چڑھا تو کمیونٹی کا آغاز کرنے والی پانچ عورتوں اور پچیس مردوں نے وہاں پہنچنے پر خود کو ایک بیابان میں گھری بنجر پہاڑی پر پایا۔ افق پر دیکھنے کیلئے تنہا ببول کا درخت تھا۔
اس گروپ کو چالیس میل دور علاقے سے پانی کی فراہمی کیلئے چھ انچ کا پائپ بچھانے میں ایک سال لگا۔ 1948 کی جنگ آزادی کے دوران کبٹز پر حملہ کی وجہ پانی کی فراہمی منقطع ہوگئی۔ اس جنگ کے بعد بھی کاشت کاری کیلئے مٹی نہائت نمکین اور مشکل ثابت ہونے کی وجہ سے 1959 تک کبٹز ممبران نے ہیٹزریم کو بند کرنے اور بہتر مقام کی طرف جانے پر بحث شروع کردی تھی۔
کمیونٹی نے چپکا رہنے کا فیصلہ تب کیا تاوقتیکہ یہ واضح ہوگیا کہ مٹی کے کھاری پن کے مسائل سے صرف ہٹزرم ہی متاثر نہیں تھی بلکہ نیگیو کی بیشتر زمینوں کا یہی حال تھا۔ ہرٹریزم کبٹزنکس دو سال بعد مٹی میں سے نمکیات بہانے میں اس قدر کامیاب ہوگئے کہ فصلیں اگانا شروع کر سکیں۔ یہ صرف ہرٹزریم کی اپنی اور ملک کیلئے کامیابیوں کا آغاز تھا۔۔

1965 میں سمچابلاس نامی ایک واٹر انجینئر نے ایک ایجاد کے متعلق ہیٹزرم سے رابطہ کیا جسے وہ تجارتی بنانا چاہتا تھا: ڈرپ ایریگیشن۔ یہ اس کا آغاز تھا جو بالآخر عالمی ڈرپ اریگیشن کمپنی 'نیٹافیم' بن گئی۔

پروفیسر ریکارڈو ہاؤسمین ہارورڈ یونیورسٹی میں سینٹر فار انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ کا سربراہ ہے جو وینزویلا کی حکومت میں ترقیات کا سابق وزیر تھا۔ وہ قومی اقتصادی ترقی کے ماڈل کا عالمی شہرت یافتہ ماہر بھی ہے۔ اس نے بتایا کہ تمام ممالک کو مسائل اور رکاوٹیں درپیش ہوتی ہیں لیکن اسرائیل کے متعلق جو چیز حیران کن ہے وہ مسائل پر قابو پانے کا رجحان ہے۔ پانی کی کمی ـــــ اور اسے اثاثوں میں بدلنا ـــــ اس سلسلے میں صحرائی زراعت، ڈرپ ایریگیشن اور ڈی سیلینیشن کے شعبوں میں رہنما بن جانا۔ کبٹز اس عمل میں ابتدا ہی سے پیش رو تھا۔ ماحولیاتی کبوتزم جو مشکلات و مصائب پر قانع رہے وہ بالآخر ناقابل یقین حد تک نتیجہ خیز ثابت ہوئے بالکل اسی طرح جیسے خطرات اسرائیل کی سلامتی کو لاحق تھے۔ R&D کی بڑی مقدار اعلی ٹیکنالوجی کے ذریعے فوجی مسائل کے حل کیلئے مختص کی جاتی تھی--- بشمول آواز کی شناخت، مواصلات، آپٹکس، ہارڈویئر، سافٹ ویئر وغیرہ--- نے ملک کو جمپ-- سٹارٹ، تربیت دینے اور ایک سویلین اعلیٰ ٹیک سیکٹر کو برقرار رکھنے میں مدد کی۔
اس ملکی نقصان کو کہ اس کا کچھ علاقہ صحرا کے زیر قبضہ تھا، اسے ایک اثاثہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ آج اسرائیل کو دیکھ کر اکثر زائرین یہ جان کر حیرت زدہ ہوں گے کہ ملک کا 95 فیصد حصہ سالانہ بارش کی مقدار کے حساب سے نیم بنجر، بنجر یا انتہائی بنجر کے زمرے میں آتا ہے۔ جب اسرائیل کی بنیاد رکھی گئی تھی تو صحرائے نیگیو تقریباً شمال کی

طرف یروشلم اور تل ابیب کے درمیان سڑک تک پھیل چکا تھا۔۔ نیگیو اب بھی اسرائیل کا سب سے بڑا علاقہ ہے لیکن اس کے تجاوزات کو الٹ دیا گیا ہے کیونکہ اب اس کی شمالی حد زرعی کھیتوں اور خود کاشتہ جنگلات سے ڈھکی ہوئی ہے۔اس میں سے زیادہ تر حصہ ہاٹزریم کے دنوں سے پانی کی جدید پالیسیوں کے ذریعے مکمل کیا گیا تھا۔

اسرائیل اب گندے پانی کو دوبارہ استعمال کرنے میں دنیا کی قیادت کر رہا ہے؛70 فیصد سے زائد پانی دوبارہ قابل استعمال بنایا جاتا ہے جو دوسرے نمبر پر ملک اسپین کے دوبارہ قابل استعمال پانی سے تین گنا ہے۔

صحرائے نیگیو میں کبوتز مشابے سادے اور بھی آگے بڑھ گیا: کبٹز نکس نے پانی کو ایک کے بجائے دوبار استعمال کرنے کا طریقہ تلاش کر لیا۔ فٹ بال کے دس میدانوں کی لمبائی یعنی تقریباً آدھ میل---تک ایک گہرا کنواں کھودنے پر پانی جو دریافت ہوا وہ گرم اور نمکین تھا۔ یہ اس وقت تک ایک عظیم تلاش جیسی خبر نہ تھی تاوقتیکہ انہوں نے نیگیو کی قریبی بین گوریون یونیورسٹی کے پروفیسر سیموئیل ایپلباؤم سے مشورہ کیا۔اس نے محسوس کیا کہ گرم پانی مچھلی پالنے کیلئے بہترین ثابت ہو گا۔

مچھلی کے ماہر حیاتیات ایپلباؤم نے کہا،''لوگوں کو اس بات پر قائل کرنا آسان نہیں تھا کہ صحرا میں مچھلیاں پالنا بھی کوئی دانشمندانہ کام ہے۔''''اس خیال کو مسترد کرنا ضروری ہے کہ بنجر زمین بانجھ، بیکار زمین ہے۔''کبٹز نکس نے اٹھانوے ڈگری گرم پانی تالابوں میں بھرنا شروع کیا جو تجارتی پیداوار کے لیے تلپیا، بارامونڈی، سی باس اور دھاری دار باس قسم کی مچھلیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مچھلی کے تالاب میں استعمال شدہ پانی، جس میں اب ماہی فضلہ بکثرت تھا، زیتون اور کھجور کے درختوں کو سیرابی کیلئے بطور بہترین کھاد استعمال کیا گیا۔ کبٹز کو سبزیوں اور پھلوں کو اگانے کے ایسے طریقے بھی مل گئے جن کی کاریزوں سے براہ راست آبیاری کی جاتی تھی۔

ایک صدی پہلے، جیسا کہ مارک ٹوین اور دوسرے مسافروں نے بیان کیا اسرائیل زیادہ تر بنجر زمین تھا۔اب ایک اندازے کے مطابق اسرائیل میں 240 ملین درخت ہیں،ان میں لاکھوں ایسے ہیں جو ایک ایک کر کے لگائے گئے۔ ملک میں ہر طرف جنگلات لگائے گئے ہیں لیکن سب سے بڑا شاید بعید از قیاس یاتر جنگل ہے۔

1932 میں یوزف وائٹس یہودی نیشنل فنڈ میں جنگلات کا اعلیٰ عہدے دار بن گیا۔ایک قبل--از--ریاست تنظیم جو زمین خرید کر وہاں درخت لگانے کیلئے وقف تھی۔ وائٹس کو اپنی تنظیم اور حکومت کو صحرائے نیگیو کے کنارے پہاڑیوں پر جنگل اگانے پر راضی کرنے کیلئے تیس سال سے زیادہ عرصہ لگا۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ ممکن نہیں۔اب وہاں تقریباً چار ملین درخت ہیں۔ سیٹلائٹ تصاویر میں جنگل ایک بصری غلطی کی طرح بالکل عیاں ہے جو ایسے صحرا اور خشک زمینوں میں گھرا ہوا ہے جہاں اسے موجود نہیں ہونا چاہئے. فلکس نیٹ، ناسا کا ایک کوآرڈینیٹڈ

گلوبل اینوائر مینٹل ریسرچ پراجیکٹ ہے جو دنیا بھر کے ایک سو سے زائد مشاہداتی ٹاورز سے ڈیٹا اکٹھا کرتا ہے۔ نیم بنجر منطقے کے جنگل میں صرف ایک ٹاور ہے: یاتر

یاتر جنگل جو سالانہ صرف 280 ملی میٹر (تقریباً گیارہ انچ) بارش کے پانی پر زندہ رہتا ہے اسی قدر جتنی تقریباً بارش کی ایک تہائی جو ڈلاس ٹیکساس میں برستی ہے۔ محققین نے یہ بھی دریافت کیا کہ جنگل کے درخت قدرتی طور پر توقع سے زیادہ تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور یہ ماحول سے معتدل آب و ہوا کے سرسبز جنگلات کی مانند تقریباً اسی قدر کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتے ہیں۔

ڈین یاکر وائز مین انسٹی ٹیوٹ میں ایک سائنسدان ہے جو یاتر ریسرچ سٹیشن پر فلکس نیٹ کا منتظم ہے۔اس کا کہنا ہے کہ جنگل نہ صرف اس کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ درخت ان علاقوں میں پھل سکتے ہیں جنہیں لوگ زیادہ تر صحرا کہتے ہیں۔ دنیا کی صرف 12 فیصد نیم بنجر زمینوں پر شجر کاری سے فضا میں سالانہ ایک گیگاٹن کاربن کو کم کیا جا سکتا ہے-- --جو تقریباً ایک ہزار 500 میگاواٹ کوئلے کے پلانٹس سالانہ کاربن ڈائی آکسائڈ پیدا کرتے ہیں۔ایک گیگاٹن بھی سات "استحکام کی پچروں" میں سے ایک کے برابر ہو گا، جس کے متعلق سائنسدان کہتے ہیں کہ موجودہ سطح پر موجود کاربن کو مستحکم کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

دسمبر 2008 میں بین گوریون یونیورسٹی نے اقوام متحدہ کی میزبانی کی جس میں زرخیز زمینوں کا صحرا بننے کا مقابلہ کرنے کے لیے کانفرنس بلائی جو دنیا کی اب تک ایسی سب سے بڑی کانفرنس تھی۔ماہرین چالیس ممالک سے آئے جن کی یہ دیکھنے میں ذاتی دلچسپی تھی کہ اسرائیل کیوں واحد ملک ہے جس کا صحرا کم ہو رہا ہے۔

اسرائیلی کا ایک دوسرے سے آگے بڑھنا

کبتز کی کہانی اسرائیلی اقتصادی انقلاب کی مجموعی ترقی کا صرف ایک حصہ ہے۔ وہ خواہ سوشلسٹ ہو، ترقی پسند یا دونوں ملی جلی، اسرائیل کی پہلی بیس سالہ معاشی ترقی کا ریکارڈ متاثر کن تھا۔1950 سے 1955 تک اسرائیل کی معیشت میں ہر سال تقریباً 13 فیصد اضافہ ہوا۔1960 کی دہائی میں سالانہ ترقی 10 فیصد سے کچھ ہی کم رہی۔ اسرائیل کی معیشت میں صرف توسیع ہی نہیں ہوئی، اسے ہاؤسمین کے الفاظ میں "ایک کا دوسرے سے آگے بڑھ جانے" کا تجربہ بھی ہوا جو تب ہوتا ہے جب ایک ترقی پذیر ملک ترقی یافتہ مملک کے مقابلتا" اپنی فی کس دولت کے فرق کو کم کرتا ہے۔

اقتصادی ترقی کے ادوار اکثر ممالک میں آئے لیکن ایک کا دوسرے سے آگے نکل جانا عام نہیں ہے. دنیا کی ایک تہائی معیشتوں کو پچھلے پچاس سال میں ترقیاتی مدت کا تجربہ ہوُا لیکن ان میں سے 10 فیصد سے بھی کم ایک دوسرے پر سبقت لے جا سکے۔ اسرائیلی معیشت نے امریکہ کے مقابلتاً" اپنی فی کس آمدنی میں 1950 میں 25 فیصد سے 1970 میں 60 فیصد اضافہ کیا۔ اسرائیل نے یعنی بیس سال میں امریکہ کے مقابلتاً" معیار زندگی کو دوگنا سے زیادہ بہتر بنایا۔

حکومت نے اس دوران پرائیویٹ انٹرپرینیورشپ کی حوصلہ افزائی کے لیے کوئی کوشش نہیں کی اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ نجی منافع کے تصور کے خلاف بیان بازی تھی۔ حکومت کے چند سیاسی مخالفین نے سخت اقتصادی پالیسی اور فری مارکیٹ--- مخالف رویوں کی مخالفت کی لیکن ایسی تنقید کرنے والے بہت کم لوگ تھے۔ حکومت اگر قدر کرتی اور نجی پہل کاری کیلئے آسانیاں پیدا کرتی تو معیشت میں ترقی تیز تر ہوتی۔

پیچھے مڑ کر دیکھیں تو یہ واضح ہے کہ اسرائیل کی اقتصادی کارکردگی جزوی طور پر حکومت کی بلاوجہ مداخلت کی وجہ سے ہوئی، اور محض اس وجہ سے بھی نہیں۔ کسی بھی قدیم معیشت میں ترقی کے ابتدائی مراحل کے دوران بھاری سرمایہ کاری کے سنہری مواقع ہوتے ہیں جیسے سڑکیں، آبی نظام، فیکٹریاں، بندرگاہیں، برقی گرڈ اور مکانات کی تعمیر۔ اسرائیل کی ان منصوبوں پر بہت بڑی سرمایہ کاری ہوئی جیسے نیشنل واٹر کیریئر، جس سے شمال میں بحیرہ گلیلی سے جنوب میں تپتے نیگیو تک پانی پہنچایا گیا--- اس سے تیز رفتار ترقی کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ کبٹزم میں تیزی سے مکانی تعمیرات اور افادی صنعتوں میں اضافہ ہوُا۔ اہم بات یہ ہے کہ اسے عمومیت نہ سمجھا جائے: بہت سے ترقی پذیر ممالک میں بڑے پیمانے پر سرکاری اور نجی بنیادی ڈھانچوں کے منصوبوں پر رشوت ستانی اور حکومتی نااہلی کی وجہ سے بڑی حکومتی رقوم ضائع ہوئیں۔ اسرائیل اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔

سرکاری اور نجی بنیادی ڈھانچوں کے منصوبے شاید سب سے زیادہ نظر آ رہے تھے لیکن زیادہ حیرت انگیز بات حکومت کے اندر سے بطور اینٹرپرینیوریل منصوبے، صنعتوں کی دانستہ تخلیق تھی۔ شمعون پیریز اور الشویمر، ایک امریکی جس نے جنگ آزادی کے دوران اسرائیل کو خفیہ طور پر ہوُائی جہاز اور ہتھیار پہنچائے، مل کر اسرائیل میں ایرونا ٹکس کی صنعت کا خواب دیکھا۔ انہوں نے 1950 کی دہائی میں جب اسرائیلی حکومت کو یہ تجویز پیش کی تو ردعمل شکوک وشبہات سے لے کر تضحیک تک پھیلا ہوُا تھا۔ اس وقت اشیائے خوردنی سمیت دودھ اور انڈوں کی بھی کمی تھی اور ہزاروں نئے پناہ گزین ابھی خیموں میں رہتے تھے، لہذا یہ تعجب خیز بات نہ تھی کہ زیادہ تر وزراء کا خیال تھا کہ اسرائیل ایسی کوشش میں کامیاب ہونے کا نہ تو متحمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اہل۔

پیریز نے اس کی بات پر کان دھرنے والے ڈیوڈ بین گوریون کو قائل کر لیا کہ اسرائیل دوسری جنگ عظیم کے اضافی طیاروں کی مرمت شروع کر سکتا ہے۔انہوں نے ایک نیا کاروبار شروع کیا جو بعد میں اسرائیل کا سب سے بڑا آجر بن گیا۔ بیڈک بالآخر اسرائیل ایئر کرافٹ انڈسٹریز بن گئی جو اپنے میدان میں ایک عالمی رہنما ہے۔اسرائیل کی ترقی کے اس مرحلے کے دوران شائد نجی کاروباری حضرات ضروری نہ رہے کیونکہ معیشت کی نہائت وسیع اور اہم ترین ضروریات بالکل واضح تھیں. معیشت کے زیادہ پیچیدہ ہونے سے نظام ٹوٹ گیا۔اسرائیلی ماہر اقتصادیات یاکر پلیسنر کے مطابق ایک بار حکومت جب معیشت کیلئے بڑے بنیادی ڈھانچے پر جی بھر کر خرچ کر ڈالے تب اسے ترقی دینے کیلئے صرف کاروباری افراد پر تکیہ کیا جا سکتا تھا؛ صرف وہی "تقابلی فائدہ" اطمینان سے تلاش کر سکتے تھے۔

مرکزی ترقیات سے نجی اینٹر پرینوریل معیشت کی طرف منتقلی 1960 کی دہائی کے وسط میں ہو جانا چاہیے تھی۔ 1946 سے 1966 تک، بیس سال میں زیادہ تر بڑے پیمانے پر انفراسٹرکچر کیلئے سرمایہ کاری ہو چکی تھی جو اب ختم ہونے کے قریب تھی۔1966 میں اہم کاموں کیلئے سرمایہ کاری کے اہداف نہ ہونے کی وجہ سے اسرائیل میں پہلی بار تقریباً صفر اقتصادی ترقی ہوئی۔اسرائیلی حکومت کو اس بنا پر معیشت کو نجی انٹرپرائز کیلئے رضامند ہو جانا چاہیے تھا۔ضروری اصلاحات اس کے بجائے چھ روزہ جنگ کی نظر ہو گئیں۔6 جون 1967 کو ایک ہفتے کے اندر اسرائیل نے مغربی کنارہ، غزہ کی پٹی، جزیرہ نما سینائی اور گولان کی پہاڑیاں پر قبضہ جما لیا تھا۔یہ علاقہ مجموعا" اسرائیل کے حجم سے تین گنا زیادہ تھا۔

اسرائیلی حکومت ایک بار پھر اچانک بڑے پیمانے پر نئے بنیادی ڈھانچوں کے منصوبوں میں مصروف ہو گئی۔ IDF کو نئے علاقہ جات میں چوکیاں قائم کرنے کی ضرورت تھی۔نئی دفاعی تنصیبات، سرحدی سیکورٹی اور دیگر مہنگے بنیادی ڈھانچہ کیلئے بڑے پیمانے پر اخراجات ضروری تھے۔یہ ایک اور بڑا "محرک" معاشی پروگرام تھا۔ 1967 سے 1968 تک نتیجتا" تعمیری سامان کیلئے سرمایہ کاری میں 725 فیصد اضافہ ہوُا۔جنگ نے اسرائیل کے مرکزی منصوبہ سازوں کی بدترین جبلت کو مزید تقویت دی۔

اسرائیل کی "گمشدہ دہائی"

اسرائیل کی معیشت پھر بھی، محدود وقت کیلئے نامعلوم نتائج پر چل رہی تھی۔چھ سال بعد ایک اور جنگ، 1973 کی یوم کپور جنگ، سے پہلے جیسا معاشی فروغ حاصل نہ ہوُا۔اسرائیل کا بھاری جانی نقصان (تین ہزار ہلاکتیں اور بہت سے زخمی) سمیت بنیادی ڈھانچے کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔IDF نے بامر مجبوری لیبر فورس

سے ریزرووں کی بڑی تعداد کو چھ ماہ تک معیشت سے نکال لیا۔ فوجی خدمت کیلئے اتنی بڑی اور طویل حاضری کا اثر کمپنیوں بلکہ تمام صنعتوں کیلئے پریشان و مفلوج کن تھا۔ کاروباری سرگرمیاں رک گئیں۔

عام اقتصادی ماحول میں گھریلو کارکنوں کی نجی آمدنی میں بھی شائد ایسی ہی کمی ہوتی ہو گی لیکن اسرائیل میں انہوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ حکومت نے تنخواہیں کم کرنے کے بجائے مصنوعی طور پر انہیں سہارا دیا، ایک ایسا طریق کار جس کے نتیجے میں حکومتی قرضے بلند ترین سطح پر پہنچ گئے۔ قرض کی ادائیگی کیلئے بڑی یک مشت رقم کو پورا کرنے کی کوشش کرنے کی خاطر --- بشمول سرمایہ کاری، ٹیکس کی ہر شرح بڑھادی گئی۔ قلیل مدتی اور زیادہ قیمتی قرض کو خسارہ، پورا کرنے کیلئے استعمال کیا گیا جس کے نتیجے میں سود کی ادائیگیوں میں اضافہ ہوُا۔

یہ سب کچھ امیگریشن میں کمی کے ساتھ ہی ہوُا۔ نئے تارکین وطن ہمیشہ اسرائیل کی اقتصادی قوت کا ایک اہم ستون رہے ہیں۔ 1972 اور 1973 کے درمیان تقریباً ایک لاکھ نئے اسرائیلیوں سے اصل فائدہ پہنچا تھا۔ 1974 میں یہ تعداد کم ہو کر چودہ ہزار اور 1975 میں تقریباً صفر ہو گئی۔ جس نے بحالی کو فی الواقعی اگر نا ممکن نہیں تو بعید القیاس بنایا --- وہ کیپٹل مارکیٹ پر حکومت کی اجارہ داری تھی۔ بنک آف اسرائیل نے خود اس وقت بیان کیا، "آزاد ممالک میں سیاسی طور پر حکومت کی شمولیت کسی بھی چیز سے ماوراہوتی ہے۔" حکومت نے صارف اور کاروباری قرضوں کے لیے ہر قرض اور بانڈز کے لیے سود کی شرح اور شرائط طے کیں۔۔

کمرشل بینکوں اور پنشنوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ کثیر جمع رقم سے ناقبل انتقال سرکاری بانڈز خریدیں یا حکومت کی طرف سے مختص منصوبوں کیلئے نجی شعبے کے قرضوں کی مالی اعانت کریں۔ اسرائیل کی معیشت کی اُس دور میں ایسی حالت تھی جس کے متعلق ماہرین اقتصادیات اکثر 1970 کی دہائی کے وسط سے 1980 کی دہائی کے وسط تک اسرائیل کی "گمشدہ دہائی" کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

اسرائیل میں آج اِنٹیل کے نایاب انجینئرز کی تلاش کا فیصلہ واضح اقدام لگتا ہے۔ اِنٹیل کا 1974 کا اسرائیل اس جیسا بالکل نہیں تھا۔ یہ اب ریت، دلدل اور ملیریا کے پھیلاؤ سے مشابہ تو نہیں لیکن 1970 کی دہائی کے دوران زائرین کو ایسی سوچ پر، کہ وہ تیسری دنیا کے ملک میں اترا آئے ہیں، معاف کیا جا سکتا ہے۔ انجینئرنگ کیلئے فطری صلاحیت اور اسرائیلی یونیورسٹیاں اس وقت کافی حد تک ترقی یافتہ تھیں لیکن ملک کا بنیادی ڈھانچہ زیادہ تر پرانا تھا۔ ہوُائی اڈہ چھوٹا، قدیم وضع لئے گھسا پٹا سا تھا۔ امیگریشن میں داخل ہوتے ہی یہ سوویت طرز کا افادیت پسندانہ قسم کا لگتا تھا۔ ایسی بڑی سڑک مفقود تھی جو حقیقی ہائی وے جیسی لگے۔ ٹیلی ویژن پر نشریات کی وصولی ناقص تھی لیکن اس

سے خاص فرق نہیں پڑتا تھا چونکہ عبرانی میں نشر کرنے والا ایک ہی سرکاری اسٹیشن تھا۔اس کے ساتھ عربی چینلز تھے جو کافی طاقتور اینٹینا کے ذریعے کوئی بھی اردن یا لبنان سے نشریات موصول کر سکتا تھا۔

ہر گھر میں ٹیلی فون نہیں تھا،اس وجہ سے نہیں کہ سبھی کے پاس سیل تھے جو اس وقت تھے ہی نہیں۔وجہ یہ تھی کہ فون لائنیں ابھی تک آہستہ آہستہ راشن کرنے کیلئے سرکاری وزارت کے پاس تھیں،لہٰذا فون حاصل کرنے کیلئے کافی وقت لگتا تھا۔سپر مارکیٹیں،محلوں میں عام فوڈ مارٹس کے برعکس،ایک عجوبہ تھیں جہاں ان میں بہت سی بین الاقوامی مصنوعات مہیا نہیں تھیں۔اہم بین الاقوامی ریٹیل سٹور موجود نہیں تھے۔اگر آپ کو بیرون ملک سے کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو آپ کو خود جانا پڑتا یا کسی وزیٹر سے کہنا پڑتا کہ وہ واپسی پر لیتا آئے۔بہت زیادہ کسٹم ڈیوٹیز--- بہت سے مقامی پروڈیوسروں کے تحفظ کی خاطر ان کی ناز برداری کی کوششیں---زیادہ تر درآمدات کو ممنوعہ حد تک مہنگا کر دیا۔

سڑک پر چلنے والی بے کیف کاریں تھیں---ان میں چند کاریں جو اسرائیل میں بنائی گئیں،روس میں بنی روسی کاروں کی طرح مذاق کا نشانہ بنیں،زیادہ تر بھانت بھانت کے Subaru اور Citroën کے سستے ترین ماڈلز کا مجموعہ،دونوں کمپنیاں جنھوں نے عرب بائیکاٹ کا بہادری یا بے چینی کی بنا پر مقابلہ کیا۔

بینکنگ کا نظام اور حکومتی مالیاتی ضابطے آٹو انڈسٹری کی طرح اتنے ہی پرانے تھے۔بینکوں کے علاوہ کہیں بھی ڈالر تبدیل کرنا غیر قانونی تھا جہاں شرح مبادلہ حکومت کا مقرر کردہ تھا۔بیرون ملک بینک اکاؤنٹ رکھنا غیر قانونی تھا۔

مزاج مجموعا''تند خو تھا۔وہ والہانہ جوش و خروش جو 1967 کی ہوش ربا فتح کے ساتھ آیا تھا--- جسے چند لوگوں نے پہلے سزائے موت کی معافی ملنے اور پھر لاٹری جیتنے سے تشبیہ دی---1973 کی یوم کپور جنگ کے بعد تیزی سے کافور ہو گیا اور اس کی جگہ نئے عدم تحفظ،تنہائی اور شاید بدترین المناک غلطی کے احساس نے لی۔طاقتور اسرائیلی فوج کلیتا''حیران اور بری طرح ناکام ہو چکی تھی۔یہ فوجی لحاظ سے معمولی سی تسلی تھی کہ اسرائیل نے جنگ جیت لی تھی۔

اسرائیلیوں نے محسوس کیا کہ ان کی سیاسی اور عسکری قیادت نے انہیں بری طرح مایوس کیا۔تحقیقات کیلئے ایک عوامی کمیشن مقرر کیا گیا:اس کمشن نے IDF کے چیف آف اسٹاف،اس کے چیف آف اِنٹیلی جنس اور دیگر اعلیٰ سیکیورٹی حکام کو فارغ کر دیا۔گولڈا میئر کو کمیشن نے اگرچہ بری کر دیا لیکن وزیر اعظم نے ناکامی کی ذمہ داری لی اور کمیشن کی رپورٹ کے اجراء کے ایک ماہ بعد استعفیٰ دے دیا۔1977 میں جب انکشاف ہوا کہ یتزاک رابین کی بیوی کا غیر ملکی بینک اکاؤنٹ تھا تو گولڈا میئر کے جانشین عارضی وزیر اعظم کو استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا۔

1980 کی دہائی کے اوائل تک اسرائیل کو افراط زر کا بھی سامنا کرنا پڑا: سپر مارکیٹ جانے کا مطلب ہزاروں تقریباً بیکار شیکل خرچ کرنا تھا۔ مہنگائی 1971 میں 13 فیصد سے بڑھ کر 1979 میں 111 فیصد ہو گئی۔ اس میں قدرے پٹرولیم کی قیمتیں بھی اضافہ کا باعث بنیں۔ اسرائیلی افراط زر دیگر ممالک کی بنسبت 1980 میں 133 فیصد اور 1984 میں 445 فیصد تک بڑھ گیا اور ایسا لگتا تھا کہ یہ ایک یا دو سال میں چار ہندسوں کی طرف گامزن ہے۔

لوگوں نے فون ٹوکن جمع کرنا شروع کئے کیونکہ ان کی قدر تبدیل نہیں ہوئی مگر ان کی قیمت میں تیزی سے اضافہ ہوا، اور لوگ قیمتوں میں متوقع اضافہ سے پہلے ہی بنیادی اشیاء خریدنے کے لیے بھاگے۔ اس زمانے کے ایک لطیفے کے مطابق تل ابیب سے یروشلم تک بس کے بجائے ٹیکسی لینا اسلئے بہتر تھا کہ آپ ٹیکسی کو منزل پر پہنچنے کے بعد کرایہ ادا کر سکتے ہیں چونکہ تب تک شیکل کی قیمت گر چکی ہو گی۔ بے تحاشا افراط زر کی بڑی وجہ یہ ستم ظریفی تھی کہ حکومت نے مہنگائی سے نمٹنے کے لیے برسوں اِن اقدامات سے کام لیا یعنی: انڈیکسنگ۔ معیشت میں عناصر کی اکثریت جیسے ---اجرتوں، قیمتوں، کرایوں کو--- کنزیومر پرائس انڈیکس سے منسلک کیا گیا تھا جو افراط زر متعین کرنے کا پیمانہ ہے۔ انڈیکسنگ سے لگتا تھا کہ یہ عوام کو افراط زر کے اثرات کے احساس سے بچاتی ہے کیونکہ ان کی آمدنیاں ان کے اخراجات کے ساتھ بڑھتی بھی ہیں۔ لیکن انڈیکسنگ نے بالآخر افراط زر کو چکر دار بنا دیا۔

بحالی کی طرف گامزن؟

اس تناظر میں یہ بات خصوصاً" حیران کن ہے کہ اِنٹیل نے اسرائیل میں 1970 میں دفتر کھولا۔ اس سے بھی بڑا معمہ یہ ہے کہ تین دہائی بعد، اسرائیل، ایک قدرے صوبائی اور الگ تھلگ ریاست نے خود کو فروغ پزیر اور تکنیکی طور پر جدید کیسے بنایا؟ آج اسرائیل میں آنے والے زائرین ایک ایسے ہوائی اڈہ پر اترے جو اس سے کہیں زیادہ متاثر کن جدید ہے جس سے وہ روانہ ہوئے تھے۔ لا محدود نئی فون لائنیں صرف چند گھنٹوں کے نوٹس پر بچھائی جا سکتی ہیں، بلیک بیری ہمیشہ چالو ملتا ہے اور وائرلیس انٹرنیٹ اتنا ہی قریب ہے جتنی قریب ترین کافی شاپ۔ وائرلیس رسائی اتنی زیادہ ہے کہ 2006 کی لبنان جنگ کے دوران اسرائیلی اس بات کا موازنہ کرنے میں مصروف تھے کہ ہماری پناہ گاہوں میں بہترین انٹرنیٹ سروس کون سی ہے۔ اسرائیلیوں کے پاس بلحاظ فی کس دنیا میں سب زیادہ سیل فون ہیں۔ دس سال سے بڑی عمر کے اکثر بچوں کے پاس سیل فون اور بیڈ روم میں کمپیوٹر بھی ہوتا ہے۔ سڑکیں جدید

ماڈل کی کاروں،Hummers سے لے کر یورپی سمارٹ کاروں سے بھری ہوئی ہیں جو نایاب پارکنگ کے نصف سے بھی کم جگہ لیتی ہیں۔

"چند اچھے پروگرامرز کی تلاش ہے؟ CNNMoney.com" نے حال ہی میں امتیازی ذکر میں تل ابیب کو "انٹرنیٹ کی دینا میں کاروبار کرنے کے لیے بہترین مقامات" میں شامل کیا۔ "اسی طرح IBM،Intel، Texas Instruments اور دیگر ٹیک جنات بھی جدید ترین ٹیکنالوجی کی خاطر اسرائیل پہنچ گئے۔--ڈیل بند کرنے کی بہترین جگہ یوئیزر وائن بار ہے جہاں گونا گوں قسم کے وسیع انتخاب اور مزے دار طریقے سے شراب میں بسا بیف بور گیگنون میسر ہے۔"1990 میں اگرچہ تمام اسرائیل میں کسی کافی شاپس کی چین نہیں تھی اور شاید ایک بھی وائن بار، معقول سوشی ریستوران، میک ڈونلڈز، آئیکیا یا بڑا غیر ملکی فیشن آؤٹ لیٹ نہیں تھا۔ 1993 میں پہلا اسرائیلی میکڈونلڈز کھلا۔ تین سال بعد ماسکو میں اس کا سب سے بڑا ریستوران کھلا اور سڈنی، آسٹریلیا میں بائیس سال بعد پہلا میک ڈونلڈز کھلا۔ اسرائیل میں ابھی میکڈونلڈز کے تقریباً 150 ریستوراں ہیں جو تقریباً بلحاظ فی کس سپین، اٹلی یا جنوبی کوریا سے دوگنا ہیں۔

دوسرے مرحلے کی تبدیلی1990 کے بعد شروع ہوئی۔ معیشت میں اس وقت تک ثقافت اور فوج کی دی گئی تعلیم کی کاروباری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت محدود تھی۔ پرائیویٹ سیکٹر کو بے قابو افراط زر نے مزید دبانے کی لمبی مدت تھی جس پر 1985 تک توجہ نہیں دی گئی تھی۔ اس وقت کے وزیر خزانہ شمعون پیریز نے استحکام کے منصوبے کی قیادت کی جو امریکی وزیر خارجہ جارج شلٹز اور آئی ایم ایف کے ماہر اقتصادیات اسٹینلے فشر نے تیار کی تھی۔ اس منصوبہ نے ڈرامائی طور پر عوامی قرضوں میں کمی، محدود اخراجات، نجکاری شروع کرنا، اور کیپٹل مارکیٹوں میں حکومت کے کردار کو بہتر بنایا۔ اس سے بھی اسرائیل کے لیے ایک نجی اور متحرک کاروباری معیشت پیدا نہ ہو سکی۔ معیشت کو صحیح معنوں میں اڑان کیلئے اسے تین اضافی عوامل چاہئیں: نئے امیگرینٹس، نئی جنگ اور ایک نئی وینچر کیپیٹل انڈسٹری۔

باب 7

امیگریشن

گوگل گائز کا چیلنج

تارکین وطن دوبارہ سے زندگی کا آغاز کرنے کے مخالف نہیں ہیں۔ وہ بلحاظ تعریف خطرہ لینے والے ہیں۔ تارکین وطن کی قوم، اینٹرپرینیورز کی قوم ہے۔

GIDI GRINSTEIN----

1984 میں شلومو (نیجبیس) مولا نے سولہ برس کی عمر میں سترہ دوستوں کے ساتھ شمالی ایتھوپیا میں اپنا چھوٹا سا گاؤں چھوڑ کر اسرائیل کی طرف پیدل جانے کی ٹھانی۔ ماچا، دورافتادہ گاؤں، جہاں مولا پلا بڑھا، وہاں جدید دنیا جیسی اشیاء---نہ بہتا پانی، نہ بجلی اور نہ فون لائنیں، عملاً" کچھ نہیں تھا۔ ملک میں وحشی قحط کے علاوہ ایتھوپیا کے یہودی ایک جابرانہ سامی--- مخالف حکومت کے تحت رہتے تھے جو پہلے سوویت یونین کے زیر اثر تھا۔

"ہم نے ہمیشہ اسرائیل پہنچنے کا خواب دیکھا تھا،" مولا نے کہا، جس کی پرورش یہودی، صیہونی گھر میں ہوئی۔ اس نے اور اس کے دوستوں نے شمال سے چلنے کا منصوبہ بنایا، ایتھوپیا سے سوڈان، سوڈان سے مصر، صحرائے سینا سے ہوتے ہوئے اسرائیل کے جنوبی شہر بیر شیبا تک؛ وہ اس کے بعد یروشلم جانے کا سفر جاری رکھیں گے۔

مولا کے والدنے بیٹے کے پہلے سفر کے راستے کی رہنمائی کے لیے گائیڈ کو دو ڈالر ادا کرنے کیلئے لیے گائے بیچی۔ وہ دن رات ننگے پاؤں چلتے تھے اور کچھ آرام کرنے کیلئے رکتے رکتے شمالی ایتھوپیا کے ریگستان کے بعد جنگل میں پہنچے۔ ڈاکوؤں نے ان کا کھانا اور پیسے چھین لئے۔ اس سے قبل ان کا سامنا جنگلی شیروں اور سانپوں سے بھی ہوا۔ مولا اور اس کے دوست ہفتے میں تقریباً پانچ سو میل پیدل سفر کرتے ہوئے ایتھوپیا کی شمالی سرحد پر پہنچے۔

سوڈان میں داخل پر سوڈانی سرحدی محافظوں نے ان کا پیچھا کیا۔ مولا کا بہترین دوست گولی کا نشانہ بنا اور باقی لڑکوں کو باندھ کر ان پر تشدد کیا گیا، پھر جیل میں ڈال دیا۔ انہیں اکانوے دن کے بعد سوڈان کے گیدریف مہاجر کیمپ سے رہا کر دیا گیا جہاں مولا سے ایک سفید فام شخص نے رابطہ کیا جو بمشکل سمجھ آنے والے طریقے سے بات کرتا تھا لیکن واضح طور پر بخوبی باخبر لگ رہا تھا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم کون ہو اور کہاں جانا چاہتے ہو،" اس نے نوجوان سے کہا۔ "میں مدد کرنے کے لیے حاضر ہوں۔ مولا نے زندگی میں ایک سفید فام دوسری مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ آدمی اگلے دن واپس آیا، لڑکوں کو ٹرک پر لاد کر پانچ گھنٹے میں صحرا پار کرتے ہوئے دور دراز ایک ہوائی پٹی پر پہنچا دیا۔

انہیں وہاں سینکڑوں دیگر ایتھیوپی افراد سمیت ہوائی جہاز میں دھکیل دیا گیا۔ یہ اسرائیلی حکومت کی خفیہ کوششوں کا حصہ تھا۔ 1984 کا ایئر لفٹ مشن جسے آپریشن موسیٰ کہا جاتا ہے، اس سے آٹھ ہزار سے زیادہ ایتھیوپی یہودیوں کو اسرائیل لایا گیا۔ ان کی اوسط عمر چودہ سال تھی۔ ان تمام کو آمد کے اگلے دن مکمل اسرائیلی شہریت دی گئی۔ نیو

ریپبلک کے لیون ویزلٹیئر نے تب لکھا کہ آپریشن موسیٰ نے صیہونیت کا ایک قدیم معنی واضح کر دیا: ایک ایسی ریاست ضرور ہونی چاہیے جہاں یہودیوں کو ویزے کی ضرورت نہ ہو۔

مولا آج اسرائیل کی پارلیمنٹ کنیسٹ کا منتخب رکن ہے: وہ اس عہدے کے لیے منتخب ہونے والا دوسرا ایتھیوپی ہے۔ مولا نے ہمیں بتایا، "یہ صرف چار گھنٹے کی پرواز تھی لیکن ایسا محسوس ہوا کہ ایتھوپیا اور اسرائیل کے درمیان چار سو سال کا فاصلہ ہے۔" تقریباً تمام ایتھیوپی باشندے جنھوں نے اسرائیل میں ہجرت کی، قدیم زرعی برادری سے آئے جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، یہاں تک کہ مادری زبان امہاری میں بھی۔ مولا نے ایتھوپیا میں اپنی زندگی کو یاد کیا۔ "ہمارے ہاں کاریں، انڈسٹری، سپر مارکیٹیں اور بینک نہیں تھے۔"

آپریشن موسیٰ کے سات سال بعد آپریشن سلیمان ہوا جس میں 14,500 ایتھیوپی یہودیوں کو بذریعہ ہوائی جہاز اسرائیل لایا گیا۔ اس کوشش میں چونتیس اسرائیلی فضائیہ اور ال آل ٹرانسپورٹ طیارے اور ایک ایتھوپیائی طیارہ شامل تھے۔ نقل و حمل کی کارروائیوں کا تمام سلسلہ چھتیس گھنٹے میں ہوا۔

"فلائٹ 9 میں سیٹوں کے درمیان آرم ریسٹ اٹھا دیے گئے تھے،" نیو یارک ٹائمز نے لکھا۔ "بچوں سمیت پانچ، چھ یا سات ایتھیوپی تین نشست والی قطار میں بخوشی سما گئے۔ ان میں سے کسی نے کبھی ہوائی جہاز پر سفر نہیں کیا تھا اور شاید یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ سیٹیں غیر معمولی تھیں۔

ایتھوپیا سے آنے والی ایک اور پرواز نے عالمی ریکارڈ قائم کیا: ال آل 747 میں 1,122 مسافروں نے سفر کیا۔ منصوبہ سازوں کو طیارہ میں 760 مسافر بھرنے کی توقع کی تھی لیکن مسافروں کے بہت دبلے ہونے کی وجہ سے سینکڑوں مزید بھر دیے گئے۔ پرواز کے دوران ہی دو بچوں کی پیدائش بھی ہوئی۔ بہت سے مسافر بلا سامان اور ننگے پاؤں پہنچے۔ اسرائیل نے دہائی کے اختتام تک تقریباً چالیس ہزار ایتھیوپی تارکین وطن کو جذب کر لیا تھا۔

ایتھوپیائی امیگریشن زبردست معاشی بوجھ ثابت ہوئی۔ ایتھوپیا کے تقریباً نصف بالغان جن کی عمریں پچیس سے چوون سال کے درمیان ہیں، بے روزگار ہیں۔ ایتھوپیا کے اسرائیلیوں کی اکثریت سرکاری ویلفیئر پر ہے۔ مولا متوقع ہے کہ اسرائیلی مضبوط اور اچھی مالی امداد سے چلنے والے تارکین وطن جذب پروگرام کے باوجود ایتھوپیا کی کمیونٹی کو مکمل طور پر مربوط اور خود کفیل ہونے میں کم از کم ایک دہائی درکار ہو گی۔

مولا نے ہمیں بتایا، "اس نکتہء نظر سے دیکھنا کہ بہت عرصہ پہلے وہ کہاں سے آئے ہیں، اسے وقت لگے گا۔ "ایتھوپیا کے تارکین وطن کا تجربہ سابق سوویت یونین سے آنے والے آپریشن سلیمان کے طور پر تارکین وطن کے

برعکس ہے جن میں سے زیادہ تر تقریباایک ہی وقت پر وہاں پہنچے تھے اور اسرائیلی معیشت کیلئے ایک نعمت ثابت ہوئے۔اس آمد کی کامیابی کی کہانی شیواچ---موفٹ ہائی اسکول جیسے مقامات سے مل سکتی ہے۔

طلبہ کچھ دیر سے ایسے منتظر تھے جیسے کسی راک سٹار کی آمد ہو۔ پھر وہ لمحہ آگیا۔ دوامریکی پریس اور دیگر مشہور عام موسیقی کے شیدائیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے پچھلے دروازے سے داخل ہوئے۔اسرائیل میں ان کا وزیراعظم کے دفتر کے علاوہ واحد اسٹاپ تھا۔

گوگل کے بانی ہال میں داخل ہوئے اور ہجوم خوشی میں چیخ اٹھا۔ طلباء کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ایک طالب علم نے فخر سے یاد کیا،''سرجی برن اور لیری پیج---ہمارے ہائی سکول میں!''اس اسرائیلی ہائی اسکول میں دنیا کی مشہور ترین ٹیک جوڑی کو، تمام جگہوں کی بنسبت، کیوں یہاں لایا گیا تھا؟

سرگئی برن کے بولتے ہی اس سوال کا جواب مل گیا۔''خواتین و حضرات، لڑکیو اور لڑکو،''اس نے جب روسی میں کہا تو زبان کے انتخاب پر بے ساختہ تالیاں بجیں۔''میں نے چھ سال کی عمر میں روس سے ہجرت کی، پھر امریکہ چلا گیا۔''آپ کی طرح میرے والدین بھی معیاری روسی-یہودی ہیں۔ میرا باپ ریاضی کا پروفیسر ہے۔اس کا مطالعہ کے متعلق ایک خاص رویہ ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں اسے یہاں سے جوڑ سکتا ہوں کیونکہ مجھے بتایا گیا کہ آپ کا اسکول اسرائیل میں ریاضی کے مقابلے میں سرفہرست دس سکولوں میں سے ساتویں نمبر پر آیا۔

طلبہ نے اس بار اپنی کامیابی پر تالیاں بجائیں۔''مجھے یہ کہنا ہے، برن نے تالیوں کے درمیان کہا،''میرا باپ یہی کہے گا،'باقی تینوں کا کیا ہوگا'؟شیاچ--موفیٹ اسکول کے اکثر طلباء، برن کی طرح روسی—یہودی کی دوسری نسل ہیں۔ شیاخ-موفیٹ تل ابیب کے جنوبی صنعتی علاقے کے غریب ترین حصہ میں واقع ہے اور برسوں سے شہر کے فسادی ترین اسکولوں میں سے تھا۔

ہم نے اسکول کی تاریخ کے متعلق سب سے زیادہ نتن شرانسکی سے جانا۔اسرائیل میں مشہور ترین سابق سوویت یہودی تارک وطن جس نے ہجرت کے حق کی خاطر لڑنے پر سوویت جیلوں اور لیبر کیمپوں میں چودہ سال گزارے، وہ مشہور ترین ''ریفیوزنک''تھا، یعنی ایسا روسی یہودی جسے ہجرت کرنے کی اجازت دینے سے انکار کیا گیا تھا۔وہ سوویت یونین سے آزاد ہونے کے کئی سال بعد ترقی کرتے ہوئے اسرائیل کا نائب وزیراعظم بن گیا۔اس نے اسرائیل میں ہم سے مذاقا'' کہا، روسی تارکین وطن پارٹی کے، اس نے جس کی بنیاد اپنی آمد کے فوراً بعد رکھی، سیاست دانوں کو یقین ہے کہ انہیں اپنے تجربے کی عکاسی کرنی چاہئے: پہلے جیل جائیں، پھر سیاست میں آئیں نہ کہ اس کے برعکس۔

"شرینسکی نے یروشلم میں اپنے گھر میں ہمیں بتایا، اسکول کے نام--شیاچ--کا مطلب ہے 'تعریف'، "جب تل ابیب شہر 1946 میں بالکل نیا تھا، یہ اس میں کھلنے والا دوسرا ہائی اسکول تھا۔ یہ ان اسکولوں میں سے تھا جہاں مقامی اسرائیلیوں کی نسل گئی۔ اس نے وضاحت کی، "حکام نے 1960 کے اوائل میں قدرے امریکہ کی طرح انضمام کا تجربہ شروع کیا۔ "حکومت نے کہا، ہم صابرہ اسکول نہیں رکھ سکتے، ہمیں تارکین وطن کو مراکش، یمن، مشرقی یورپ سے لانا ہوگا--آیئے ہم انہیں ملادیں۔

یہ خیال شائد اچھا تھا لیکن اس پر عمل درآمد ناقص تھا۔ 1990 کی دہائی کے آغاز میں جب سوویت یونین کے انہدام کے بعد روسی یہودی تارکین وطن بڑی تعداد میں آنا شروع ہوئے تو یہ شہر کے بدترین سکولوں میں سے تھا اور بنیادی طور چھوٹے جرموں کی وجہ سے بدنام تھا۔ یاکوف موزگانوف، ریاضی کا پروفیسر، ایک نیا تارک وطن جو اس وقت سکول میں بطور سیکورٹی گارڈ ملازم تھا۔ اس دور میں یہ عام سی بات تھی کہ پی-ایچ ڈی اور انجینئرنگ کی ڈگریاں لئے روسی اتنی زیادہ تعداد میں آرہے تھے کہ انہیں اپنے شعبہ جات میں نوکری نہ مل سکی، خصوصاً جب وہ عبرانی زبان سیکھ رہے تھے۔

موزگانوف نے فیصلہ کیا کہ وہ ہر عمر کے طالب علموں کیلئے بشمول بالغان، شیاچ کلاس رومز میں ایک نائٹ اسکول شروع کرے گا جو مزید سائنس یا ریاضی سیکھنا چاہتے تھے۔ اس نے اپنے ساتھ پڑھانے کے لیے اعلیٰ ڈگریوں والے بے روزگار یا کم روزگار روسی تارکین وطن کو بھرتی کیا۔ انہوں نے اسے Mofet، عبرانی کا مخفف، جس کا مطلب "ریاضی"، "طبیعیات"، "ثقافت" اور عبرانی میں بھی "فضیلت" ہے، کا نام دیا۔ روسی شاخ اس قدر کامیاب تھی کہ اسے آخر کار اصل اسکول میں ضم کر لیا گیا جو شیاچ-موفیٹ بن گیا۔ عمیق علوم اور فضیلت پر زور صرف نام ہی میں نہیں تھا۔ یہ ان اخلاقیات کی عکاسی کرتا تھا جو نو واردان اسرائیل میں سابق سوویت یونین سے ساتھ لائے تھے

اسرائیل کا معاشی معجزہ امیگریشن کی وجہ سے اتنا ہی ہے جتنا کہ کسی اور عنصر کا۔ اسرائیل کی بنیاد 1948 میں رکھی گئی۔ اس کی آبادی تب 806,000 تھی جو آج 7.1 ملین ہے۔ ساٹھ سال میں ملک کی آبادی تقریباً نو گنا بڑھ چکی ہے۔ صرف پہلے تین سال میں آبادی دوگنی ہوگئی جو نئی حکومت کیلئے ہوش ربا تھی۔ ایک رکن پارلیمنٹ نے اس وقت کہا تھا کہ اگر وہ یہ کام منصوبہ بندی کے ساتھ کرنا جاری رکھتے وہ اتنے لوگوں کو کبھی جذب نہ کر پاتے۔

اسرائیل میں پیدا ہونے والے غیر ملکی شہری اس وقت ملک کی ایک تہائی سے زیادہ ہیں جو امریکہ کے مقامی باشندوں

سے غیر ملکیوں کے مقابلتاً" تناسب سے تقریباً تین گنا ہیں۔ دس میں سے نو یہودی یا تو تارکین وطن ہیں یا تارکین وطن کی پہلی یا دوسری نسل کی نسل۔

ڈیوڈ میک ولیمز، ایک آئرش ماہر اقتصادیات جو 1994 میں اسرائیل میں کام کرتا تھا، اس کا میگریشن ڈیٹا طریقہ کار گو علمی کم لیکن اپنی نوع سے رنگین زیادہ ہے: "آپ دنیا بھر میں گلیوں سے کھانے کی خوشبو اور مینو کے انتخاب سے بتا سکتے ہیں کہ آبادی کتنی متنوع ہے۔ آپ اسرائیل میں یمنی سے روسی، اصلی بحیرہ روم سے بیگلز تک تقریبا کوئی بھی خصوصی کھانا کھا سکتے ہیں۔ تارکین وطن بالکل وہی کھانا پکاتے ہیں جو غریب یہودیوں نے ترک وطن کے بعد وہی پکایا جب وہ بغداد، برلن اور بوسنیا سے نکل کر وہاں پہنچے۔

اسرائیل اب ستر سے زیادہ مختلف قومیتوں اور ثقافتوں کا گھر ہے۔ سرگئی برن جن طلباء سے خطاب کر رہا تھا وہ اسرائیل کی تاریخ میں سب سے بڑی ہجرت کی لہر سے تھے۔ 1990 اور 2000 کے درمیان سابق سوویت یونین کے آٹھ لاکھ شہری اسرائیل ہجرت کر گئے۔ پہلے پانچ لاکھ صرف تین سال کی مدت کے دوران آئے؛ یہ 1990 کی دہائی کے آخر تک سب مل کر اسرائیل کی آبادی کے پانچویں حصہ کے برابر تھے۔ اگلی دہائی میں مقابلتاً" امریکہ آنے والے مہاجرین امریکہ کے باسٹھ ملین کے برابر تارکین وطن کا سیلاب ہوتا۔

شرینسکی نے وضاحت کی، "سوویت یونین میں ہمیں یہ علم اپنی ماؤں کے دودھ کے ساتھ ملا، کیونکہ آپ یہودی تھے—ہمارے لئے اُس وقت اس کے سوا اس کا کوئی مطلب نہ تھا کہ ہم یہود---دشمنی کا شکار تھے---آپ کو اپنے پیشے میں غیر معمولی ہونا ہی تھا، وہ خواہ شطرنج، موسیقی، ریاضی، دوا ہو یا بیلے...اپنے لیے کسی قسم کے تحفظ کیلئے یہی واحد طریقہ تھا کیونکہ آپ ہمیشہ آخر سے شروع کرتے ہیں۔"

شرینسکی نے ہمیں بتایا، نتیجہ یہ نکلا کہ یہودی آبادی کے لحاظ سے سوویت یونین کا صرف 2 فیصد تھے لیکن ان میں "قریبا" تیس فیصد ڈاکٹر، بیس فیصد انجینئرز تھے۔"

یہ وہ اخلاق تھا جو سرگئی برن نے اپنے روسی والدین سے اخذ کیا تھا اور وہی مسابقتی سلسلے کا ماخذ جسے برن نے نوجوان اسرائیلی طلباء میں پہچانا۔ اس سے انسانی وسیلے کی نوعیت کا قدرے اشارہ ملتا ہے کہ 1990 میں جب سوویت سیلاب کے دروازے کھولے گئے تو اسرائیل نے انہیں قبول کیا۔ یہ جاننا ایک چیلنج تھا کہ تارکین وطن کی آمد کی اتنی بڑی تعداد کا کیا کیا جائے۔

اگرچہ یہ لوگ باصلاحیت تھے لیکن زبان کا اہم مسئلہ اور ثقافتی رکاوٹیں آڑے آتی تھیں۔ ساتھ میں کسی ملک کی سوویت یونین کے سائز کی تعلیم یافتہ اشرافیہ اسرائیل جتنے چھوٹے ملک میں بآسانی فٹ نہیں ہو گی۔۔ اتنی بڑی

امیگریشن سے پہلے ہی اسرائیل میں فی کس ڈاکٹروں کی دنیا میں سب سے زیادہ تعداد موجود تھی۔ اگر بھرمار نہ بھی ہوتی تو سوویت ڈاکٹروں کو نئے طبّی نظام، نئی زبان اور بالکل نئی ثقافت میں ہم آہنگ ہونا مشکل تھا۔ بہت سے دیگر پیشوں میں بھی حقیقت یہی تھی۔ا

سرائیلی حکومت نے اگرچہ ملازمتیں تلاش کرنے اور مکانات کی تعمیر کے لیے جدوجہد کی، نئے آنے والے روسی اس سے زیادہ مناسب وقت پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بین الاقوامی ٹیک عروج نے 1990 کی دہائی کے وسط میں رفتار پکڑی تھی اور اسرائیل میں نجی ٹیکنالوجی کا شعبہ انجینئرز کا بھوکا ہو گیا۔

آج اسرائیل میں کسی اسرائیلی ٹیکنالوجی اسٹارٹ۔۔۔اپ یا بڑے R&D سنٹر میں قدم رکھیں تو آپ کارکنوں کو شاید روسی بولتے سنیں گے۔ افضیلت کیلئے لگن جو شیا چ--موفیٹ میں رواں ہے وہ اسرائیل کے ٹیکنالوجی کے شعبے میں اٹھتی لہریں تارکین وطن میں بہت زیادہ ہیں۔

وہ جو جہاں کہیں سے اسرائیل پہنچے، یہ صرف تعلیم کا جنون نہیں تھا جو یہودیوں کی خصوصیت تھی۔ اگر تعلیم ہی اسرائیل کا انٹرپرینیورازم اور ٹیکنالوجی کی طرف رجحان واحد وضاحتی عنصر ہوتا تو دیگر ممالک کے طلباء ریاضی اور سائنس کے معیاری ٹیسٹوں میں مسابقتی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں--- جیسے سنگاپور-- بھی اسٹارٹ۔۔۔اپ انکیوبیٹرز ہوتا۔

سوویت مہاجرین جو کچھ اپنے ساتھ لائے تھے وہ اسرائیلی وینچر کی پیٹلسٹ ایرل مارگالیٹ کے خیال میں یقینا'' وہی علامتی اشارے ہیں جو متعدد متحرک معیشتوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس نے اسرائیلی ٹیکنالوجی کے عروج کے متعلق کہا ''خود سے پوچھیے، یہ یہیں کیوں ہو رہا ہے؟'' ہم یروشلم میں اس کے ایک جدید ریستوراں میں بیٹھے ہوئے تھے جو اس کے تعمیر کردہ کمپلیکس کے نزدیک ہے جس میں اس کا وینچر فنڈ اور اسٹارٹ۔۔۔اپس کا ایک قسم کا اصطبل ہے۔ ''یہ امریکہ کے مشرقی یا مغربی ساحل پر ہی کیوں ہو رہا ہے؟'' اس کا تارکین وطن معاشروں کے ساتھ بہت تعلق ہے. آپ فرانس میں اگر بہت معروف خاندان سے ہیں اور معروف دواساز کمپنی میں کام کرتے ہیں، مثلا'' آپ کا، مراعات اور سیکرٹری سمیت ایک بڑا دفتر بھی ہے، وغیرہ وغیرہ، کیا آپ سب چھوڑ چھاڑ کر کوئی نئی شے بنانے کا خطرہ مول لیں گے؟ آپ ایسا خطرہ مول نہیں لیں گے تو آپ آرام کے ماتے ہیں۔ مارگلیت نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا، ''لیکن آپ اگر تارک وطن ہیں اور غریب ہیں یا آپ کبھی امیر تھے اور آپ کے خاندان سے دولت چھین لی گئی--- پھر آپ جفاکشی پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ کی ہار پر نہیں بلکہ جیت پر نظر ہے؛ ہمارے ہاں، تمام آبادی میں، یہی رویہ جاری وساری ہے۔"

Gidi Grinstein سابق وزیر اعظم ایہود بارک کا مشیر اور بل کلنٹن، یاسر عرفات کے درمیان کیمپ ڈیوڈ 2000 سمٹ میں اسرائیلی مذاکراتی ٹیم کا حصہ تھا۔ اس نے اپنے ایک تھنک ٹینک، دی ریوت انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی جس کی توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ اسرائیل 2020 تک کیسے پندرہ امیر ترین اقوام کا ممبر بن سکتا ہے۔ وہ ایک ہی بات پر زور دیتا ہے: "ہمارے خاندان کا کوئی فرد ایک یا دو نسل پیچھے بہت تیزی سے سامان باندھے چھوڑ کر جا رہا تھا۔ تارکین وطن دوبارہ شروع کرنے سے نفور نہیں ہیں۔ وہ تعریف کے مطابق خطرہ مول لینے والے ہیں، تارکین وطن کی قوم اینٹرپرینیورز کی قوم ہے۔"

بیٹر پلیس کا خالق شائی آگاسی ایک عراقی تارک وطن کا بیٹا ہے۔ جب وہ نو سال کا تھا تو اس کے والد، ریوین آگاسی کو اپنے خاندان سمیت جنوبی عراقی شہر بصرہ سے فرار ہونے پر مجبور کیا گیا۔ عراقی حکومت نے تمام یہودی ملازمین کو برطرف کیا، ان کی جائیدادیں ضبط کیں اور کمیونٹی کے ارکان کو بلاوجہ گرفتار کیا۔ حکومت نے بغداد میں سرعام پھانسیاں بھی دیں۔ ریوین نے بتایا، "میرے والد [شائی کا دادا]، بصرہ پورٹ اتھارٹی میں اکاؤنٹنٹ تھا۔ اس کی نوکری جاتی رہی۔ ہمیں اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے، "جائیں بھی تو کہاں، 1950 میں اگاسی خاندان اسرائیل پہنچنے والے 150,000 عراقی پناہ گزینوں کے سیلاب میں شامل ہو گیا۔

اسرائیل میں تارکین وطن کی بڑی تعداد کے علاوہ، ایک اور عنصر جو اسرائیلی امیگریشن کے کردار کو منفرد بناتا ہے: اسرائیلی حکومت کی پالیسیوں نے نو واردان کو ضم کرنے کا عمل اپنایا ہے۔

مغربی ممالک اور اسرائیل کے بانیوں کا امیگریشن پالیسیاں اپنانے کے درمیان براہ راست تعلق ہے۔ سترہویں، اٹھارویں اور انیسویں صدی کے دوران، امریکہ میں امیگریشن بنیادی طور پر کھلی تھی اور بعض اوقات تارکین وطن کو ملک کے غیر ترقی یافتہ علاقے کی آبادکاری میں مدد کیلئے امریکہ آنے والوں کو بھرتی کیا جاتا تھا۔ امریکہ میں 1920 کی دہائی تک امیگریشن کیلئے کوئی عددی حد نہیں تھی، گو صحت کی پابندیاں لاگو تھیں اور خواندگی کا امتحان لیا جاتا تھا۔

نسلی نظریات نے جونہی امریکی امیگریشن پالیسی کو متاثر کرنا شروع کیا، یعنی اس کشادہ دلی میں سختی آنا شروع ہوئی۔ یو۔ایس۔ہاؤس جوڈیشری کمیٹی ایک یوجینکس کنسلٹنٹ، ڈاکٹر ہیری ایچ لافلن، نے زور دے کر کہا کہ بعض نسلیں کمتر ہیں۔ یوجینکس تحریک کے ایک اور رہنما، مصنف میڈیسن گرانٹ نے اپنی کثیر الاشاعت کتاب میں دلیل دی کہ یہودی، اطالوی اور دیگر اپنی کھوپڑی کا سائز مختلف ہونے کی وجہ سے کمتر تھے۔

1924 کے امیگریشن ایکٹ نے "قومی بنیاد" پر امیگریشن میں نئی عددی حدود مقرر کیں۔ 1929 میں نافذ ہونے والے قانون نے سالانہ امیگریشن کوٹے نافذ کئے جو خصوصاً" مشرقی اور جنوبی یورپی، جیسے اطالوی، یونانی اور پولش یہودیوں کے داخلے کو روکنے کے لیے بنائے گئے تھے۔ ہر سال عموماً" صرف ایک سو قانوناً" ممنوعہ لوگوں کو ہجرت کی اجازت دی گئی۔

جب فرینکلن روزویلٹ صدر بنا تو اس نے تبدیلی کے لیے کچھ نہ کیا۔ مؤرخ ڈیوڈ وائمن کہتا ہے، "1938 سے 1945 تک روزویلٹ کے رد عمل کو مکمل طور پر دیکھ کر یورپی یہودیوں کی حالت زار پر کم ہوتی حساسیت کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔" "1942 میں روزویلٹ کو جب یہودیوں کے جاری خاتمے کا علم ہؤا تو اس نے یہ مسئلہ مکمل طور پر اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کر دیا۔ اس نے مسئلہ سے پھر کبھی واقعی مثبت سلوک نہ کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ محکمہ خارجہ کی پالیسی اجتناب---در حقیقت بچاؤ---میں رکاوٹ کی ہے۔"

دوسری جنگ عظیم کے آغاز سے ہی یہودیوں پر امریکہ کے دروازے بند رہے۔ 1930 اور 1940 کی دہائی کے اوائل میں یہودی پناہ گزینوں کے سامنے سب سے بڑے مسئلہ کے ضمن میں امریکہ تنہا نہیں تھا۔ ان کیلئے لاطینی امریکی ممالک نے بھی دروازے کم ہی کھولے۔ یورپی ممالک نے بھی بہترین طور پر دوسری جگہ مستقل آباد کاری کے منصوبے مکمل نہ ہونے کی بنا پر۔ "ٹرانزٹ میں" پہنچنے والے کئی ہزار لوگوں کو صرف تھوڑے وقت کے لیے برداشت کیا۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد بڑے پیمانے پر یہودی قتل عام مشہور ہونے پر بھی مغربی ممالک باقی ماندہ یہودیوں کو خوش آمدید کہنے کو تیار نہیں تھے۔ کینیڈین حکومت نے کئی حکومتوں کے مزاج کی عکاسی کی۔ جب اس کے ایک عہدے دار نے اعلان کیا، "کوئی نہ ہو تو بھی بہت زیادہ ہیں!" اس مدت کے دوران فلسطین کیلئے امیگریشن پر برطانوی کوٹہ بھی تیزی سے تنگ ہو گیا. بہت سے یہودیوں کے لیے صحیح معنوں میں جانے کیلئے کوئی جگہ نہیں تھی۔

تاریخ سے اس گہری آگاہی کہ فلسطین میں برطانیہ کا نوآبادیاتی دور 14 مئی 1948 کو ختم ہو جائے گا، "اسرائیل ریاست کے قیام کا اعلان" کو یہودی عوامی کونسل نے جاری کیا تھا۔ اس میں کہا گیا، "بلائے ناگہانی جو اہل یہود پر نازل ہوئی---یورپ میں لاکھوں یہودیوں کا قتل عام---اس کی دربدری کا مسئلہ حل کرنے میں عجلت کرنے کا ایک اور واضح مظاہرہ تھا---اسرائیل کی ریاست یہودی امیگریشن کے لیے کھلی رہے گی۔"

اسرائیل تاریخ کی واحد قوم بن گئی جس نے اپنے قیام کی دستاویز میں لبرل امیگریشن پالیسی کی واضح طور پر ضرورت بیان کی۔1950 میں اسرائیل کی نئی حکومت نے ''واپسی کے قانون'' کااعلان کر کے وعدہ ایفا کیا،اس بات کی جو آج تک ضمانت دیتاہے کہ "ہر یہودی کواس ملک میں آنے کا حق حاصل ہے۔" یہاں ایسا کوئی عددی کوٹہ نہیں۔

قانون اسے یہودی مانتاہے،"جو شخص یہودی ماں سے پیدا ہوا ہو یا جس نے یہودی مذہب اختیار کیا۔"شہریت کا درجہ یہودیوں کی غیر یہودی بیویوں، غیر یہودی بچوں اور یہودیوں کے پوتے پوتیوں،اوران کے شرکاءحیات کو بھی دیاجاتاہے۔امریکہ میں ایک فرد کو شہریت کی درخواست دینے سے پہلے پانچ سال انتظار کرناپڑتاہے(تین سال اگر ایک امریکی شہری کی/کاشریک حیات ہو)۔امریکی قانون یہ تقاضا بھی کرتاہے کہ شہریت کامتلاشی تارک وطن کو انگریزی سمجھنے کی صلاحیت کامظاہرہ کرنے کے علاوہ شہریات کاامتحان پاس کرے۔اسرائیلی شہریت آمد کے دن سے مؤثر ہو جاتی ہے،اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ تارک وطن کی زبان کیاہے اوراس کیلئے کسی قسم کاکوئی ٹیسٹ بھی نہیں.

ڈیوڈ میک ولیمز نے وضاحت کی کہ اکثر اسرائیلی عبرانی اور کوئی دوسری زبان بولتے ہیں وہ جو آمد پر واحد زبان بولتے تھے۔وہ کہتاہے کہ چند اسرائیلیوں شہروں میں،"یہاں ہر روز ہسپانوی زبانLadinoمیں اخبار شائع ہوتا ہے،قرون وسطیٰ کی ہسپانوی زبان جسے سیفارڈک یہودی بولتے تھے جنہیں 1492 میں اندلسیہ سے فرڈینینڈاور ازابیلانے نکال دیا تھا---تل ابیب کی مصروف Dizengoff گلی کے پرانے کیفے میں جرمن میں گنگنارہے ہیں۔بوڑھے جرمن تارکین وطن اب بھیHoch Deutsch--- گوئٹے،شلراور بسمارک کے دور کی زبان میں بات چیت کرتے ہیں--- سڑک پراور دور جائیں،آپ چھوٹے اوڈیسامیں ہیں۔روسی سائن بورڈ،روسی کھانا، روسی اخبارات، حتیٰ کہ روسی زبان میں ٹیلی ویژن بھی اب معمول بن چکے ہیں۔

شائی اور ریوین اگاسی کی طرح،لاکھوں اسرائیلی بھی ہیں جن کی جڑیں عرب مسلم دنیامیں ہیں۔اسرائیل کی آزادی کے وقت کوئی پانچ لاکھ یہودی صدیوں سے عرب مسلم ممالک میں رہ رہے تھے۔دوسری جنگ عظیم کے بعد بہت سے ممالک کو عرب قوم پرستی کی لہر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، منظم قتل وغارت کی لہر نے یہودیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ان میں سے زیادہ تر اسرائیل پہنچ گئے۔اہم بات یہ ہے کہ اسرائیل غالبا'' واحد ملک ہے جو امیگریشن کو بڑھانا چاہتاہے،لوگوں کی صرف نسلا''اصل یامعاشی حیثیت کی مختصر وضاحت ہی نہیں جیسے ایتھیوپی امیگریشن مشن کے ثبوت۔کابینہ کے عہدہ کاکام استقبال اورامیگریشن کی حوصلہ افزائی کرناہے جس کے پیچھے ایک محنتی مخصوص

وزارت ہے جو یو ایس سٹیزن شپ اینڈ امیگریشن سروس کے برعکس ہے جس کی بنیادی ذمہ داری تارکین وطن کو باہر رکھنے جبکہ اسرائیلی امیگریشن اینڈ ایبزورپشن منسٹری کی تمام توجہ انہیں اندر لانے پر مرکوز ہے۔

اگر اسرائیلی سال کے آخر میں ریڈیو پر سنتے ہیں کہ امیگریشن کم ہو گئی ہے تو یہ ایسی بری خبر جیسی ہے جیسے اطلاعات ہوں کہ اس سال کافی بارش نہیں ہوئی۔ انتخابی موسموں میں وزارت عظمیٰ کے لیے مختلف پارٹیوں کے امیدوار اکثر اپنے دور حکومت کے دوران "ایک ملین تارکین وطن" لانے کا عہد کرتے ہیں۔ ایتھوپیا کی ایئر لفٹ کے علاوہ یہ عہد بار بار کیا گیا بلکہ کبھی کبھار ڈرامائی طور پر مظاہرہ بھی کیا گیا. ایسی ہی ایک مثال آپریشن میجک کارپٹ ہے جس میں 1949 سے 1950 کے درمیان اسرائیلی حکومت نے خفیہ طور پر برٹش اور امریکی ٹرانسپورٹ اضافی طیاروں کے ذریعہ انتالیس ہزار یمنی یہودیوں کو اسرائیل پہنچایا۔ یہ غربت زدہ یہودی تھے جن کا اپنے طور پر اسرائیل پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ عدن میں مزید ہزاروں لوگ کچی برطانوی فضائی پٹی پر تین ہفتے کے سفر میں زندہ نہ بچ سکے۔۔

امیگریشن کی سب سے کم معلوم کوشش شاید دوسری جنگ عظیم کے بعد رومانیہ کے متعلق ہے۔ 1940 کی دہائی کے آخر میں تقریباً 350,000 یہودی رومانیہ میں مقیم تھے، اگرچہ چند فلسطین فرار ہو گئے، باقی ماندہ کو کمیونسٹ حکومت نے یرغمال بنالیا۔ اسرائیل نے سب سے پہلے رومانیہ سے 100,000 ایگزٹ ویزوں کے بدلے پٹرولیم کی صنعت کیلئے برمے اور پائپ فراہم کیے۔ 1960 کی دہائی میں رومانیہ کے ڈکٹیٹر نکولائی چیوایسکو نے یہودیوں کو ملک چھوڑنے کی اجازت دینے کے لیے نقد رقم کا مطالبہ کیا۔ 1968 اور 1989 کے درمیان اسرائیلی حکومت نے چیوایسکو کو 40,577 یہودیوں کی آزادی کے لیے 112,498,800$ ادا کئے جو 2,772 ڈالر فی کس بنتے ہیں۔ اسرائیلی حکومت نے اس پس منظر میں اسرائیلی امیگریشن اینڈ ایبزورپشن منسٹری کا اہم ترین مشن تارکین وطن کو معاشرے میں ضم کرنا سونپا ہے۔

زبان کی تربیت انتہائی فوری اور جامع ترین ترجیحات میں سے ہے۔ حکومت نے آج تک نئے تارکین وطن کے لیے روزانہ پانچ گھنٹے، کم از کم چھ ماہ کے لیے مفت عبرانی تعلیم کا اہتمام کیا: حکومت مزید برآں زبان کی تربیت کے دوران رہائشی اخراجات میں مدد کے لیے وظیفہ بھی فراہم کرتی ہے تاکہ نئے آنے والے خورد و نوش کے اخراجات پورا کرنے میں مشغول ہونے کے بجائے نئی زبان سیکھنے پر توجہ مرکوز کر سکیں۔ غیر ملکی تعلیم کو تسلیم کرنے کے لیے، وزارت تعلیم کا غیر ملکی ڈگریوں کی تشخیص کا ایک محکمہ ہے۔ حکومت پیشہ ورانہ لائسنسنگ کے امتحانات کی تیاری میں تارکین وطن کی مدد کے لیے کورسز مہیا کرتی ہے۔ آنے والے سائنس دانوں کو دی سینٹر فار ایبزورپشن اِن سائنس دانوں کو اسرائیلی آجروں سے ملانے میں مدد کرتا ہے اور ایبزورپشن منسٹری انٹرپرینیورشپ مراکز بھی چلاتی

ہے جو سٹارٹ--اپ سرمایہ حاصل کرنے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ حکومتی مدد ایسے جاذب پروگراموں کیلئے بھی ہے جو اسرائیلی شہریوں نے آزادانہ طور پر خود شروع کیئے۔

عاشر الیاس کو یقین ہے کہ اسرائیل میں غیر معمولی تعریف کی حامل ہائی ٹیک انڈسٹری میں ایتھوپیا کے لوگوں کا مستقبل ہے۔ الیاس کے والدین 1960 کی دہائی میں ایتھیوپی یہودیوں کی بڑے پیمانے پر ہجرت سے تقریباً بیس سال قبل اسرائیل آئے۔ عاشر کی بڑی بہن، رینا، پہلی ایتھیوپی-اسرائیلی تھی جو اسرائیل میں پیدا ہوئی۔ الیاس نے کالج آف میں بزنس ایڈمنسٹریشن میں ڈگری مکمل کرنے کے بعد یروشلم میں ایک ہائی ٹیک مینجمنٹ کمپنی میں مارکیٹنگ کی نوکری کی اور سافٹ ویئر انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے یروشلم کی سیلاح یونیورسٹی میں داخلہ بھی لے لیا---وہ ہمیشہ سے کمپیوٹر کا متوالا رہا تھا۔ الیاس اسرائیل کے ہائی ٹیک سیکٹر میں صرف چار دیگر ایتھیوپی دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اس نے کہا کہ ایتھیوپیوں کے لیے عمدہ مواقع میسر نہیں تھے۔ "ہائی ٹیک سیکٹر میں عمدہ مواقع صرف کمپیوٹر سائنس کے محکموں کے ذریعے عوامی یونیورسٹیوں یا نجی ٹیکنکل کالجوں میں تھے۔ ایتھیوپی طلباء ہائی سکول میٹرک کے امتحانات میں کارکردگی اچھی نہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ یونیورسٹیوں میں داخل نہ ہو سکتے تھے؛ پرائیویٹ کالج بہت مہنگے تھے۔ الیاس نے ایک مختلف راستے کا تصور کیا۔ اس نے 2003 میں ایک امریکی سافٹ ویئر انجینئر کے ساتھ مل کر ٹیک کیریئرز کے نام سے ایک منافع—مقصود-- نہیں تنظیم قائم کی، نئے ایتھیوپیوں کو ہائی ٹیک میں ملازمتوں کی تیاری کے لیے ایک سخت انظباطی کیمپ شروع کیا۔

بین گوریون نے ریاست کے قیام سے پہلے اور بعد میں امیگریشن کو ملک کی اولین ترجیحات میں سے سمجھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ تارکین وطن جن کی کوئی محفوظ پناہ گاہ نہیں، ان ضرورت مندوں کی نوخیز یہودی ریاست میں آنے کیلئے سفر میں مدد کی جائے؛ بہت اہم بات شاید یہ کہ زمین آباد کرنے، اسرائیل کی جنگوں میں لڑنے اور نوزائیدہ ریاست کی معیشت میں جان ڈالنے کیلئے مہاجر یہودیوں کی ضرورت تھی۔-یہ حقیقت آج بھی عیاں ہے.

باب 8

مادر وطن سے باہر بکھراؤ

ہوائی جہاز چوری کرنا

جیسن کے ساتھ ان یونانیوں کی طرح جو سنہری اون کی تلاش میں نکلے تھے، نئے آر گو ناٹس غیر ملک میں پیدا ہونے والے تکنیکی طور پر ہنر مند اینٹرپرینیور ہیں جن کی سلیکون ویلی اور آبائی ممالک کے درمیان آمدورفت رہتی ہے--- اینالی سیکسینین

جان چیمبرز نے اپنی بات واضح کرنے کے لیے اسٹیج کے ساتھ لگی بڑی بڑی سیڑھیوں کی طرف یہ کہتے ہوئے ڈگ بھرے، "آج کے پروگرام میں ہم بیس سال قبل پہلا راؤٹر متعارف کروانے کے بعد جدت میں سب سے بڑی چھلانگ لگا رہے ہیں۔" وہ 2004 کی سِسکو کانفرنس میں بلا تار مائیکروفون سے بول رہا تھا۔ وہ اگرچہ بزنس سوٹ پہنے ہوئے تھا، سِسکو کا 54 سالہ چیف ایگزیکٹو--- جس کی ٹیک بُوم کے دوران مارکیٹ ویلیو جنرل الیکٹرک سے زیادہ تھی---ایسا لگتا تھا کہ وہ شائد حسب معمول رقص کرنا شروع کر دے گا۔

ڈرامہ کو صحیح طریقے سے رچانے کے بعد چیمبرز ایک بڑی الماری جیسے جنگلے کی طرف بڑھا اور تین پیچیدہ قسم کے باکس دکھانے کیلئے پٹ کھول دیئے، ہر ایک باکس ریفریجریٹر کے سائز اور شکل جیسا تھا۔ یہ اپنی تمام شان کبریائی لئے CRS-1 تھا۔ بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ راؤٹر کیا ہے، بدیں وجہ انہیں چیمبرز کے جوش و خروش کے متعلق پریشانی ہو سکتی ہے۔ راؤٹر چند پرانے موڈیم جیسا ہوتا ہے جو ہم کمپیوٹرز کو انٹرنیٹ سے جوڑنے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ اگر انٹرنیٹ ایک بڑے معلوماتی دریا جیسا ہے جس سے ہمارے تمام کمپیوٹر جڑتے ہیں تو راؤٹرز بالکل معاون ندیوں کے جنکشن ہیں جو اسے معلومات فراہم کرتے ہیں اور یہ بڑے تنگ گلہ ہیں جو مجموعا" انٹرنیٹ کی صلاحیت کا تعین کرتے ہیں۔ صرف چند کمپنیاں ہی اعلیٰ ترین راؤٹرز بنا سکتی ہیں۔ سِسکو---مائیکروسافٹ کی طرح آپریٹنگ سسٹمز کے لیے، چِپس کے لیے اِنٹیل، اور انٹرنیٹ پر تلاش کے لیے گوگل—کا اس مارکیٹ پر غلبہ ہے۔ CRS-1 کی نقاب کشائی سے پہلے اسے پرواں چڑھانے میں چار سال اور 500$ ملین لگے؛ گنز ورلڈ ریکارڈ بک کی موجودہ جلد میں بطور دنیا کے تیز ترین راؤٹر جگہ حاصل کی۔ "ہمیں یہ اندراج پسند آیا کیونکہ اعداد و شمار بے شمار ہیں، گنز ورلڈ ریکارڈز کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ایڈیٹر ڈیوڈ ہاک سیٹ نے کہا، "میں گھر پر ابھی وائرلیس نیٹ ورک لگوا کر 54 میگا بِٹس فی سیکنڈ کی تھروپُٹ سے کافی خوش تھا، لیکن 92 ٹیرا بِٹس بالکل ناقابل یقین ہے۔"

ٹیرابِٹ میں ٹیرا کا مطلب ہے "ٹریلین"، لہذا ایک ٹیرابٹ ایک ملین میگابٹ ہے۔ سِسکو کے مطابق CRS-1 میں امریکی لائبریری آف کانگریس کی تمام چھپائی کو 4.6 سیکنڈ میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی صلاحیت ہے۔ اسی کام کیلئے ڈائل---اپ موڈیم کو تقریباً بیاسی سال لگیں گے۔ CRS-1 کا ایک اہم حامی ایک اسرائیلی بنام مائیکل لا اور

تھا۔ بیر شیبہ، اسرائیل میں بین گوریون یونیورسٹی سے انجینئر نگ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اس نے کیلیفورنیا کی سِسکو کمپنی میں گیارہ سال کام کیا۔ وہ وہاں انجینئر نگ اور فن تعمیر کا ڈائریکٹر بن گیا۔

اس نے 1997 میں اسرائیل واپس آنے کا فیصلہ کیا۔ سِسکو نے ایک بے مثال انجینئر کھونے کے بجائے اسرائیل میں کمپنی کے لیے ایک R&D سنٹر کھول دیا—جو امریکہ کے باہر پہلا سینٹر تھا۔ لااور نے قریبا" اسی وقت بڑے پیمانے پر CRS-1 جیسے راؤٹر کی ضرورت پر بحث شروع کر دی۔ اس وقت انٹرنیٹ کافی جوان تھا اور یہ خیال کہ کیا اتنے بڑے راؤٹر کیلئے بڑی مارکیٹ ہو سکتی ہے؟ یہ بڑی ناممکن سی بات لگ رہی تھی۔ "لوگوں نے سوچا کہ ہم اس شے کو تیار کرنے میں چار سال قبل قدرے پاگل سے لگ رہے تھے،" اس وقت سِسکو کے ٹونی بیٹس نے کہا، "آپ چبانے سے بڑا لقمہ لے رہے ہیں،" اور پوچھا، اس قدر گنجائش کی ضرورت کیسے ہو گی؟

اس وقت یہ دیکھنا مشکل تھا کہ انٹرنیٹ جو صرف ای-- میل اور پہلی ویب سائٹس کے ساتھ شروع ہو رہا تھا، چند سال میں تصاویر، ویڈیوز اور گیمز ڈیٹا کے بہاؤ کو منتقل کرنے کیلئے ایک ناقابل تسکین ضرورت لئے تیزی سے بہت بڑے پیمانے پر غبارہ کی طرح پھول جائے گا۔ CRS-1 کمپنی کا اب تک سب سے بڑا اور وسیع پروجیکٹ تھا۔ اسرائیل کو لااور اور اس کی ٹیم چپس اور تعمیر کرنے کے ڈیزائن کیلئے ٹیکنالوجی کو ایک نئی سطح پر لانے کی ضرورت تھی۔ چیمبر ز نے جب آخر کا 2004 کی کانفرنس میں CRS-1 کی نقاب کشائی کی تو وہ پر جوش ہونے میں حق بجانب تھا۔

ایک مرتّب روٹرز کی قیمت تقریباً 2 ملین ڈالر تھی۔ کمپنی نے 2004 کے آخر تک چھ مشینیں فروخت کیں۔ اپریل 2008 میں کمپنی نے اعلان کیا کہ نو ماہ سے بھی کم عرصے میں CRS-1 کی فروخت دوگنی ہو گئی ہے۔

2008 تک، ایک دہائی قبل لااور کے ذریعے کھولے گئے مرکز میں ملازمین کی تعداد سات سو تھی۔ سِسکو کے نو اسرائیلی سٹارٹ--اپس کے حصول کے ساتھ اس میں تیزی سے اضافہ ہوا جو سِسکو نے دنیا میں کہیں دوسری جگہ کے مقابلتا" زیادہ خریدیں۔ سِسکو نے اس کے علاوہ دوسرے اسرائیلی سٹارٹ--اپس میں براہ راست مزید 150$ ملین کی سرمایہ کاری کی، اور 45 ملین ڈالر خاص اسرائیل وینچر کیپٹل فنڈز میں لگائے۔ سِسکو نے اسرائیلی کمپنیاں خریدنے اور سرمایہ کاری کے لیے ٹوٹل تقریباً 1.2 بلین ڈالر خرچ کیے۔

یوآو سامِت، IDF کے ایلیٹ 8200 اِنٹیلی جنس ٹیکنالوجی یونٹ کا گریجویٹ جواب اسرائیل، سابق سوویت یونین اور وسطی یورپ کے لیے سِسکو کے حصول کا شعبہ چلاتا ہے، کا کہنا ہے کہ سِسکو اسرائیل انڈیا اور چین سمیت، کمپنی کے بیرون ملک سب سے بڑی مراکز میں سے ہے۔ "لیکن،" اس نے توجہ دلائی، "چین اور انڈیا میں

انجینئرنگ کا بہت سا کام کیا جاتا ہے لیکن خالص جدت طرازی اور حصول کی سرگرمی کیلئے اسرائیل اب بھی سر فہرست ہے۔"

مائیکل لااور نے اگر گھر آنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو اس بات کا امکان نہ تھا کہ سِسکو اسرائیل میں اتنی گہری سرمایہ کاری کرتی اور اس کی اسرائیلی ٹیم تقریباً فوری طور پر کمپنی کے بنیادی کاروبار کیلئے مرکزی بن جاتی۔Intel کے Dov Frohmanاور بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح Laor کا امریکہ یا کسی اور جگہ سے علم اور تجربہ حاصل کرنے کا فیصلہ بالآخر اس کے آجر ملٹی نیشنل کمپنی اور اسرائیلی معیشت، دونوں کا فائدہ بڑھنے پر منتج ہوُا۔

اسرائیل سمیت کئی ممالک اس حقیقت پر ماتم کرتے ہیں کہ ان کے چند ذہین ترین ماہرین تعلیم اور انٹرپرینیورز بیرون ملک چلے جاتے ہیں، مائیکل لااور جیسے لوگ بھی ہیں کہ "برین ڈرین" یک طرفہ گلی نہیں ہے۔ محققین کو بین الاقوامی نقل مکانی در حقیقت تیزی سے ایک ایسے مظہر کی یاد دلاتی ہے جسے وہ "برین سرکولیشن" کہتے ہیں۔اس کے تحت باصلاحیت لوگ بیرون ملک آباد ہو جاتے ہیں پھر اپنے ملکی گھر لوٹتے ہیں وہ یعنی دونوں ممالک میں مکمل طور پر "کھوئے" نہیں۔رچرڈ ڈیوین نے ورلڈ بینک کی تحقیق میں لکھا ہے، ''گزشتہ دہائی کے دوران چین، بھارت، اور اسرائیل کی سرمایہ کاری یا ٹیکنالوجی میں جو بہت "ترقیاں ہوئی ہیں وہ تینوں ممالک میں غیر ملکی رہائشیوں کی قیادت کی مرہون منت ہیں۔"

اینالی سیکسانیان، یوسی برکلے میں معاشی جغرافیہ دان اور The New Argonauts کی مصنفہ نے لکھا ہے، ''یونانیوں کی طرح جو **جیسن** کے ساتھ سنہری اون کی تلاش میں بحری جہاز لے کر نکلے تھے سیکسانیان لکھتی ہے، "نئے سورما غیر ممالک میں پیدا ہونے والے تکنیکی طور پر ہنر مند انٹرپرینیورز ہیں جو سلیکون ویلی اور آبائی ممالک کے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں۔" وہ بتاتی ہے کہ چین، بھارت، تائیوان، اور اسرائیل میں ترقی پذیر ٹیک سیکٹرز میں—— خصوصاً ''آخری دو ممالک--- جدت طرازی کے اہم عالمی مراکز" کے طور پر ابھرے جن کی پیداوار جرمنی اور فرانس جیسی بڑی اور دولت مند قوموں سے بڑھ گئی''۔اس کا دعویٰ ہے کہ ان گہری تبدیلیوں کے علمبردار وہ لوگ ہیں، "جنہوں نے سلیکون ویلی کی ثقافت میں غوطہ زن ہو کر سیکھا۔'' یہ اسرائیل اور تائیوان میں در حقیقت 80 کی دہائی کے آخر میں، اور انڈینوں اور چینیوں میں 90 یا 2,000 کی دہائی کے آغاز سے شروع ہوُا سِسکو کا مائیکل لااور اور اِنٹیل کا ڈووفرومین نئے عظیم سورما تھے۔وہ بڑی بین الاقوامی کمپنیوں میں علم اور پیشہ ورانہ مقام حاصل کرنے کے باوجود ہمیشہ اسرائیل واپس جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔جب انہوں نے ایسا کیا تو وہ نہ صرف

اسرائیل کی تکنیکی ترقی کے مدد بن گئے بلکہ ایسے اسرائیلی کاموں کی بنیاد رکھی جنہوں نے آجر کمپنیوں کے لیے بھی اہم دریافتیں کیں۔ نیاسورما یا "برین سر کولیشن"، بیرون ملک جانے اور پلٹنے والے اسرائیلیوں کے اختراعی ماحولیاتی نظام ماڈل کا اسرائیل اور بیرون ملک اسرائیلیوں کے بکھراؤ کو متحد کرنے کا اہم حصہ ہے۔

ایک اور بیرون ملک بکھراؤ نیٹ ورک غیر --اسرائیلی یہودی بیرون ملک بکھراؤ ہے۔اسرائیل اپنی کامیابی کا زیادہ تر ایک گہرے بیرون ملک بکھراؤ نیٹ ورک کا مرہون منت ہے جو دیگر ممالک آئر لینڈ سے انڈیا اور چین تک کے ممالک نے بھی اختیار کیا ہے۔ غیر اسرائیلی --یہودی بیرون ملک بکھراؤ کے تعلقات خود کار نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اسرائیل میں ٹیک سیکٹر کی ترقی کے لیے مُمِد کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

چین کا بیرون ملک بکھراؤ در حقیقت چین میں براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری ذریعہ (FDI) کا 70 فیصد ہے اور انڈیا کے بیرون ملک بکھراؤ نے اپنے وطن کے ہائی ٹیک انفراسٹرکچر کی تعمیر میں اس وقت مدد کی جب ملک کی معیشت اور قانونی نظام دونوں پس ماندہ تھے، جبکہ اسرائیل کا تجربہ اس سے مختلف رہا ہے۔امریکی یہودی سرمایہ کاروں کی اکثریت تاریخی طور پر اسرائیلی معیشت کے قریب نہ پھٹکی۔اسرائیل کو کامیاب ہونے میں زیادہ وقت نہ لگا؛تب بہت سے بیرون ملک بکھرے یہودیوں نے بطور ہمدردی اور انسان دوستی کے بجائے اسرائیل کو کاروباری ملک کے طور پر دیکھنا شروع کیا۔

اسرائیل کو یہ سیکھنے کی تخلیقی ضرورت تھی کہ وہ معیشت کی مدد کے لیے اپنی بیرون ملک بکھری کمیونٹی کی صلاحیتوں کو کیسے استعمال کرے۔اسرائیلیوں کے رجوع کرنے کی روایت کہ بیرون ملک بکھراؤ کے ایک بہت ہی چھوٹے لیکن پرجوش ذیلی گروہ سے اس ریاست کی تعمیر کیلئے مدد کیسے لی جائے، اس کی جڑیں اسرائیل کی اسٹارٹ---اپ ایئر فورس جیسے اداروں میں ہیں۔

1951 میں قطب شمالی پر ایک ہچکولے کھاتی پرواز کے دوران اسرائیلی ہوائی جہاز کی صنعت کے خیالی منصوبے نے جنم لیا جس میں اسرائیل کی نئی قومی ایئر لائن کا پہلا طیارہ بننے جارہا تھا۔ بات چیت متزاد مزاج جوڑی کے درمیان ہو رہی تھی: شمعون پیریز، مستقبل کا صدر جو 1951 میں نئی یہودی ریاست اسرائیل کیلئے ہتھیار خریدنے کا ماہر سربراہ تھا، اور ال شوِمر، ایک امریکی بکاؤ بانکا، لاس اینجلس سے ایوی ایشن انجینئر جس کے دوستوں میں ہاورڈ ہیوز اور کرک کرکوریاں شامل تھے۔ شوِمر کا پہلا نام ایڈولف تھا لیکن اس نے دوسری جنگ عظیم کے پس منظر میں ال منتخب کیا۔

پیریزاور شوئمر اسرائیل کی نوخیز فضائیہ کے لیے استعمال شدہ طیاروں میں آرکٹک ٹنڈرا پر پروازیں کررہے تھے۔ قطب شمالی پر پرواز کرنا خطرناک تھا لیکن راستہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے انہوں نے خطرہ مول لیا--تباہ حال طیاروں کو اڑاتے وقت یہ کوئی معمولی خطرہ نہ تھا۔

ال شوِمر،قصہ گو شاطر تھا جو ایئرلائن کاروبار کے بالکل آغاز سے اس کا گرویدہ ہو چکا تھا جب اڑنے والی مشینیں ایک غیر ملکی انوکھی اشیاء تھیں۔امریکہ جب دوسری جنگ عظیم میں شامل ہؤا تو وہ TWA کا ملازم تھا؛تب تمام ایئر لائنوں کو بھی جنگ میں شامل کر لیا گیا۔وہ سرکاری طور پر گو امریکی ایئر فورس میں نہیں تھا لیکن اسے اور اس کے ساتھی ہوابازوں کو فوجی عہدے اور وردیاں دی گئیں۔اس نے جنگی دستوں،ساز وسامان اور کبھی کبھار کسی فلمی سٹار کیلئے تمام دنیا میں نقل وحمل کا کام کیا۔

شوِمر،کو جنگ کے دوران بطور یہودی شناخت بالکل پروا نہ تھی اور تقریباًنہ ہی اس کی سوچ یا طرز زندگی پر کوئی اثر تھا لیکن ایک آزاد کردہ حراستی کیمپ اور ان گنت لاشوں کی نیوزریل فوٹیج اور یہودی پناہ گزینوں سے گفتگو کے بعد ان کی یورپ سے فلسطین پہنچنے کی کوشش نے اسے بدل دیا۔شوِمر،تقریباًراتوں رات ایک پابند صہیونی بن گیا۔

اس نے جب سنا کہ فلسطین میں انگریز یورپی یہودی پناہ گزینوں سے بھرے جہاز واپس کررہے تھے تو شوِمر،کے ذہن میں ایک بہتر طریقہ کا خیال آیا: برطانوی بحریہ کی گشت پر پرواز کرتے ہوئے یہودیوں کو پوشیدہ ہؤائی اڈوں پر اتار کر انہیں اسمگل کریں۔اس نے نیویارک میں بین گوریون کے خفیہ سفیر کا سراغ لگا کر اسے یہ خیال پیش کیا۔ فلسطین کی مرکزی زیرزمین یہودی فوج ہاگاناہ کے نمائندہ نے مہینوں تاخیر کی۔یہ جب واضح ہو گیا کہ انگریز کے جلد ہی چلے جانے کے ساتھ ہی اسرائیل کی آزادی کیلئے عرب--یہودی بڑی جنگ شروع ہو جائے گی،تب ہاگاناہ نے شوِمر،سے رابطہ کیا۔

اس وقت انہیں پناہ گزینوں کی سمگلنگ سے بھی زیادہ،ایک فضائیہ تعمیر کرنے کی فوری ضرورت تھی۔ہاگاناہ کے پاس ایک بھی طیارہ نہیں تھا اور مصری فضائیہ کے سامنے بالکل نہتا تھا۔کیا شوِمر،لڑاکا طیارے خرید کر ان کی مرمت کرکے انہیں اسرائیل میں سمگل کر سکتا ہے؟

شوِمر،نے بین گوریون کے ایجنٹوں کو بتایا کہ وہ یہ کام فوراً''شروع کردے گا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ 1935 کے نیوٹریلیٹی ایکٹ کیے تحت امریکی شہریوں کو حکومت کی اجازت کے بغیر ہتھیار برآمد کرنا قانون کی خلاف ورزی تھا۔ یہ صرف جرآت مندانہ ہی نہیں مجرمانہ فعل تھا۔

شوِمرؔ نے چند ہی دنوں کے اندر امریکہ اور برطانیہ سے مٹھی بھر یہودی پائلٹوں اور میکینکوں کا سراغ لگالیا۔ اس نے انہیں یہ بتایا کہ یہ پہلی سویلین یہودی ایئرلائن ہوں گی۔ اسے رازداری کا جنون تھااور انہیں لڑاکا طیارے بنانے کی رازداری میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہت کم لوگوں کو اطلاع دی گئی کہ طیارے اسرائیل کے لیے روانہ کئے جا رہے ہیں۔

باہر والوں نے دریافت کیاتو انہیں یہ کہہ کر خفیہ رکھا گیا کہ وہ مویشیوں کو یورپ لے جانے کی خاطر یہ جہاز پاناما کی نیشنل ایئرلائن کیلیئے بنا رہے ہیں۔

ایف بی آئی نے اگرچہ سب سے بڑاطیارہ -- تھری کانسٹیلیشنز ضبط کر لیا-- شوِمرؔاور اس کا گروہ دوسرے ہوائی جہازا سمگل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چند ایک کو لفظا "ایف بی آئی ایجنٹوں کے سروں پر اڑتے ہوئے طیاروں کو زمیں پر لانے کا مطالبہ کیا۔ ہاگاناہ نے عین آخری وقت پر چیکوسلواکیہ سے جرمن میسر شمٹ طیارے خریدنے کے لیے علیحدہ سودے بازی کی جنہیں اسرائیل لے جانے کی ذمہ داری بھی شوِمرؔ پر آن پڑی۔

1948 کی جنگ آزادی میں شوِمرؔ کے لڑاکا جہاز مصری طیاروں سے لڑے جو تل ابیب پر بمباری کر رہے تھے۔ بعض لڑائیوں میں کم تربیت یافتہ اسرائیلی پائلٹوں نے اس بات کو یقینی بنانے میں اہم کردار ادا کیا کہ صحرائے نیگیو--- نسبتاً یروشلم اور تل ابیب کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر شروع ہونے والی زمین کی بڑی مثلثی پٹی، مصری سینا اور اردن کے درمیان-- اسرائیل کا حصہ بن گئی۔

جنگ آزادی میں اسرائیل کے غالب آنے کے بعد شوِمرؔ ایک مطلوب آدمی ہونے کی وجہ سے امریکہ واپس آیا۔ ایف بی آئی نے اس کی اسمگلنگ اسکیم اور امریکی محکمہ انصاف نے اس کے خلاف ایک فوجداری مقدمہ تیار کیا۔ اس کا ٹرائل، اور اس کے بھرتی کئے کئی پائلٹوں سمیت، ردعمل عوامی جوش میں ڈھل گیا۔ ملزمان نے اس بناپر جرم قبول کرنے سے انکار کیا کہ قانون خود غیر منصفانہ تھا۔ شوِمرؔ جرمانہ ادا کرکے بری ہو گیا جسے بڑے پیمانے پر بطور معافی سمجھا گیا۔

شوِمرؔ کو بری ہونے کے بعد اسمگلنگ کا کھیل شروع کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ شوِمرؔ 1950 میں شمعون پیریز، بین گوریون کے زیر حفاظت ایک نوجوان جو نئی اسرائیلی وزارت دفاع کے لیے کام کر رہا تھا، کے ساتھ مل گیا۔ پیریز نے اسرائیلی فضائیہ کے لیے تیس اضافی مسٹینگ طیارے خریدنے کی کوشش کی لیکن امریکہ نے انہیں تباہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے پنکھ کاٹنے کے علاوہ ڈھانچے کو بھی دولخت کر دیا گیا تھا۔

شومرؔ کی ٹیم نے دولخت کئے طیارے ٹیکساس کے ایک کباڑیئے سے قیمت خرید پر خرید کر ان کی تعمیر نو کی اور اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کے تمام پرزے چالو حالت میں موجود تھے۔ ٹیم نے ہوائی جہازوں کو دوبارہ ادھیڑ کر کریٹوں میں بند کیا اور ان پر ''آبپاشی کے آلات'' کا نشان لگا کر اسرائیل بھیج دیا۔

اس عجلت کے پیش نظر کہ طیارے جلد از جلد اسرائیل پہنچ جائیں، چند جہاز سالم چھوڑ دیئے گئے تھے جنہیں شومرؔ اور پیریز خود اڑا کر تل ابیب لے گئے۔۱۸ انہوں نے اسی طرح 1951 میں مستقبل میں اسرائیلی ہوابازی کی صنعت کے متعلق بات کی۔ پیریز اسرائیل میں طیارہ سازی کی صنعت کی تشکیل کیلئے شومرؔ کے خیالات پر فریفتہ ہو گیا جو وقتی فوجی حکمت عملی سے آگے ایک مقصد کی تکمیل کرے گی۔ یہ پیریز کا اسرائیل میں صنعتیں قائم کرنے میں دلچسپی کا حصہ تھا۔

شومر نے اصرار کیا کہ جنگ کی وجہ سے دنیا فاضل طیاروں سے بھری پڑی ہے۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ اسرائیل اپنی تجارتی صنعت کی تعمیر سمیت سستے طیارے خرید کر مرمت کر کے انہیں بہتر بنا کر دیگر ممالک کی فوجوں اور ایئر لائنوں کو فروخت نہ کر سکے۔ پیریز تھوڑی دیر بعد امریکہ لوٹ کر شومر کو ساتھ لئے بین گوریون سے ملاقات کیلئے گیا جو بین گوریون کا بحیثیت اسرائیلی وزیر اعظم پہلا امریکی دورہ تھا۔

شومر نے سلام کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ بین گوریون نے پہلا سوال داغا۔ ''کیا تم عبرانی سیکھ رہے ہو؟ وہ جنگ آزادی کے دوران بارہا مل چکے تھے۔ شومر نے ہنس کر موضوع بدل دیا، "کیلیفورنیا میں لڑکیاں خوب ہیں، آپ کا کیا خیال ہے مسٹر پرائم منسٹر؟

بین گوریون جاننا چاہتا تھا کہ شومر کس چیز پر کام کر رہا ہے۔ شومر نے اسے بحالی کرنے کے متعلق بتایا۔ "کیا تم ان چھوٹی سی مشینوں سے ہوائی جہازوں کی بحالی کر سکتے ہو؟'' شومر نے سر ہلایا۔ بین گوریون نے کہا، ''ہمیں اسرائیل میں اس طرح کی ضرورت ہے۔

ہمیں اس سے بھی زیادہ ایک حقیقی ہوابازی کی صنعت کی، خود مختار ہونے کی ضرورت ہے۔" شومر نے ٹنڈرا پر سے پرواز کرتے ہوئے پیریز سے بالکل یہی بات کہی تھی۔ "تو تمہارا کیا خیال ہے؟"

شومر لاعلم تھا کہ بین گوریون نے حال ہی میں ٹیکنیون کو ایروناٹیکل انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ قائم کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس نے حکم دیتے وقت کہا تھا، ''ایک اعلیٰ معیار زندگی؛ ایک خطیر ثقافت؛ روحانی، سیاسی اور اقتصادی آزادی--- فضائی تسلط کے بغیر ممکن نہیں۔''"

یقیناً، مجھے لگتا ہے کہ آپ صحیح ہیں، "شومر نے پرائم منسٹر کے جال میں پھنستے ہوئے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ آپ ایسا سوچتے ہیں۔ ہم آپ سے متوقع ہیں کہ آپ اسرائیل واپس آکر ہمارے لئے تعمیر کریں۔"

شوئمر نے انتہائی حیرانی سے پیریز کی طرف دیکھا۔ "بس، کرڈالو، ال، " پیریز نے کہا۔ شومر نے مزاحمت کی۔ اس نے فوراً اسرائیلی فضائیہ کے سربراہوں اوران کے ساتھ ہونے والی عام ملاقاتوں اور چھوٹے لیکن طاقتور اسرائیلی ادارے کے متعلق سوچنا شروع کیا۔ وہ علاوہ ازیں عبرانی نہیں بولتا تھا۔ وہ پارٹی کا اندرون میں سے نہیں تھا۔ اسے سیاست اور افسر شاہی سے نفرت تھی۔ ایوی ایشن انڈسٹری بنانے کی کوشش کرنے والے کا توذکر ہی کیا اسرائیلی سوشلسٹ معاشی منصوبہ بندی اور لنگوٹوی سیاست کا امتزاج کسی کے لیے دم گھٹنے کا باعث ہو سکتا ہے۔

اس نے بین گوریون کو بتایا کہ وہ کمپنی صرف اسی صورت میں بنا سکتا ہے جب یہ لنگوٹیوں سے پاک ہو---سیاسی نوکریوں کی اجازت نہیں ہو۔ اس نے بین گوریون کو بتایا کہ ایک نجی کمپنی جو منظم تجارتی خطوط پر ہو۔

بین گوریون نے جواب دیا، "آؤ، آپ اسرائیل کے لیے بالکل مناسب ہیں۔"

شومر واقعی اسرائیل گیا۔ اس نے دو اسرائیلیوں کے ساتھ پانچ سال میں بیڈک، ہوائی جہاز کی دیکھ بھال کرنے والی کمپنی قائم کی جو ملک کی سب سے بڑی نجی آجر بن گئی۔

بیڈک 1960 میں ایک ترمیم شدہ فرانسیسی فوگا لڑاکا طیارہ تیار کر رہا تھا۔ جہاز کی ایک سرکاری نقاب کشائی اور آزمائشی پرواز پر، جسے ٹسوکائٹ (عبرانی میں "نگل جانا")، کہا جاتا ہے، بین گوریون نے شومر کو بتایا، "یہ جگہ اب محض بیڈک نہیں ہے۔ آپ مرمت سے آگے نکل گئے ہیں۔ تم لوگوں نے جیٹ بنایا ہے۔ اس کا نیانام اسرائیل ایئر کرافٹ انڈسٹری ہونا چاہیے۔" پیریز نے جواب نائب وزیر دفاع تھا، کمپنی کے نئے نام کا ترجمہ کیا۔

پیریز اور بین گوریون مدد کے لیے ایک امریکی یہودی کو بھرتی کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اسرائیل کی معیشت کو، یہ سب کچھ کسی سرمایہ کاری کا ایک ڈالر لئے بغیر، سب سے بڑی طویل المدتی ترقی کا عنصر فراہم کیا۔

باب 9

بفیٹ ٹیسٹ

تمام دنیا میں ہمارے صارفین کے لیے کوئی جنگ وغیرہ نہیں تھی۔ **---ایتان ورتھائمر**

''ہم یہاں مائیکروسافٹ کے کارکن چرانے نہیں آئے،'' گوگل کی یوئل ماریک نے کہا۔ "لیکن،" اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا، "اگر انہیں لگتا ہے کہ وہ ہماری معیت میں خوش ہوں گے تو خوش آمدید۔" صرف دس ہفتے پہلے حیفہ پر حزب اللہ کے میزائلوں کی بارش ہو رہی تھی، گوگل کے R&D مرکز کا گھر جس کی وہ سربراہی کر رہی تھی۔ وہ تل ابیب میں ایک سال کے عرصہ میں گوگل کی خلا میں دوسری تحقیقی سہولت کھول رہی تھی۔

یوئل ماریک فرانس میں پلی بڑھی، اس نے وہاں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کولمبیا یونیورسٹی سے کمپیوٹر سائنس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ حیفہ --- گوگل اسرائیل کے R&D آپریشنز کی سربراہی کرنے سے پہلے اس نے گوگل کی پیدائش سے پہلے IBM ریسرچ میں سترہ سال "تلاش" نامی فیلڈ میں خصوصی مہارت سے کام کیا جب انٹرنیٹ اپنے ابتدائی دور میں تھا۔

ماریک کے نزدیک تلاش کی تاریخ کی جڑیں نہائت گہری ہیں۔ علماء سولہویں صدی میں یہ دیکھنے کے لیے بائبل کے موافقت سے مشورہ کیا کرتے تھے کہ موسیٰ کا ذکر کہاں اور کس تناظر میں ہوًا ہے۔ ماریک نے کہا، "ہم آہنگی بنیادی طور پر ڈیٹا سٹرکچر ہے جسے ہر سرچ انجن استعمال کر رہا ہے۔ پانچ صدی پہلے لوگ دستی طور پر کرتے تھے -- بطور اسرائیلی اور یہودی ہم اہل کتاب ہیں۔ ہم متن سے مشورہ کرنا، تلاش کرنا پسند کرتے ہیں۔''

2008 میں گوگل اسرائیل کی اشتہارات کی فروخت 100 ملین ڈالر تھی، پچھلے سال سے تقریباً دوگنا اور اسرائیل میں کل اشتہاری منڈی کا 10 فیصد -- ایک بڑا مارکیٹ شیئر جو گوگل کے اکثر ممالک کے مقابلتاً'' زیادہ ہے۔

گوگل مصنوعات اور ٹیکنالوجیز کی ترقی پذیر سلطنت بن گیا ہے --- تلاش سے جی میل، یوٹیوب، سیل فون سافٹ ویئر تک، اور بہت کچھ --- کمپنی کا دل اس کا ہر جا ہوم پیج بنا ہوًا ہے۔ دنیا میں اگر سب سے زیادہ استعمال شدہ ہوم پیج گوگل کا مندر ہے تو اس پر نصب سرچ باکس مقدس ترین ہے۔

گوگل اسرائیل کے لیے اس کے بعد ایک پراجیکٹ پر کام کرنا کسی حد تک پرذوق تھا جو کمپنی کے سرچ باکس کی دائیں جانب قلب تک پہنچ گیا۔ اسرائیلی ٹیم نے چھوٹا سا تجرباتی خیال لیا جو دو سال سے کسی نے چھوا تک نہ تھا — گوگل سجّیسٹ -- اسے ایسی چیز بنا دیا جسے لاکھوں لوگ روزانہ دیکھتے اور استعمال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے

جنھوں نے اس پر توجہ نہیں دی، گوگل سجیسٹ تجاویز کی وہ فہرست ہے جو تلاش کی درخواست میں ٹائپ کرتے ہی پاپ ڈاؤن ہو جاتی ہے۔ آپ کی درخواست ٹائپ کرنے کے ساتھ ہی سجیسشنز اَپ ڈیٹ ہو جاتی ہیں۔

گوگل تقریباً فوری طور پر نتائج فراہم کرنے کے لیے مشہور ہے۔ لیکن گوگل سجیسٹ کو یہ کارنامہ ہر حرف کے ساتھ فراہم کرنا تھا۔ اگلا خط ٹائپ کرنے سے قبل، ہوش ربا کم وقت میں، خبر کو Google سَرورز تک پہنچ کر متعلقہ تجاویز کی فہرست واپس بھیجنا تھا۔

پروجیکٹ کے دو ماہ بعد، ٹیم کو پہلا حوصلہ افزا موقع ملا۔ کائی فولی، گوگل چین کے صدر نے کہا کہ وہ سوالات کی سست رفتاری کا خطرہ مول لینے کو تیار ہے۔ چینی ٹائپ کرنا بہت مشکل ہے، اس لیے چین میں خصوصاً ''سجیسٹ کا الفاظ بھرنا گراں قدر تھا۔ تجویز کا جادو چل گیا اور یہ نہائت تیزی سے ہانگ کانگ، تائیوان، روس اور مغربی یورپ، اور جلد ہی دنیا میں گوگل کی سائٹس پر تیزی سے پھیل گیا۔

مائیکروسافٹ اسرائیل سے فائیدہ اٹھانے میں پیچھے نہیں رہا۔ بل گیٹس، ایک جرار سرکش، جب اسرائیل کے پہلے دورے پر پہنچا تو 2006 کی لبنان جنگ کے دوران داغے گئے دو ہزار میزائل حملوں سے نقصان کی مرمت ابھی جاری تھی۔ وہ ایک واضح پیغام لئے آیا۔ اس نے ایک اسرائیلی نیوز ایجنسی کو بتایا: "ہم گوگل سے نہیں ڈرتے۔" وہ انٹرنیٹ سرچ انجنوں کے متعلق مزاحاً '' کہنے سے باز نہ رہ سکا، ''انہیں جہاں ہونا چاہئے تھا وہ مقابلتاً '' بھیانک حالت میں تھے، ''اس نے یہ بھی اعتراف کیا کہ گوگل اور مائیکروسافٹ میں سخت مقابلہ تھا، اور نیا محاذ اسرائیل تھا۔ گیٹس نے اس سے قبل کہا تھا، "اسرائیل میں جاری اختراعات مستقبل میں ٹیکنالوجی کے کاروبار کے لیے نہائت ہی اہم ہیں۔''

دنیا کے امیر ترین شخص کے اسرائیل چھوڑنے کے ساتھ ہی دنیا کا دوسرا امیر ترین، وارن بفیٹ آ پہنچا۔ امریکہ کا معزز ترین سرمایہ کار جو اپنی بیرون ملک پہلی کمپنی کا دورہ کرنے کیلیئے آیا۔ بفیٹ نے مشین ٹول کمپنی اسکار 4.5 بلین ڈالر میں خریدی اور اسرائیل، جس کے متعلق اس نے بہت کچھ سن رکھا تھا، کا دورہ کرنے میں باون گھنٹے گزارے۔ اس نے یروشلم کے دورے کے متعلق کہا، "تم 2,000 سال قبل ان سیڑھیوں پر چلنے والے لوگوں پر توجہ دو۔" اور پھر آپ پہاڑ کی چوٹی پر واقع اسکار فیکٹری دیکھیئے جو 61 ممالک -- کوریا، امریکہ، یورپ یا کوئی اور ملک، کو سپلائی کرتی ہے۔ یہ واقعی توجہ طلب ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ آپ واقعی ماضی اور مستقبل کے ایسے امتزاج کا مجموعہ، اتنی قربت میں، دنیا میں کسی اور جگہ تلاش کر سکیں۔''

ایسا نہیں لگتا کہ یہ تاریخ سے وابستگی کی بنا پر تھا جس نے وارن بفیٹ کو اپنی دہائیوں سے جاری پالیسی میں تبدیلی کے لیے، امریکہ سے باہر حصولیات کی پالیسی میں تبدلی کیلئے اسرائیل منتخب کرنے پر قائل ہوًا۔ یہ خطرے سے بچنے کا داعی، اسرائیل کی کمزوریوں سے لا تعلق بھی نہ تھا۔

آپ کا خطرے کے متعلق فکر مند ہونے کے لیے وارن بفیٹ جیسا ہونا ضروری نہیں۔ ہیڈ کوارٹر سے کہیں دور کاروبار کرنے کیلئے ہر کمپنی خطرات کو خاطر میں لاتی ہے، خصوصا" وہاں جو ایک جنگی علاقہ سمجھا جاتا ہو۔ بفیٹ کے مطابق سوال یہ ہے کہ آپ خطرے کے متعلق کس طرح سوچتے ہیں۔

ہم جون میڈ ویڈ کے دفتر، یروشلم اور تل ابیب کے پڑوس میں، بیت شیمش ورنگو ہیڈ کوارٹرز میں اسرائیل میں سرمایہ کاری کے خطرات پر تبادلہ خیال کیلئے بیٹھے ہوئے تھے۔ میڈوَیڈ نے ہمارے سوالات کا جواب دینے سے قبل اپنا ایک سوال داغ دیا۔ اس نے پاور پوائنٹ پریزنٹیشن سے "اسرائیل کے اندر" ایک سلائیڈ نکالی، وہ پریزنٹیشن جو وہ اکثر بطور غیر سرکاری اقتصادی سفیر پیش کرتا ہے---(اختصارا") سال 2002 سے 2004 تک؛"ان دو سال میں کچھ چیزیں بڑھ رہی ہیں جو "کچھ بھی ہو سکتی ہیں مثلا": تشدد۔ یہ افسوس ناک طور پر اسرائیل کی تاریخ کا سخت پر تشدد دور تھا جو دوسرے انتفادہ سے شروع ہو کر دوسری لبنان جنگ پر ختم ہوًا۔۔

میڈوَیڈ نے اسی دوران اسرائیلی معیشت کی کارکردگی کو بھی واضح کیا جس میں دہائی کے پہلے نصف میں تیزی سے اضافہ کیا. اس نے پہلی سے ملتی جلتی ایک اور سلائیڈ، "اسرائیلی ہائی ٹیک میں غیر ملکی سرمایہ کاری" دکھائی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسی عرصے میں راکٹ حملوں میں اضافہ کے مساوی سرمایہ کاری میں بھی اضافہ ہوًا۔ ہماری دیگر اقتصادی پیمائشوں پر تحقیق سے معلوم ہوًا کہ متعدد ڈیٹا سیٹ سلائیڈوں میں عمومی گراف کے ڈھانچے کے مطابق ہیں؛ مثلا" غیر ملکی براہ راست سرمایہ کاری (FDI) -- میکرو اکنامک کی پیمائش کا ایک اور طریقہ---یعنی بیرون ملک سے ملک میں آنے والی براہ راست سرمایہ کاری کی کل رقم۔ 2000 سے 2005 کے دوران اسرائیل کی ایف ڈی آئی میں تین گنا اضافہ ہوًا، اور اسرائیل کے حصہ کے اسرائیل کے اندر سرمایہ کاری کے عالمی وینچر ڈالر دو گنا ہو گئے۔

میڈوَیڈ یہ نہیں بتا رہا تھا کہ اسرائیل میں تشدد اور سرمایہ کاروں کے لیے اس کی کشش کے درمیان کوئی تعلق ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اسرائیل سلامتی کے خطرے کو اپنی اقتصادی ترقی کے مواقع سے الگ کرنے میں کامیاب رہا۔ اسرائیلیوں کو بالفاظ دگر، یقین ہے کہ ان کے اسٹارٹ--اپس جنگ اور ہنگامہ خیزی کے دوران زندہ رہیں گے۔ اسرائیلی اینٹرپرینیورز اس پر بھی سرمایہ کاروں کو راضی کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

ایلس شروڈر، وارن بفیٹ کی واحد سوانح نگار 'دی سنوبال' کی مصنفہ سے اسرائیل میں سرمایہ کاری کے خطرے کے متعلق پوچھا۔اس نے ہمیں بتایا، "وارن طویل عرصہ سے انشورنس کے کاروبار میں ہے، ہر سرمایہ کاری کے فیصلے کو اسی عینک سے دیکھتا ہے۔"" "یہ سب خطرے کا اندازہ لگانے کے متعلق ہے، جیسا کہ آپ انشورنس پالیسی میں کرتے ہیں۔ وہ چیزیں آپ کیلئے جو واقعی پریشان کن ہیں وہ زلزلوں اور سمندری طوفانوں کے امکانات کے متعلق ہیں۔ **وارن** پوچھتا ہے: کس قسم کا تباہ کن خطرہ ہے، اور کیا میں اسے گوارا کر سکتا ہوں؟"

اسرائیلی کمپنی اسکار جو بفیٹ نے خریدی، اس کی مرکزی فیکٹری اور R&D کی سہولیات اسرائیل کے شمالی حصے میں ہیں جہاں دو بار میزائل حملوں کا خطرہ ہوا---1991 میں، جب عراق کے صدام حسین نے خلیجی جنگ کے دوران تمام ملک کو نشانہ بنایا؛ 2006 کی لبنان جنگ کے دوران حزب اللہ نے اسرائیل کے شمالی قصبوں پر ہزاروں میزائل داغے۔ ہم نے اس سے پوچھا. "کیا یہ تباہ کن خطرہ کی وجہ نہیں بن سکتا؟"' اس نے ہمیں بتایا،" بفیٹ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر اسکار کی سہولیات پر بمباری کی جاتی ہے تو ہم ایک اور پلانٹ بنالیں گے۔ پلانٹ کمپنی کی قدر کی نمائندگی نہیں کرتا۔ یہ ملازمین اور انتظامیہ کی قابلیت، وفادار صارفین کی بین الاقوامی بنیاد ہے جو برانڈ اسکار کی قدر منواتی ہے۔ اسرائیل کے شمال میں، 2006 کی لبنان جنگ کے دوران بفیٹ کے اسکار حاصل کرنے کے صرف دو ماہ بعد 4,228 میزائل گرے۔ لبنانی سرحد اسرائیل سے آٹھ میل سے بھی کم فاصلے پر واقع ہے۔ راکٹ فائر کا سب سے بڑا ہدف اسکار تھا۔ آئیٹان ورتھائیمر نے، اسکار کا چیئرمین جس نے بفیٹ کو فروخت کی تھی، ہمیں بتایا کہ اس نے جنگ کے پہلے دن اپنے نئے باس کو بلایا۔ "ہماری واحد تشویش ہمارے لوگوں کی فلاح و بہبود کے متعلق تھی کیونکہ تباہ شدہ مشینیں اور کھڑکیاں ہمیشہ تبدیل کی جاسکتی ہیں،" ورتھایمر نے بفیٹ کے ساتھ اپنی گفتگو یاد کرتے ہوئے کہا۔" لیکن مجھے یقین نہیں کہ آپ ہمارے ذہن کو سمجھتے ہیں،'' میں نے اس سے کہا۔ ''ہم نصف افرادی قوت کے ساتھ کام کئے جائیں گے، لیکن ہم اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ تمام گاہک اپنے آرڈر بر وقت یا اس سے بھی پہلے حاصل کریں۔"

ایک راکٹ ٹیفن انڈسٹریل پارک میں گرا، جس کی بنیاد ورتھائمر کے خاندان نے رکھی تھی جو اسکار کے ارد گرد پھیلا ہوا تھا؛ اور راکٹوں کی ایک بڑی تعداد قریب ہی گری۔ بہت سے کارکنوں نے جنگ کے دوران خاندانوں سمیت ملک کے جنوبی حصے میں عارضی طور پر نقل مکانی کی جس کا اسکار کے گاہکوں کو کبھی علم نہیں ہوا ہوگا۔ "ہمیں منضبط ہونے میں قدرے وقت لگا لیکن ہم سے کوئی کھیپ خطا نہ ہوئی۔" ورتھائمر نے کہا۔ "ہمارے صارفین کے لیے دنیا میں کوئی جنگ نہیں تھی۔" ورتھائمر اور دیگران نے خطرے کا یوں جواب دینے سے ان خطرات کو تبدیل

کر دیا جو اسرائیل کیلئے پر خطر لگ سکتے ہیں، لیکن ثبوت میں اسرائیل کے نا قابل تسخیر اثاثے---وہی اثاثے جنہوں نے بفیٹ، گوگل، مائیکروسافٹ اور بہت سے دوسروں کو سب سے پہلے اپنی طرف متوجہ کیا.

ڈوو فروہمن سے بہتر اسرائیلی حوصلے کی مثال جیسے بہت کم ہیں۔ وہ ایمسٹرڈیم میں دوسری جنگ عظیم کے آغاز سے چند ماہ قبل پیدا ہوُا تھا۔ ہالینڈ پر نازیوں کی گرفت سخت ہوئی تو اس کے والدین نے ڈوو کو وان ٹلبورگ کے خاندان کے ساتھ چھپانے کا فیصلہ کیا،

دین دار عیسائی کسان جو بذریعہ ڈچ خفیہ لوگوں کے ملے۔ ڈوو صرف تین سال کا تھا جب وہ ڈچ دیہی علاقے میں ان کے فارم ہاؤس پر پہنچا۔ اسے اپنے سیاہ بالوں کو ٹوپی سے ڈھانپنا یاد ہے چونکہ اسے گود لینے والے تمام خاندان کے بال سنہرے تھے۔ جرمن جب وقتاً فوقتاً گھر کی تلاشی لینے کیلئے آتے تو وہ اپنے گود لیے بھائیوں کے ساتھ چارپائی کے نیچے، کوٹھری میں یا جنگل میں چھپ جاتا۔ ڈوو کو برسوں بعد معلوم ہوُا کہ اس کے والد کا آشوِٹز میں انتقال ہو چکا تھا؛ اسے یقینی طور پر کبھی پتہ نہ چل سکا کہ اس کی ماں کو کہاں قتل کیا گیا تھا۔

جنگ کے بعد فروہمن کی خالہ نے، جو 1930 کی دہائی میں فرار ہو کر فلسطین پہنچ چکی تھی، فروہمین کے ڈچ خاندان کا سراغ لگایا اور انہیں اس بات پر راضی کیا کہ وہ اسے یہودی یتیم خانہ کے حوالے کر دیں تاکہ وہ فلسطین کی طرف ہجرت کر سکے۔ 1949 میں دس سالہ ڈوو بالکل نئی ریاست اسرائیل میں وارد ہوُا۔

ڈوف فرومین جب 1963 میں ٹیکنین (اسرائیل انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی) سے فارغ التحصیل ہونے والا تھا تو اس نے گریجویٹ تعلیم امریکہ میں حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ "اسرائیل میں تکنیکی مہارت کا ایک نیا شعبہ واپس لائے۔"

اسے MIT میں داخلہ مل چکا تھا لیکن وہ، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، برکلے میں وظیفہ کی پیشکش کی وجہ سے چلا گیا۔ یہ ایک انتخاب اتفاقی تھا۔

فروہمن کو گریجویٹ طالب علمی کے دوران اینڈی گروو نے فیئر چائلڈ سیمی کنڈکٹر پر کام کرنے کے لیے ملازم رکھ لیا۔ گروو نے چند سال بعد گورڈن مور اور رابرٹ نوائس کے ساتھ مل کر انٹیل کی بنیاد رکھی۔ فرومین نئے سٹارٹ---اپ کے پہلے ملازمین میں سے تھا۔ اس نے تیزی سے ایک ایسی ایجاد کر کے اپنا لوہا منوایا جس نے ایک نئی قسم کی دوبارہ پروگرام کے قابل میموری چپ بنائی جو انٹیل کی سب سے افسانوی اور منافع بخش مصنوعات میں سے ثابت ہوئی۔ وہ جب سینئر مینجمنٹ پوزیشن کے قریب پہنچ چکا تو فرومین نے اعلان کیا کہ وہ گھانا میں الیکٹریکل

انجینئر نگ پڑھانے کیلئے انٹیل چھوڑ رہا ہے۔ وہ اپنے الفاظ میں "مہم جوئی، ذاتی آزادی، اور خود"---ایک اور "اہل کتاب کی شخصیت۔" کو نکھار رہا تھا۔

اِنٹیل کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ فروہمین کا کمپنی چھوڑنا پاگل پن تھا چونکہ کمپنی عوامی بن کر اپنے ملازمین پر منافع بخش اسٹاک آپشنز کی بارش برسانے والی تھی۔ فرومین جانتا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے: ایک انٹرپرائز شروع کرنا نہ کہ صرف ایک کے لیے کام کرنا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ مینجمنٹ میں شامل ہو گیا تو وہ اسرائیل واپس جانے میں شاید کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا جہاں اس کے پاس مقامی معیشت کے لیے ایک انقلابی خیال تھا: وہ چاہتا تھا کہ اسرائیل چِپ ڈیزائن کی صنعت کا رہنما بنے۔

1973 میں اس کے منصوبے کو سمجھنے کا وقت آ گیا تھا۔ اِنٹیل کو انجینئرز کی شدید کمی کی وجہ سے مشکلات کا سامنا تھا۔ فرومین اِنٹیل میں واپس آیا، اسے ایک اسرائیلی ڈیزائن سینٹر بنانے کے خیال پر قائل کرنے کے بعد اسرائیل کے لیے ایک ریسرچ مشن کو تیزی سے منظم کیا۔ یوم کپور جنگ کی وجہ سے تاخیر ہوئی، اِنٹیل ٹیم اپریل 1974 میں اسرائیل پہنچی اور حیفہ میں اپنے نئے ڈیزائن سینٹر کے لیے فوری طور پر پانچ انجینئرز کی خدمات حاصل کیں۔

اِنٹیل نے اس سے قبل کسی بیرونی ملک میں کوئی بڑا ریسرچ اینڈ ڈیویلپمنٹ سنٹر قائم نہیں کیا تھا۔ "ہم دن کے اختتام پر R&D کے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ کیلیفورنیا سے اِنٹیل کے ایک سابق ملازم نے یاد کیا، "ہم، بنیادی مشن اور آپریشنز کو بیرون ملک رکھ کر اپنے کنٹرول سے باہر کمپنی کے مستقبل کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔" اسرائیل پہلی جگہ تھی جہاں ہم نے ایسا کیا۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ ہم پاگل ہیں۔"

اسرائیلی ٹیم نے 300,000$ کی سرمایہ کاری اور پانچ کل وقتی ملازمین کے ساتھ آغاز کیا۔ یہ ملک کی تیسویں سالگرہ کے موقع پر چون سو کارکنان کے ساتھ اسرائیل کا بہت ہی بڑا نجی آجر بن گیا۔ اسرائیل میں اِنٹیل کی سرمایہ کاری جو اس وقت بظاہر جوا لگتی تھی، کمپنی کی کامیابی کا مرکز بن گئی۔ اِنٹیل اسرائیل نے پہلے IBM کے ذاتی کمپیوٹروں کیلئے چپ ڈیزائن کیا۔ پہلے پینٹیم چپس اور ایک نیا فن تعمیر، تجزیہ کار اس بات پر متفق ہیں کہ اس نے 1990 کی دہائی کے دوران اِنٹیل کو نیچے گرنے کے گرداب سے بچایا جیسا کہ ہم نے باب 1 میں بیان کیا ہے۔

اِنٹیل نے جنوبی اسرائیل کے قصبے قریات گٹ میں 3.5 بلین ڈالر کا پلانٹ تعمیر کیا جہاں اسرائیلیوں نے ٹرانزسٹروں کے ساتھ چپس کو اتنا چھوٹا بنا دیا کہ تیس ملین ایک پن کے سر پر فٹ ہو سکتے تھے. قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسرائیل کا اِنٹیل کے لیے ایک اہم مینوفیکچرنگ سینٹر کے طور پر ابھرنے سے ثابت ہوا کہ اس کی پیداوار میں

کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ جنگ بھی۔اِنٹیل کی انتظامیہ نے جنوری 1991 خلیج جنگ کے دنوں بعد پیغام بھیجا۔"ڈوو، جو کرنا مناسب سمجھو کرو، ہم آپ کے فیصلے پر بھروسہ کریں گے۔"

عراق نے پانچ ماہ قبل کویت پر حملہ کیا تھا۔ فرو میں یہ خبر سنتے ہی خاموش لمحوں کے دوران کام پر جاتے وقت کار چلاتے ہوئے، پرواز سے قبل ٹارمیک پر انتظار کرتے ہوئے یارات کو سونے سے پہلے ایسے خیالات کی فکر میں کھویا رہتا تھا کہ شائد تمام کارکنوں کو گھر بھیجنا پڑے-وہ جانتا تھا کہ اِنٹیل اسرائیل کے لیے سب کچھ بند کرنا تباہ کن ہو گا۔ اس نے اس لیے اسے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔

جب لاکھوں امریکی فوجی سعودی عرب میں تعینات جنگ کی تیاری کر رہے تھے، فروہمن کی توجہ اس وجہ سے ہٹ گئی کہ اِنٹیل کیسا خطرہ مول لے رہا تھا۔ یہ جوا 1980 میں اِنٹیل کو IBM کا اس کا بڑا موقع دینے کے فیصلے کا نتیجہ تھا کہ IBM PC کی توانائی کیلئے 8088 چپ منتخب کیا۔ دیو قامت کے کمپیوٹر نے اِنٹیل کو ایک درجن مینوفیکچررز کو اپنی ٹیکنالوجی کا لائسنس دینے پر مجبور کیا؛ 8088 اِنٹیل نے ہی ڈیزائن کیا تھا، آئی بی ایم نے سوچا کہ چپ تیار کرنے میں اکیلے اِنٹیل پر انحصار کرنا خطرناک ہے لہذا اِنٹیل کل آمدنی کا صرف 30 فیصد کما سکتا تھا۔ IBM کے لیے سیکورٹی اور قیمت کا مطلب اِنٹیل کے لیے بہت کم منافع تھا۔

1983 میں 286 کے ضمن میں اگلے دور کی چپ کیلئے اِنٹیل نے IBM کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ چپ بنانے والوں کی تعداد چار کر دے، اس طرح چپ بنانے میں اِنٹیل کے حصہ میں اضافہ ہو گا۔اِنٹیل اب جوئے کے لیے تیار تھا، 1985 تک 200$ ملین کی سرمایہ کاری اور چار سال میں بہتری لانے کے بعد اِنٹیل نے تیز تر چپس 386 تیار کر لیں۔ آئی بی ایم نے اِنٹیل کی چپ کا واحد مینوفیکچرر بننے کی درخواست قبول کر لی جو دنیا کے بیشتر نئے ڈیسک ٹاپس کو توانائی فراہم کرے گا۔ یہ حکمت عملی اِنٹیل کا منافع بڑھانے سمیت اس کے خطرے کے امکان کو بھی بڑھا دے گی۔اِنٹیل اگر بر وقت مینوفیکچرنگ کی صلاحیت نہ بڑھا سکا تو کیا ہو گا؟ اس سے بھی بڑا خطرہ کہ سانتا کلارا میں اِنٹیل کی انتظامیہ کے فیصلہ نے نئی ذمہ داری کا محور اسرائیل کو بنایا۔

بڑا بوجھ یروشلم میں اِنٹیل کے اسرائیلی چپ پلانٹ پر پڑا جو ہفتے کے ساتوں دن دو بارہ بارہ-- گھنٹے کی شفٹیں چلا کر اِنٹیل کی عالمی پیداوار کا تقریباً تین چوتھائی پیدا کر رہا تھا۔

لیکن اب وہی پیداوار خطرے میں تھی۔ صدام حسین نے اعلان کیا کہ اگر امریکہ نے حملہ کیا تو وہ جواباً" اسرائیل کے خلاف میزائل داغ دے گا۔

اسرائیلی حکومت نے صدام کی بات کا یقین کیا۔ عراق کے پاس اسکڈ میزائل تھے جو دس منٹ سے بھی کم وقت میں تل ابیب تک پہنچ سکتے تھے اور وہ میزائل کیمیائی وار ہیڈز کے ساتھ مسلح ہو سکتے تھے۔

اکتوبر 1990 میں اسرائیلی حکومت نے دوسری جنگ عظیم کے بعد گیس ماسک کی سب سے بڑی تقسیم کا حکم دیا۔ یہ اسرائیل میں ایک خواب آسا وقت تھا۔ کنڈر گارٹنوں میں اساتذہ نے پانچ سالہ بچوں کو حملہ ہونے کی صورت میں اپنے گیس ماسک پہننے، سائرن بجنے پر سبھی نے خصوصا" تیار کردہ "مہر بند کمروں" کی طرف بھاگنے کی مشق کی۔۔ ماسک کی تقسیم کا نظام وسیع تھا، ہر خانوادے کو بذریعہ ڈاک مطلع کیا گیا کہ وہ ماسک کہاں سے اٹھا سکتے ہیں۔ آئی ڈی ایف نے اپنے ہوم فرنٹ کمانڈ کے دفاتر کو شاپنگ مالوں میں رکھا، تو یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ چند نئے جوتے اور ایک کپ کافی کے ساتھ ساتھ تمام خاندان کیلئے گیس ماسک اٹھالانا عام سی بات تھی۔

فروہمن نے وہی کیا جو ہر اسرائیلی مینیجر جنگ کے دوران یا اس سے پہلے کرتا ہے: اس نے جنگی حالات کے لیے "معمول جیسے" ہنگامی منصوبے بنائے جس میں ملازمین کو ریزرو ڈیوٹی کے لیے بلایا جائے گا۔ پینتالیس سال سے کم عمر کے اکثر اسرائیلی مرد ہر سال ایک ماہ کیلئے ریزرو ڈیوٹی کرتے ہیں. طویل جنگ کے دوران، حکومت جتنی مدت تک ضروری سمجھے، سویلین -- سپاہیوں کو بلا سکتی ہے۔ اس سے اسرائیلی کاروبار کو بہت بڑا معاشی نقصان جھیلنا پڑتا ہے -- یعنی پرامن دور میں بھی کام پر غیر حاضری کے دنوں میں کم پیداواری شامل ہے۔ ملازمین جنگ کے دوران ہفتوں یا مہینوں غیر حاضر رہنے کے نتیجتا" چند اسرائیلی کاروبار جنگ کے دوران دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔

جنوری 1991 کے اوائل میں یو ایس اور یورپی کمرشل ایئرلائنز نے اس خطے میں پروازیں معطل یا کم کر دیں۔ 11 جنوری کو اقوام متحدہ کی عراق کو کویت سے انخلاء کی مقررہ تاریخ سے چار دن پہلے امریکی حکومت نے اپنے شہریوں کو اسرائیل چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ 16 جنوری کو اسرائیلی حکومت نے اعلان کیا کہ تمام اسکول اور کاروبار، چند ضروری انٹرپرائزز (مثلا" بجلی) کے سوا ہفتے، یا حکومت جب تک چاہے، بند رکھنے کا اعلان کیا۔ حکومت کا مقصد تھا کہ لوگ سڑکوں سے دور گھروں میں رہیں اور ہوائی حملے کی صورت میں سائرن کی آواز پر تیزی سے اپنے مہر بند کمروں میں پہنچ جائیں۔

فروہمن کے لیے حکومت کی ہدایت کی تعمیل کا مطلب اِنٹیل کے 386 مائیکروچپ کی پیداوار کو کمپنی کیلئے ایک نازک وقت پر معطل کرنا تھا۔ فروہمن کو فیکٹری بند کرنے کے لیے انتظامیہ کی مکمل حمایت متوقع تھی۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ محض اس لئے کہ ایک آجر کسی ملازم کو بیماری پر رخصت دینے کے لیے تیار ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے تعلقات متاثر نہیں ہوں گے، خصوصا" جب "بیماری" ایسی ہے جو مستقبل میں ممکنہ طور پر دہرائی جا سکتی

ہے۔فروہمن کو یاد آیا، "ہم نے پہلے سے ہی کمپنی کے اندر اسرائیلی دائیرۂ عمل کیلئے اسٹریٹجک ٹیکنالوجیز اور اہم مصنوعات کی منتقلی پر کافی سوچ بچار کی تھی۔" مجھے یقین تھا کہ ہم نے اگر پیداوار میں کم وقت کیلئے بھی رکاوٹ ڈالی تو ہم طویل مدت تک اس کی بھاری قیمت ادا کریں گے۔" فروہمن نے اِنٹیل کی انتظامیہ کو آمادہ کرنے کیلئے وقت اور سیاسی اثرورسوخ استعمال کیا کہ کمپنی کا مستقبل ایک بیرون ملک چوکی کے اختیار میں ہونا چاہیئے۔اس نے جب سے پہلی مرتبہ انٹیل چھوڑا، یہ اس کا ایک خواب تھا۔" اب وہی چوکی سکڈ میزائلوں کی زد میں تھی۔

فروہمن کو-- حیرت انگیز طورپر--ایک اور بہت ہی بڑا خدشہ تھا: "میں اسرائیل کی ابھی چھوٹی سی ہائی ٹیک معیشت کی بقا کے متعلق سوچتا رہا۔" اسرائیل میں مزید سرمایہ کاری کی راہ میں ایک اہم رکاوٹ خطے کے سر پر منڈلاتا جغرافیائی سیاسی عدم استحکام کا تاثر پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔اِنٹیل اگر ہنگامی صورت حال میں کام نہ کر سکا تو پھر ملٹی نیشنلز ،سرمایہ کاروں یا مارکیٹوں کا اسرائیل کے استحکام پر سے اعتماد فوراً" خاک میں مل جائے گا۔

فرومین بیرون ملک کافی وقت گزارنے کی وجہ سے اسرائیل میں سرمایہ کاری کے خلاف شہرت سے واقف تھا۔ اسرائیل کے متعلق دنیا میں تقریباً ہر روز بری سرخی چھپھلتی تھی: ایک اور دہشت گردی کا حملہ--اس کی سرحد پر ایک اور اشتعال انگیزی--مزید خون ریزی. انتفادہ۔تشدد، خوف وہراس، جنگ۔ صرف یہی بیانیہ تھا لوگ جس سے واقف تھے۔

اسے یقین تھا کہ اسرائیل اور اس کی معیشت دونوں کو جوابی بیانیہ کی ضرورت ہے۔اس کے تصور کی سوئی قریب آتی 15 جنوری کی مقررہ تاریخ پر خیالی بورڈ روم کی بحث پر اٹک گئی--اسرائیل میں سرمایہ کاری کے لیے ایک پرجوش امریکی ایگزیکٹو، اور ایک محتاط بورڈ کے درمیان جو اسے ناعاقبت اندیش خیال کرتا ہے۔اس پرجوش کو اپنی تدبیر منوانے کیلئے کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ وہ کہے گا، میں نے بھی خبر دیکھی، اور آپ کے شکوک کو سمجھتا ہوں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اسرائیل خلیجی جنگ کے دوران بھی 386 چپ---جو اِنٹیل کا ایک اہم ترین مائیکرو چپ ہے، تیار کر رہا تھا۔اسرائیلی ہمیشہ باخبر رہے۔ چپس بروقت آتے رہے۔ کبھی دیر نہ ہوئی---ایک مرتبہ بھی نہیں---اس وقت بھی نہیں جب ان پر جب میزائل گر رہے تھے۔

فروہمن نے 17 جنوری کو حکومتی احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ملازمین کو اپنا یک طرفہ فیصلہ سنایا کہ جنگ کے دوران انٹیل اسرائیل رضاکارانہ بنیاد پر کھلا رہے گا: کسی کارکن کو حاضر نہ ہونے پر سزا نہیں دی جائے گی۔

فروہمن 18 جنوری کو رات 2:00 بجے اکثر اسرائیلیوں کی طرح ہوائی حملے کے سائرن سے بیدار ہوا۔اس نے اہل خانہ سمیت جلدی سے گیس ماسک لگائے اور گھر کے محفوظ کمرے میں بند ہوگئے۔۔جب سب صاف ہے کا

سائرن بجاتو انہیں علم ہوُا کہ آٹھ میزائل --اِنٹیل کے مرکزی R&D کے قریب کی سہولت ـــــ تل ابیب اور حیفہ پر گرے لیکن وہ کیمیائی وارہیڈز سے لیس نہیں تھے۔ مستقبل میں مزید میزائل متوقع تھے. صدام کیا مستقبل کے اسکڈز کو کیمیائی مادوں سے لیس کرے گا، ابھی تک واضح نہ تھا۔

رات 3:30 بجے جب فروہمن گیس ماسک پہنے پلانٹ پر پہنچا تو وہ سیدھا اس صاف کمرے کی طرف --چِپ فیکٹری کا دل، کی طرف گیا جہاں دھول سے پاک ماحول برقرار رکھنے کے لیے تکنیکی ماہرین مہر بند سوٹ میں موجود تھے جس سے وہ خلا بازوں جیسے نظر آرہے تھے۔ وہاں کام شروع ہو چکا تھا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ جب سائرن بجا تو ملازمین پلانٹ کے بند کمرے میں چلے گئے۔ لیکن گھر پر فوری کال کرنے کے بعد، وہ اپنے ورک سٹیشن پر واپس آ چکے تھے۔ ہوائی حملے کے بعد جب پہلی شفٹ شروع ہوئی تو فروہمین کو توقع تھی کہ بہترین صورت حال میں شفٹ کے آدھے کارکن آئیں گے؛ لیکن کارکن پچاس کے بجائے 75 فیصد آئے۔ اگلی رات دوسرے عراقی میزائل حملہ کے بعد اِنٹیل کے حیفہ ڈیزائن سینٹر میں 80 فیصد آئے۔ ہوائی حملے جس قدر ڈھٹائی سے بڑھے، کارکنوں کی تعداد بھی اسی قدر بڑھتی گئی۔ سرائیل کے نئے معمول پر خوش آمدید۔

اِنٹیل سانتا کلارا ہیڈ کوارٹرز کے ایگزیکٹوز اس بات کا ادراک نہ کر سکے۔ دو دن بعد سانتا کلارا کے ساتھ ایک کانفرنس کال کے دوران ہوائی حملہ کے سائرن دوبارہ بج گئے۔ اسرائیلی ٹیم کے ارکان نے لمحے بھر کے لیے دوسری جگہ پر جانے کا بتایا اور گیس ماسک پہنے سیل بند کمرے سے کال جاری رکھی۔ اِنٹیل کارکنوں کے ایک گروپ نے جنگ کے دوران احاطے میں کنڈر گارٹن سکول بھی قائم کیا۔ اسکول ابھی بند تھے۔ ملازمین اگر فرومین کے سرکش مشن کا حصہ بننا چاہتے تھے تو ان کے پاس بچے ساتھ لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ باقاعدہ ملازمت کے علاوہ کارکنوں نے رضاکارانہ طور پر کنڈر گارٹن کیلئے بھی شفٹ ڈیوٹی کی۔

اسرائیل میں اہم طریقِ عمل قائم کرنے کیلئے فروہمن کی پابندی کی وراثت اب بھی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے نئے فیصلوں میں نظر آتی ہے۔ ان میں سے چند سہولیات، 2006 لبنان کی جنگ کے آس پاس، جیسے گوگل کی تعمیر، تھیں۔

اس کی وضاحت کا تعلق انجینئر نگ کی صلاحیتوں سے ورا ہے۔ یہ کم ٹھوس عوامل کا معاملہ بھی ہے جیسے قومی اور ذاتی سطح پر کامیاب ہونے کیلئے جاں فشانی سے کام کرنا۔ اسرائیلیوں کے پاس اس کے لیے ایک اصطلاح ہے: داو کا ایک ناقابل ترجمہ عبرانی لفظ ڈیکا، اس کا مطلب ہے "ناک رگڑنے کے باوجود" کے ساتھ، گویا یہ کہنا، "اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے۔"

ایتان ور تھا ئیمر نے وارن بفیٹ کو2006 لبنان جنگ کے آغاز میں بتایا تھا، "ہم یہ متعین کرنے جارہے ہیں کہ یہ جنگ کون سا فریق جیتے گا۔ ہم پر یہاں میزائل گر رہے ہیں لیکن ہم فیکٹری کی پیداوار نہائت تیزی سے بلند ترین سطح پر لے جارہے ہیں۔" اسرائیلیوں نے اپنی معیشت اور کاروباری ساکھ، دونوں کو اپنے قومی فخر اور استقامت کو اہم معاملہ سمجھ کر غیر ملکی سرمایہ کاروں کی اسرائیل پر اعتماد کی پابندیاں نبھانے کی صلاحیت یا اس سے بھی آگے نکلنے کی فضا پیدا کی ہے۔ ڈوو فرومین اور ایتان ور تھائیمر اور بہت سے دوسرے لوگوں کا شکریہ کہ سرمایہ کاروں اور ملٹی نیشنلز کیلئے اسرائیل میں کاروبار کرنے کے ثبوت میں کہ تباہ کن ناگہانی خطرے کا سوال در حقیقت غیر متعلقہ ہے۔

باب 10

یوزما

میچ

جان لینن نے ایک بار راک اینڈ رول کے ابتدائی سال کے متعلق کہا تھا، "ایلوِس سے پہلے کچھ نہیں تھا۔" اسرائیل میں وینچر کیپیٹل اور ہائی ٹیک انٹرپرینیور شپ کی کامیابی پر لینن کو اپنے الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں کہ یوزما سے پہلے کچھ نہیں تھا---اور نابیری

اور نابیری کے بیٹے امیت نے پیغام دیا جو 32 ملین ڈالر کی مالیت کا تھا۔ امیت نے اپنی ماں کیلئے وائس میل پیغام ڈھونڈ نکالا تھا۔ جرمن ٹیلی کمیونیکیشنز سیمنز مجموعی گروپ کے ایک نائب صدر نے کال کی تھی۔ اور نابیری بیرون ملک ایک اور سفر پر تھی تاکہ وہ اپنے اسٹارٹ---اپ کو بڑی کمپنیوں کے خریدنے کے لیے پہنچائے، یہی کال تھی جو مس ہو گئی۔ سیمنز کے پیغام سے ایک ایسے عمل کا آغاز ہوا جس سے ایک اسرائیلی اسٹارٹ---اپ کمپنی کا یورپی کمپنی کے پہلے حصول پر اختتام ہوا۔ 1995 میں لین دین کو حتمی شکل دی گئی۔

یہ آج کل ایک بہت عام سی بات ہے---یورپینوں نے اسرائیلی کمپنیوں میں سیکڑوں ملین یورو کی سرمایہ کاری کی ہے۔ 1995 میں ایک اسرائیلی سٹارٹ---اپ کو یورپی کمپنی کا خریدنا ان سنی سی بات تھی. اور نابیری کو یقین ہے کہ یہ اس وقت کی نئی اسرائیلی حکومت کے ایک پروگرام یوزما کی وجہ سے ممکن ہوا۔ اسے اس پر بھی یقین ہے کہ سینکڑوں دوسرے اسٹارٹ۔۔۔اپس کو بھی حکومت کے اس اقدام کی وجہ سے ایسے ہی تجربات ہوئے ہیں۔

بیری کو اسرائیل میں بطور ایک سر کردہ کاروباری رہنما سراہا جاتا ہے۔ وہ 1997 میں وزارتِ صنعت، تجارت اور محنت کی اسرائیل کی چیف سائنسدان نامزد ہوئی---اسرائیلی اختراع کا زار؛ وہ 2007 میں اسرائیل وینچر ایسوسی ایشن کی چیئرپرسن بن گئی۔ اس نے یونیورسٹی آف جنوبی کیلیفورنیا سے کمپیوٹر سائنس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کی، امریکہ میں ٹیکنالوجی کنسلٹنگ کمپنی Unisys میں کام کرنے کے بعد اسرائیل واپس آکر پہلے IBM اور پھر اِنٹیل میں کام کیا۔

وہ 1992 میں پہلی مرتبہ اینٹرپرینیور بنی جس نے اسرائیل کی اولین ٹیکنالوجی کمپنیوں میں فائبرونکس کی پانچ ساتھیوں سمیت اورنیٹ ڈیٹا کمیونیکیشنز کی بنیاد رکھی۔ اورنیٹ ڈیٹا نے ڈیٹا کی ترسیل کی رفتار کو دوگنا کرنے کے لیے لوکل ایریا نیٹ ورکس (LANs) کے لیے سافٹ ویئر اور آلات تیار کیے۔ صارفین ٹیلی فون لائنز کے ذریعے ورلڈ وائڈ ویب کو ڈائل کرتے تھے؛ LANs--- گھروں اور دفاتر میں ایک دوسرے کے قریب کمپیوٹرز کے گروپوں کو جوڑنے کیلئے ایتھر نیٹ نیٹ ورکنگ ٹیکنالوجی عام ہو رہی تھی۔ LANs نیٹ ورک میں موجود کمپیوٹرز کے درمیان معلومات کو مزید تیزی سے منتقل کر سکتے تھے لیکن بینڈوِدتھ اب بھی کافی محدود تھی۔ اورنیٹ ڈیٹا سولیوشن نے نیٹ ورک والے کمپیوٹرز کے لیے ایک سوئچ بنایا جس نے بیری کے اندازہ کے مطابق بینڈوِدتھ کو پچاس گنا کر دیا۔

اورنیٹ ڈیٹا کے پاس شمالی اسرائیل کے شہر کرمیل میں صرف مٹھی بھر ملازمین تھے، اور بوسٹن میں ایک دفتر جسے بیری شہر میں آنے جانے کیلئے استعمال کرتی تھی۔ وہ کمپنی کے ابتدائی دنوں میں رقم جمع کرنے کی خاطر امریکہ میں آکر کئی بار کوشش کرنے کے بعد اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ کچھ دستیاب ہی نہیں۔ اس نے ہمیں بتایا، ''مقامی وینچر کیپیٹل کی غیر موجودگی میں ابتدائی مرحلے میں ہائی رسک فنڈنگ کیلئے کوئی طریقہ کار نہیں تھا۔''

وینچر کیپیٹل سرمایہ کاری جو نہائت ترقی پذیر ٹیکنالوجی کمپنیوں کی فنڈنگ کرتی ہے اکثر غیر ملکی سرمایہ کاروں کے لیے اسرائیل میں پیسہ لگانا مضحکہ خیز لگ رہا تھا. ان کے نزدیک اسرائیل قدیم مذاہب، آثار قدیمہ کی کھدائی اور مہلک تنازعات کا مترادف تھا۔۔ وہ سرمایہ کار جو اسرائیلی R&D کی صلاحیتوں پر حیرت زدہ تھے 1980 کی دہائی کے آخر میں فلسطینی بغاوت یا انتفادہ کی وجہ سے تشدد میں اضافے پر خوف زدہ ہو گئے۔ یہ 1991 کی خلیجی جنگ کے دوران دووفرومین کا اِنٹیل کھلا رکھنے کے فیصلے سے پہلے کا ذکر تھا۔

اسرائیل سیڈ پارٹنرز کے بانی جون میڈویڈ کے مطابق، "آپ امریکی فنڈ کے ساتھ اس وقت تک بات کر سکتے ہیں جب تک کہ آپ تھکن سے چور ہو کر کہیں، 'ارے، آؤ، اسرائیل میں سرمایہ کاری کرو' تو وہ آپ پر ہنسیں گے۔''

1980 کی دہائی کے دوران اسرائیل میں وینچر کیپیٹل کی کمی بھی دیگر مسائل کا باعث تھی۔ مغرب میں وینچر کیپیٹلسٹ کا کردار صرف نقدر قم فراہم کرنا نہیں ہے، اس کی رہنمائی، دوسرے سرمایہ کاروں کے نیٹ ورک سے متعارف کروانا، ممکنہ خریداروں اور نئے گاہکوں اور شراکت داروں سے آگاہی جو نو خیز اسٹارٹ۔۔اپ کیلئے وینچر انڈسٹری کو پرکشش بناتی ہے۔ایک اچھا VC انٹرپرینیور کمپنیاں بنانے میں ان کی مدد کرے گا۔

یگل ایرلچ، عظیم سائنس دان جس نے 1980 کی دہائی کے آخر میں حکومت میں خدمات انجام دیں، نے کہا، ''یہ بالکل واضح تھا کہ اس وقت اسرائیل میں کوئی چیز غائب تھی۔ "اسرائیل ٹیکنالوجیز تیار کرنے میں بہت اچھا تھا، اسرائیلی کمپنیوں یا مارکیٹ پروڈکٹس کے انتظام سے ناواقف تھے۔"

اسرائیلی انٹرپرینیورز کو ہزاروں میل اور کئی ٹائم زونز دور مارکیٹوں کے لیے مصنوعات بنانے کے لیے شروع سے ہی عالمی سطح پر سوچنے کی ضرورت تھی۔ لیکن سنجیدہ سوال منڈلا رہے تھے: مصنوعات کو مارکیٹ کے مطابق کیسے بنائیں؟ بحیرہ روم کے ساحلوں سے دور، بڑے پیمانے پر اشیاء تیار کر کے ان کی تشہیر کرنا اور بالآخر صارفین کیلئے مصنوعات کو تقسیم کیسے کریں؟

اسرائیل میں وینچر کیپیٹل کے متعارف ہونے سے پہلے فنڈنگ کے صرف دو ذرائع تھے۔ پہلا، اسرائیلی اسٹارٹ ---اپس آفس آف دی چیف سائنٹسٹ (OCS) کے دفتر میں مماثل گرانٹس کے لیے درخواست دے سکتے تھے۔ یہ گرانٹیں سٹارٹ۔۔۔اپس کو فی الواقعی درکار رقم سے کہیں کم ہوتی تھیں، نتیجتاً'' بہت ہی بڑی تعداد میں ناکامی کا مونہہ دیکھتی تھیں. 1980 کی دہائی کے آخر میں ایک سرکاری رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ 60 فی صد OCS گرانٹس سے مستفید ہونے والی ٹیکنالوجی کمپنیاں اپنی مصنوعات کی تشہیری اخراجات کے لیے سرمایہ مہیا نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے ممکن ہے عظیم مصنوعات تخلیق کی ہوں لیکن وہ انہیں فروخت نہیں کر سکے۔

دوسرا، اسرائیلی کمپنیاں BIRD گرانٹس کے لیے درخواست دے سکتی ہیں۔ امریکی اور اسرائیلی حکومتوں کے 110 ملین ڈالرز کے اشتراک سے بائی نیشنل انڈسٹریل ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ (BIRD) فاؤنڈیشن امریکی-- -اسرائیلی مشترکہ کاروباری منصوبوں کی مدد کے لیے تخلیق کی گئی۔ BIRD، $500,000 سے ایک ملین کی معمولی سی گرانٹس دو سے تین سال میں دی جاتی تھیں، اور کامیاب منصوبوں سے حاصل ہونے والی چھوٹی رائلٹیوں کے ذریعے رقوم کی واپسی وصول کی جاتی تھیں۔

ایڈ ملاوسکی 1978 میں برڈ کا ایگزیکٹو ڈائریکٹر بن گیا اس نے یو ایس---اسرائیل ایڈوائزری کونسل کے اجلاس میں انڈسٹریل آر اینڈ ڈی پر آنا'' فانا'' اعتراض کر ڈالا۔ BIRD دو سال قبل قائم کی گئی تھی لیکن اس فاؤنڈیشن

نے ایک بھی منصوبے کو فنڈ نہیں دیا۔ کونسل فاؤنڈیشن چلانے کے لیے ایک جانشین منتخب کرنے کے لیے میٹنگ کر رہی تھی۔اور ممبران کو امیدواروں کے گروہ سے مایوسی ہوئی۔ ملاوسکی جو انگلینڈ میں پیدا ہوُالیکن اب امریکی شہری تھا، نے کہا، ''حضرات، یہ نہائت خوفناک ہے؛ میں کسی بھی امیدوار سے بہتر کام کر سکتا ہوں۔''

کمیٹی نے سوچا کہ یہ بہت اچھا آئیڈیا ہے اور ملاوسکی کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ ٹائیکوانٹرنیشنل کے ایگزیکٹو نائب صدر کی ملازمت چھوڑ کر اپنے خاندان سمیت اسرائیل منتقل ہو جائے۔ ملاوسکی کی بیوی یہودی نہیں تھی اور اسے اسرائیل کے ساتھ کوئی مضبوط جذباتی تعلق بھی نہیں تھا لیکن امریکہ کا اسسٹنٹ سکریٹری برائے تجارت، سائنس اور ٹیکنالوجی، جارڈن باروک کے کہنے پر ملاوسکی اسرائیل گیا، جیسا کہ وہ کہتے ہیں، "ایک ایسے ملک میں نوکری کے لیے انٹرویو دیا جہاں مجھے جانے کی خواہش نہیں تھی" اس کی بیوی مددگار بنی۔ اس نے 1979 میں اسرائیل کا دورہ کیا تھا، اسے نوجوان ملک کی اہم ثقافت کے ساتھ محبت ہو گئی. Mlavsky نے ٹائکو سے سفر کیلئے چھٹی لی، اپنا فرنیچر گودام میں رکھا اور اسرائیل چلا گیا۔ وہ تیرہ سال تک اس عہدے پر رہا، یہاں تک کہ جیمنی کا مشترکہ خالق بن گیا جو اسرائیل کی پہلی سرکاری مالی امداد سے چلنے والی پہلی وینچر کیپیٹل فرموں میں سے تھی۔

ملاوسکی کو جس چیز نے متوجہ کیا وہ اسرائیل میں کسی بھی خیال کے تجربے کے لیے کشادگی تھی وہ جس کی اس وقت تک کھل کر قدر نہ پہچان سکا جب تک کہ وہ سرزمین پر پہنچ کر اسرائیلی زندگی میں گھل مل نہیں گیا۔

ملاوسکی برڈ کو ایک قسم کی "ڈیٹنگ سروس" کہتا تھا کیونکہ وہ اور اس کی ٹیم ایک اسرائیلی ٹیکنالوجی کمپنی اور ایک امریکی کمپنی جو امریکہ میں مصنوعات کی مارکیٹنگ کر کے تقسیم کر سکتی ہے، کے درمیان میچ میکر کا کردار ادا کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ میچ میکر ملاقات کی لاگت کیلئے مالی امداد بھی دے گا۔

BIRD نے زیادہ تر جن امریکی ٹیک کمپنیوں کا پیچھا کیا ان کا R&D بجٹ محدود تھا۔ وہ چونکہ درمیانی سے بڑے سائز کی عوامی کمپنیاں تھیں۔ مہنگی تحقیق کی ادائیگی کے لیے سہ ماہی محصولات میں کمی سے ڈرتی تھیں۔

ملاوسکی کو یاد آیا، "ہم نے امریکی کمپنیوں سے کہا، 'یہ جگہ ہے جو اسرائیل کہلاتا ہے، ہو سکتا ہے جس کے متعلق آپ نے شائد سنا ہو یا نہیں۔ ہم آپ کا رابطہ وہاں کے ہوشیار، تخلیقی اور اچھے تربیت یافتہ انجینئرز کے ساتھ کروا سکتے ہیں۔ آپ کو ان کی خدمات حاصل کرنے کیلئے ادائیگی یا دوبارہ منتقلی کی ضرورت نہیں، اور آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کہ منصوبہ ختم ہونے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ ہم آپ کو ایسے گروپ سے نہ صرف متعارف کرائیں گے بلکہ ہم آپ کے منصوبے کے اپنے حصے کی آدھی رقم دیں گے اور اسرائیلیوں کو اپنے حصے کی آدھی رقم کی ضرورت ہو گی۔"

BIRD نے آج تک 780 منصوبوں میں 250$ ملین سے زیادہ کی سرمایہ کاری کی جس کے نتیجے میں 8$ بلین کی بلاواسطہ اور بالواسطہ فروخت ہوئی۔

BIRD پروگرام کا اثر محض آمدنی سے کہیں زیادہ ہے: اس نے نوخیز اسرائیلی ٹیک کمپنیوں کو امریکہ میں کاروبار کرنے کا طریقہ سکھانے میں مدد کی۔ کمپنیوں نے اپنے امریکی شراکت داروں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ بہت سی کمپنیوں نے امریکہ میں کرائے کے دفتر لئے اور ملازمین کو بیرون ملک بھیجا جہاں وہ مارکیٹ اور ان کے صارفین کے متعلق تربیت لے سکیں۔

BIRD نے ایکویٹی فنانسنگ کی عدم موجودگی میں امریکی مارکیٹوں کیلئے ایک سادہ راستہ فراہم کیا۔ منصوبہ ناکام ہونے کے باوجود اس کے متعلق بہت کچھ سیکھنے کو ملا کہ محض ٹیکنالوجیز میں ترقی کرنے کے برعکس مارکیٹوں کے لیے ڈیزائن کردہ مصنوعات کیسے بنائی جائیں۔

1992 تک تقریباً 60 فیصد اسرائیلی کمپنیاں جو عوامی سطح پر نیویارک اسٹاک ایکسچینج پر اور 75 فیصد NASDAQ پر BIRD کی مدد سے درج ہوئیں۔ امریکی وینچر کیپیٹلسٹ اور سرمایہ کار اس طرف متوجہ ہوئے۔ 74 فیصد ہائی ٹیک برآمدات اسرائیل کی صرف 4 فی صد ہائی ٹیک کمپنیوں سے ہوتی ہیں۔ فوائد وسیع پیمانے پر عام نہیں ہو رہے تھے۔ نئی ٹیک کمپنیاں اگر BIRD یا سرکاری گرانٹس حاصل نہ کر سکیں تو انہیں "تن تنہا، بلا مدد" کے فن میں مہارت حاصل کرنا تھی: یعنی ذاتی وسائل، تعلقات یا دیگر ذرائع سے فنڈز جلدی سے اکٹھا کرنا ہوں گے۔

جون میڈویڈ نے ”تن تنہا، بلا مدد“ کی کوشش کی جب اس نے 1982 میں والد کے آپٹیکل ٹرانسیورز گھر گھر جا کر بیچے۔ کمپنی اس وقت صرف دس افراد پر مشتمل تھی جو در حقیقت ایک گیراج میں آپٹیکل ٹرانسمیٹر اور ریسیور بنا رہے تھے۔ میڈویڈ نے اعتراف کیا کہ اس نے کالج میں ریاضی یا فزکس کی ایک بھی کلاس نہیں لی تھی، والد کے کاروبار کی باریکیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا، عبرانی سے بھی ناواقف تھا۔ میڈویڈ یاد کرتا ہے،

"میں اسرائیلی انجینئرز گروپ سے خطاب کروں گا جو فائبر کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے اور انہیں فائبر آپٹکس کے متعلق لیکچر دوں گا، "اگر کسی نے مشکل تکنیکی سوال کر ڈالا تو میں ان کی عبرانی کے پیچھے چھپ جاؤں گا---' معاف کیجئے میں آپ کا سوال سمجھ نہیں سکتا! میڈوَیڈ نے کمپنی کے لیے ایک کاروباری منصوبہ لکھا، اور اس نے اپنے سوٹ کیس سائز کے کمپیوٹر پر پہلی دستیاب اسپریڈ شیٹ سافٹ ویئر پر آمدنی کا تخمینہ تیار کیا؛ اس کیلئے بھی اور نابیری کی طرح فنڈ اکٹھا کرنا ناممکن ثابت ہوا۔

بڑا سائنسدان ایر لچ انٹر پرینیورز فنڈ نگ کو درپیش مسائل پر قابو پانے کیلئے متعین ہؤا۔ اس نے اس کی مخالفت میں یہ سنا: "تم نئی، چھوٹی کمپنیوں پر وقت اور پیسہ ضائع مت کرو۔ وہ ایک ہاری ہوئی بازی ہیں۔" حکومتی ماہرین اقتصادیات نے اس کے برعکس اسرائیل اور بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے درمیان فنڈ نگ اور شراکتیں بڑھانے کو ضروری خیال کیا جس کے ہزاروں اسرائیلی ملازم تھے۔

اسرائیل پر اس وقت ایک اور حوّا سوار تھا: ملک میں 10 لاکھ کے قریب سوویت یہودی تارکین وطن کے سیلاب سے کیسے نمٹا جائے؟ حکومت کا خیال تھا کہ ان تارکین وطن کو جذب کرنے کے لیے اسرائیلی معیشت کو نصف ملین نئی ملازمتیں پیدا کرنا ہوں گی۔ ہر تین سوویت تارکین وطن میں سے ایک سائنسدان، انجینئر یا ٹیکنیشن تھا، اور انہیں جذب کرنے کیلئے اسرائیلی ہائی ٹیک سیکٹر بہترین حل لگتا تھا؛ لیکن موجودہ R&D مراکز تنہا اتنے نئے ملازمین کو کبھی سنبھال نہ پائیں گے۔

حکومت نے 1991 میں چوبیس ٹیکنالوجی انکیوبیٹرز بنائے۔ ان انکیوبیٹرز نے اکثر روسی سائنس دانوں کو اپنی اختراعات کے لیے R&D کے ابتدائی مرحلے میں حسب ضرورت وسائل اور مالی اعانت فراہم کی۔ مقصد صرف ٹیکنالوجی کو ترقی دینا نہیں تھا بلکہ یہ تعین کرنا تھا آیا پیداوار تجارتی بنا کر فروخت کی جا سکتی ہے. حکومت نے سینکڑوں کمپنیوں کو 300,000$ تک کی مالی امداد فراہم کی۔ اس سے بہت سے روسی تارکین وطن کو اپنے ہنر میں کام مل گیا لیکن انہیں رقم دینے سے اسٹارٹ۔۔۔اپ وینچرز کا، اگر ہؤا بھی تو بہت ہی کم تجربہ ہؤا۔ حکومت کے مالی اعانت کاران اینٹر پرینیورز کو وہ مدد اور انتظامی مہارت دینے سے قاصر ہیں جس کی انہیں اپنی R&D کی کامیابیوں کو تجارتی لحاظ سے قابل فروخت مصنوعات میں تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ ایر لچ نے کہا۔ "میں نے ہر سال جب ان چھوٹی کمپنیوں کی کامیابی کا جائزہ لینے کی کوشش کی تو نتیجہ مایوس کن تھا۔ وہ ممکن ہے R&D میں تو کامیاب ہوں لیکن ترقی پذیر کمپنیاں بننے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔" اسے یقین ہو گیا کہ نجی وینچر کیپیٹل انڈسٹری واحد تریاق تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کامیابی کے لیے ایک اسرائیلی وینچر کیپیٹل صنعت کو غیر ملکی مالیاتی منڈیوں کے ساتھ مضبوط تعلقات کی ضرورت ہو گی۔ بین الاقوامی روابط صرف فنڈز اکٹھا کرنے کے متعلق نہیں تھے۔ مشتاق اسرائیلی VCs کو کاروبار کے فن میں رہنمائی کرنے کیلئے رہنمائی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

امریکہ میں وینچر کیپیٹل کی ہزاروں فرمیں سلیکون ویلی میں کامیاب ٹیک اسٹارٹ۔۔۔اپس میں شامل تھیں۔ ان کے پاس کمپنیوں کی تعمیر کا تجربہ تھا، ٹیکنالوجی اور فنڈ نگ کے عمل کو سمجھتے اور نئے انٹر پرینیوز کی رہنمائی کر سکتے تھے۔ ایر لچ یہی کچھ اسرائیل لانا چاہتا تھا۔

اسی دوران وزارت خزانہ کے نوجوان بیورو کریٹس کا ایک گروپ، ایک پروگرام بنام یوزما لئے سامنے آیا جس کا عبرانی میں مطلب "پہل کاری" ہے۔

اورنا بیری نے ہمیں بتایا، "جان لینن نے ایک بار 'روک اینڈ رول' کے ابتدائی سالوں کے متعلق کہا تھا۔ 'ایلوِس سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔' وینچر اور اسرائیل میں ہائی ٹیک انٹرپرینیورشپ کیپیٹل کی کامیابی پر، لینن کے الفاظ میں یوزما سے پہلے وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔"

منصوبہ یہ تھا کہ حکومت دس نئے وینچر کیپٹل فنڈز کے لیے 100 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کرے۔ ہر فنڈ کی نمائندگی تین فریقوں کو کرنا تھی: اسرائیلی وینچر کیپٹلسٹوں کی ٹریننگ، ایک غیر ملکی وینچر کیپیٹل فرم اور ایک اسرائیلی سرمایہ کار کمپنی یا بینک۔ ٹیکنالوجی کمپنیوں میں براہ راست سرمایہ کاری کیلئے 20 ملین ڈالر کا ایک یوزما فنڈ بھی تھا۔

یوزما پروگرام نے ابتدائی طور پر تقریباً ڈیڑھ سے ایک کی نسبت پیش کی۔ اسرائیلی شراکت دار اگر نئی اسرائیلی ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری کے لیے 12 ملین ڈالر جمع کر سکیں تو حکومت فنڈ کو 8 ملین ڈالر دے گی۔ حکومت نے جب بھیڑ دیکھی تو اس نے نسبت بدل دی یعنی VC فرموں کو 8 ملین ڈالر حاصل کرنے کے لیے اب 12 کے بجائے 16 ڈالر ملین جمع کرنا ہوں گے۔

غیر ملکی (وینچر کیپیٹل) VCs کے لیے اصل رغبت پہلے سے ممکنہ تعمیر شدہ پروگرام تھا۔ حکومت نئے فنڈ میں 40 فیصد ایکویٹی حصص اپنے پاس رکھے گی۔ فنڈ اگر کامیاب رہا تو پانچ سال بعد شراکت داروں کو سالانہ سود سمیت ایکویٹی حصص سستے داموں خریدنے کا آپشن دے گا۔ اس کا مطلب تھا کہ جب حکومت نے خدشے کے امکان میں شراکت کے ساتھ سرمایہ کاروں کو تمام انعام کی پیشکش کی تو ایک سرمایہ کار کے نکتہ نظر سے یہ ایک غیر معمولی طور پر اچھا سودا تھا۔

جون میڈویڈ نے کہا، ''یہ ایک نایاب حکومتی پروگرام تھا جس میں دخول و خروج پہلے سے موجود تھا۔ یہی اس کی کامیابی کی کلید تھی۔ یہ حکومتی پروگرام اس بنا پر بھی نایاب تھا کہ ابتدائی مقصد پورا کرنے کے بعد غیر معینہ مدت تک جاری رہنے کے بجائے غائب ہو جانا۔

کاروباری سمجھ رکھنے والے بیرون ملک بکھرے یہودیوں کی بہت ہی بڑی تعداد اس وقت اسرائیل میں سرمایہ کاری نہیں کر رہی تھی۔ ان کی نظر میں کاروبار اور انسان دوستی دو صریحا'' الگ الگ سرگرمیاں ہیں۔ وہ اسرائیل

کے فائدے کی خاطر منافع ---کیلئے نہیں-- تنظیموں کو بھاری عطیات دے رہے تھے لیکن وہ اکثر اسرائیل کی سخت کوشاں ہائی ٹیک میں سرمایہ کاری کرنے سے گریزاں تھے۔

مستثنیات بھی یقیناً تھے۔ کیلیفورنیا میں منی منیجر سٹینلے چائس نے یوزما فنڈز کی رقم جمع کرنے کے پہلے دور میں مدد کیلئے کیلیفورنیا کے امیر یہودیوں کے ساتھ کانفرنسیں کیں۔اس نے فنڈز کے لیے لاکھوں ڈالر جمع کئے۔ایرل مارگالیت جس نے پہلے پہل فنڈز کے انتظام کی خاطر یروشلم ڈویلپمنٹ اتھارٹی چھوڑدی تھی، گویا ہوُا کہ فنڈنگ کے پہلے دور کا زیادہ تر حصہ ان لوگوں نے دیا جن کے ''دل میں یروشلم یا اسرائیل کے لیے نرم گوشہ تھا۔''

مارگلیٹ کا پہلا ادارہ جاتی سرمایہ کار فرانسیسی انشورنس کمپنی GAN تھی جس کا چیئر مین ایک فرانسیسی یہودی تھا۔ مارگلیت کی اس سے ملاقات اتفاقاً پیرس جانے والی پرواز پر ہوئی۔

ایرلچ نے کہا، "تیزی لانے کیلئے حکومت کو استعمال کیا گیا تھا۔پہلا یوزما فنڈ ڈسکاؤنٹ اسرائیل کارپوریشن--- سرمایہ کاری بینک، اور ایڈونٹ وینچر پارٹنرز، بوسٹن کی ایک اعلیٰ VC فرم کی شراکت سے قائم ہوُا۔اس کی قیادت برڈ فاؤنڈیشن کے دیرینہ ڈائریکٹر ایڈ ملاوسکی، اور یوسی سیلانے کی۔

ایڈونٹ کے ایک پارٹنر کلنٹ ہیرس نے اپنے پہلے سفر پر کہا کہ اسے علم تھا کہ اسرائیل کچھ مختلف ہے۔ ہوائی اڈے سے تل ابیب ہوٹل جاتی ٹیکسی میں بیٹھے ڈرائیور نے پوچھا کہ وہ اسرائیل کیوں آیا؟ حارث نے جواب دیا کہ وہ وینچر کیپیٹل انڈسٹری کے عام سے فہم کے لیے وہاں گیا تھا۔ ڈرائیور نے حارث کو اسرائیل میں VC کی حالت کے متعلق معلومات دینا شروع کیں۔

ایڈونٹ کے زیر کفالت فنڈ کا نام جیمنی اسرائیل فنڈز ہوگا۔نومبر 1993 میں Ornet ڈیٹا کمیونیکیشنز میں سرمایہ کاری کیلئے 1$ ملین مختص گئے۔اورنیٹ کو کامیابی کے لیے صرف سرمایہ کاری، نیز انتظامی امور میں مدد کی ضرورت تھی۔ کمپنی کی انتظامیہ میں کاروباری تجربہ کی کمی کو ملحوظ رکھ کر ملاوسکی اور سیلانے نئی کمپنی کے بطور بورڈ چیئر مین مائر برسٹین کی خدمات حاصل کرنے میں مدد کی۔ برسٹین ہائی ٹیک انٹر پرینیوریل دنیا کا پرانا کھلاڑی تھا جس نے Tekem کی بنیاد رکھ کر اس کی قیادت کی جو اسرائیل کی سافٹ ویئر کی پہلی کمپنیوں میں سے تھی، پھر اسرائیل کی بڑی دفاعی ٹیکنالوجی کمپنی تادیران کے بطور صدر خدمات انجام دیں۔ برسٹین اور نیٹ کیلئے فوری طور پر تجربہ اور شہرت لئے آیا۔

کمپنی جب پہلے بڑے فنانسنگ موقع ضائع کرنے کے بعد بند ہونے کے دہانے پر کھڑی تھی تو جیمنی کا یوسی سیلا عبوری سی ای او کے عہدہ پر فائز ہوُا؛ ہفتے میں چار دن رامات ہشارون سے کرمیل تک دو گھنٹے کار میں جاتا تھا۔ سیلا نے

یاد کیا، "جیمنی اور اورنیٹ کی بانی ٹیم سے کمپنی کی فروخت تک اور انتظامی ٹیم کو بکھرنے سے روکنے کیلئے—— میں نے پختہ عزم سے چھ ماہ کام کیا---مزید ذکر کرنے کی ضرورت نہیں میں نے جو رمات ہشارون سے کرمیل تک ڈرائیونگ کے گھنٹے یاد رکھنے سے زیادہ سفر کیا—— لیکن ہم نے یہ میدان مار لیا۔"

دوسرا ٹکڑا جو کمپنی کی کامیابی کے لیے اہم تھا جیمنی کا والڈن وینچر کیپٹل کو بطور سرمایہ کار لانے کی صلاحیت تھی۔ والڈن، سلیکون ویلی کی مسلّمہ فرم، جسے اورنیٹ قسم کی ٹیکنالوجی کا تجربہ تھا۔ تقریباً دو سال میں سرمایہ کاری کا تین گنا واپس کرنے پر Ornet Gemini کی کامیابی کی پہلی کہانی تھی۔

1992 اور 1997 کے درمیان دس یوزما فنڈز نے حکومتی فنڈز کی مدد سے 200$ ملین سے زیادہ کا اضافہ کیا۔ وہ پانچ سال میں فنڈز خریدے لئے گئے یا ان کی نجکاری کی گئی، اور آج وہ تقریباً 3 بلین ڈالر کے سرمائے کے منتظم ہیں اور سینکڑوں نئی اسرائیلی کمپنیوں کی مدد کرتے ہیں۔ ایرل مارگلیٹ نے کہا، نتائج واضح تھے۔ "وینچر کیپیٹل وہ پٹرولیم تھی جس نے آگ بھڑکائی۔"

یوزما فنڈز میں سے کئی ایک نے جلد ہی اعلیٰ سطح پر کامیابیاں حاصل کیں جیسے ESC میڈیکل جیسی کمپنیوں میں سرمایہ کاری کی جس نے لیزرز جیسی روشنی---پر مبنی طبّی حل کا خاکہ تیار کرکے انہیں بنایا؛ گیلیلیو، ایک اعلیٰ درجے کی سیمی کنڈکٹر فرم؛ کامن ٹچ، ایک انٹرپرائزای-- میل اور پیغام رسانی فراہم کرنے والی فرم؛ اور جاکادا جو معروف کمپنیوں میں کسٹمر سروس ملازمین کے لیے آن--لائن کام کی جگہیں بناتی ہے۔

دوسروں نے بھی اسی دوران حکومتی یوزما کی پشت پناہی کے بغیر، وینچر کیپیٹل کی دنیا میں چھلانگ لگا دی۔ جون میڈویڈ یوزما فنانسنگ سے محروم رہ گیا۔ اس نے والد سمیت بنائی کمپنی کی فروخت کے برسوں بعد سنا کہ 5$ ملین یوزما کی طرف سے خصوصی رقم، بہت—ابتدائی—مرحلے--میں سرمایہ کاری کے لیے دستیاب تھی۔ یہ سیڈ فنڈز کے نام سے جانی جاتی تھیں جو سرمایہ کاری کیلئے خطرناک ترین خیال کی جاتی تھیں، ان کے لیے یوزما نے ایک، ایک کی نسبت کی پیشکش کی: سرمایہ کاروں کو حکومت کے 2.5 ملین ڈالر حاصل کرنے کے لیے 2.5 ملین ڈالر مہیا کرنا تھے۔

میڈویڈ چیک لکھنے کے لیے تیار سرمایہ کاروں کو ساتھ لئے یگال ایرلچ سے گرانٹ کیلئے پہنچا۔ بدقسمتی سے اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہ پڑا۔ یوزما پروگرام نے امریکی وینچر کمیونٹی کا اسرائیل میں کاروبار کرنے کے متعلق سرمایہ کاروں کی خاموشی پر ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ میڈوَیڈ نے کہا، "اسرائیل نے سرمایہ کاروں میں اس قدر جوش بھر دیا تھا، "ہم 2.5 $ ملین لانے اور 1994 میں حکومت کی مماثل گرانٹ کے بغیر اسرائیل سیڈ

پارٹنرز شروع کرنے میں کامیاب رہے۔ یہ فنڈ تیزی سے بڑھ کر 6 ملین ڈالر تک پہنچا، اور اسرائیل سیڈ نے 1999 میں 40 ملین ڈالر اور 2000 میں 200 ملین ڈالر اکٹھا کیا۔

اسرائیل وینچر ایسوسی ایشن کے مطابق اب پینتالیس اسرائیلی وینچر کیپٹل فنڈز ہیں۔ ایڈ ملاوسکی نے کہا کہ اسرائیلی اسٹارٹ۔۔اپس میں 1992 سے 2009 کی ابتدائی مدت تک اسرائیل میں جن ملکی اور غیر ملکی کمپنیوں نے سرمایہ کاری کی وہ تقریباً 240 VCs ہیں۔

دنیا بھر کی دیگر حکومتوں نے جلد ہی یوزما کی کامیابی پر غور کرنا شروع کیا۔ بڑے سائنس دان ایرلچ کو غیر ملکی حکومتوں بشمول جاپان، جنوبی کوریا، کینیڈا، آئرلینڈ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، سنگاپور، اور روس سے کالیں آئیں کہ سبھی اسرائیل آکر یوزما کے بانیوں سے ملنا چاہتے ہیں۔

آئرلینڈ نے دسمبر 2008 میں 500 ملین "انوویشن فنڈ" کا آغاز کیا تاکہ غیر ملکی وینچر سرمایہ داروں کو مشترک فنانسنگ کے کیلئے راغب کر سکیں۔

آئرش ماہر اقتصادیات ڈیوڈ میک ولیمز نے کہا، "یہ آئرش ریاست کی ستم ظریفی ہے کہ اسرائیل کے ساتھ اس کے پہلے 40 سال تک سفارتی تعلقات نہیں تھے --- لیکن یہودی ریاست کی نقل کی۔"

آئرش انوویشن فنڈ یوزما کی طرح غیر ملکی VCs کو ریاستی حمایت یافتہ نجی شعبے کے ساتھ مشترک وینچر کیپیٹل فنڈز کو آئرلینڈ کی طرف راغب کرتا ہے۔

میک ولیمز نے کہا، "بڑا مقصد صرف امریکی سرمایہ اور تجارتی معلومات کو متوجہ کرنا نہیں بلکہ تمام یورپی اینٹرپرینیورز کو اپنی گرفت میں لینا ہے۔ یورپ میں اب سائنسی صلاحیتوں کے بہت بڑے ذخائر ہیں لیکن اس کے اسٹارٹ۔۔اپس کا ریکارڈ بہت خراب ہے۔ ایک معقول سوال جو اکثر سرمایہ کار پوچھتے ہیں: یورپی گوگل کہاں ہے؟ اگر آئرش اور یورپی دماغ سمیت امریکی سرمائے کے استعمال سے گوگل یہاں قائم ہو جائے تو اگلے دس سال میں کیا ہو گا؟ یہی انعام ہے۔"

یوزما نے اہم گمشدہ جزو فراہم کیا جس سے 1990 کی دہائی کے مفاد سے اسرائیلی ٹیک شامل ہو سکا۔ 2000 میں اسرائیلی ٹیک سیکٹر بیک وقت متعدد ضربوں کا شکار ہوا: عالمی ٹیک بلبلا پھٹ گیا، دہشت گردی سے اوسلو امن کا عمل تباہ ہوا اور معیشت کو کساد بازاری لے ڈوبی۔ اسرائیل کے سٹارٹ۔۔۔اپس، اس کے باوجود، تیزی سے بدل گئے اور دوبارہ ترقی کی راہ لی۔ اسرائیل نے اس عرصے کے دوران یورپ کے حوالے سے عالمی وینچر کیپیٹل میں اپنا حصہ

دوگنا کر دیا جو 15 سے بڑھ کر 31 فیصد ہو گیا۔ یہ نمو ایک ٹیکس ریگولیٹری ماحول کے اندر ہوئی جس سے ٹیکنالوجی اسٹارٹ۔۔۔اپس اور غیر ملکی سرمایہ کاروں کو فائدہ حاصل ہوا لیکن باقی ماندہ معیشت کو یکساں مدد میسر نہ ہوئی۔

ایک ٹیکنالوجی اسٹارٹ۔۔۔اپ متعدد ذرائع کو سرمایہ کاری کیلیئے راغب کر سکتی ہے لیکن روایتی کاروبار شروع کرنے کیلیئے ایک سادہ معمولی سا کاروباری قرضہ بھی بآسانی میسر نہیں۔ اسرائیل کی کیپٹل مارکیٹس چھوٹی فرموں سے بھری پڑی تھیں جو رسد و کھپت کے مطابق ساتھ نہیں دے سکتی تھیں۔ اسرائیل کے لیے ایک خاص صنعت جو قدرتی معلوم ہو—مالیاتی خدمات—کو قائم ہونے سے ہی منع کر دیا گیا۔

تال کینان نے 2001 میں، ہارورڈ بزنس اسکول سے گریجویشن کی۔ کینان نے کہا، "میرے بہت سے دوست جو وال سٹریٹ میں کام کرنے جا رہے تھے وہ یہودی تھے؛ میں نے یہ اخذ کیا کہ یہودی ریاست میں ایسی کوئی صنعت نہیں ہے۔ جب سرمایہ کاری کے انتظام کی بات آئی تو اسرائیل نقشے پر تھا ہی نہیں۔"

اس کی وجہ حکومتی ضوابط تھے۔ کینان نے دریافت کیا کہ جس ڈھنگ سے " یہاں ریگولیٹری اور ٹیکس نظام قائم کیا گیا تھا، آپ قطعا" یوں کام کر سکتے ہیں جیسے آپ اسرائیل میں نہیں تھے، جو بہت اچھی پالیسی تھی جس نے ایک شاندار صنعت کو جنم دیا۔ حکومت نے بنیادی طور وینچر کیپیٹل میں مداخلت نہ کی۔ "اس نے مزید اضافہ کیا، "آپ وینچر کیپیٹل سے باہر رہ کر ڈھنگ سے کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ آپ نے جس رقم کا انتظام کیا اس پر کارکردگی کی فیس لینے کی اجازت نہیں تھی، آپ اس تمام صنعت کو بھول جائیں۔ یہ آغاز نہ کرنے جیسی بات تھی۔"

اثاثہ جات کے انتظام کے کاروبار کا ایک سادہ ماڈل ہے: فرموں کو انتظام کرنے کی ایک مقررہ مینجمنٹ فیس 1 سے 2 فی صد ملتی ہے۔ لیکن اصلی اوپر سے کارکردگی کی فیس کہ سرمایہ کاری پر کتنا منافع ہوا جو سرمایہ کاری پر عموما" 5 سے 20 فیصد ہوتا ہے جس کا انحصار فرم پر ہے۔

جنوری 2005 تک اسرائیلی منی مینجمنٹ فرموں کے لیے کارکردگی کی فیس چارج کرنا غیر قانونی تھا۔ تو حیرت کی بات نہیں کہ بات کرنے کے لیے کوئی ایسی صنعت نہیں تھی۔

یہ تبدیلی اس وقت کے وزیر خزانہ بنجمن "بی بی" نیتن یاہو کی طرف سے آئی۔ 2003 میں وزیراعظم ایریل شیرون کی حمایت کے ساتھ، نیتن یاہو نے ٹیکس کی شرحیں، ٹرانسفر ادائیگیاں، سرکاری ملازمین کی اجرت اور چار ہزار سرکاری نوکریاں کم کیں۔ اس نے معیشت پر باقی حکومتی اثرورسوخ کی بڑی علامتوں کی بھی نج کاری کی—جیسے قومی ایئر لائن، ال آل، قومی ٹیلی کمیونیکیشن کمپنی، بیزیک---اور مالیاتی شعبے میں اصلاحات کا آغاز کیا۔"

اس لحاظ سے وہ ہماری معیشت میں حکومتی گلاد بانے کے کردار سے نمٹا۔بی بی مصلح نہیں بلکہ انقلابی تھا۔اصلاح تب ہوتی ہے جب آپ حکومتی پالیسی بدلتے ہیں؛انقلاب تب آتا ہے جب آپ ملک کی سوچ کا انداز بدلتے ہیں۔میرا خیال ہے کہ بی بی ذہن کو بدلنے میں کامیاب ہو گیا تھا،"رون ڈرمر نے کہا جس نے نیتن یاہو سمیت چار اسرائیلی وزرائے خزانہ کے بحیثیت مشیر خدمات انجام دیں۔

نیتن یاہو نے ہمیں بتایا،"میں نے لوگوں کو سمجھایا کہ نجی معیشت ایسی ہے جیسے دبلا پتلا آدمی جو پشت پر ایک موٹے آدمی—حکومت—کو اٹھائے ہوئے ہے۔میری اصلاح پر مزدور یونینوں نے بڑے پیمانے پر ملک گیر ہڑتالوں کی چنگاری سلگائی،میری خصوصیت سے معیشت کی رگ پھڑکی۔اسرائیل میں جس کسی نے [نان--ٹیک] کاروبار شروع کرنے کی کوشش کی وہ تعلق جوڑ سکتا ہے۔"معیشت کے گڑھے سے نکلنے کے ساتھ ہی نیتن یاہو کی اصلاحات کو وسیع عوامی حمایت حاصل ہوئی۔

نیتن یاہو کی بینکنگ سیکٹر میں بھی اصلاحات کیلئے مختلف تجاویز خاطر خواہ کارگر ثابت ہوئیں۔ان اصلاحات سے حکومت کے بانڈز جو تقریباً 6 فیصد سالانہ نفع کی ضمانت دیتے تھے،کے خاتمے کا آغاز ہوا۔اثاثہ جات کے منتظمین اسرائیلی پنشن اور لائف انشورنس فنڈز اب تک اسرائیلی ضمانتی بانڈز میں سرمایہ کاری کر رہے تھے۔پنشن اور لائف انشورنس فنڈز "صرف مختص بانڈ خرید کر فائدہ اٹھانے والوں سے وعدے پورا کر سکتے ہیں۔کینن نے ہمیں بتایا، "انہوں نے بالکل یہی کچھ کیا-انہوں نے اور کہیں سرمایہ کاری نہ کی۔اسرائیلیوں کے لیے ان بانڈز کی وجہ سے ادارہ جاتی سرمایہ کاروں کیلئے کوئی کشش نہیں تھی کہ کسی نجی سرمایہ کاری فنڈ میں سرمایہ کاری کریں۔

حکومتی بانڈز جوں ہی بلا تجدید سود سمیت اصل واپس کئے گئے،اس سے ماہانہ تقریباً 300 ملین ڈالر میسر آئے جن کی سرمایہ کاری کہیں اور کی جا سکتی تھی۔ہم جب تل ابیب میں اس کے تیسویں منزل کے نئے سرمایہ کاری فنڈ کے دفتر میں بیٹھے باہر بحیرہ روم کو دیکھ رہے تھے،کینان نے نوٹ کیا،"آپ کو اچانک،تیزی سے،سرمایہ کاری کی صنعت میں روح پھونکنے کیلئے مقامی سرمایہ کا خزانہ مل گیا۔اسرائیل میں نتیجتاً،بہت ہی کم بڑے بین الاقوامی فائنینشل مینیجرز ہیں جن پر ایکوئٹی یا نئی کارپوریٹ بانڈ مارکیٹ افشانہ ہو جس کا تین سال قبل نہ تو اس کا وجود تھا اور نہ ہی شیکل میں موجود تھا۔"

نیتن یاہو کے مالیاتی شعبے کی اصلاحات کی وجہ سے انویسٹمنٹ مینیجرز کا کارکردگی کی فیس وصول کرنا بھی قانوناً جائز ہو گیا۔کینان نے وقت ضائع کئے بغیر تل ابیب اور نیویارک میں KCPS کی بنیاد رکھی جو اسرائیل کی پہلی فل اسپیکٹرم مالیاتی اثاثہ جات کے انتظام کی فرم تھی۔کینان نے کہا،"جس لمحہ میں نے بی بی کی اصلاحات کا مسودہ

قانون پڑھا، مجھ میں عمل تیزی سے بڑھنے لگا، یہ واضح تھا کہ یہ ہماری غیر ہائی ٹیک معیشت کو واقعی آزاد کر سکتا ہے۔"

کینن کا استدلال ہے کہ ایک بے پناہ مقامی لوگوں کی فطری استعداد استعمال نہیں کی گئی۔ "آپ اس کے متعلق سوچیں کہ اسرائیلی فوج میں نوجوان اِنٹیلی جنس یونٹوں میں---اکثر انتہائی معیاری مقداری تجزیاتی مہارتیں—— الگورتھم، ماڈلنگ میکرو اکنامک رجحانات سیکھتے ہیں۔ وہ اگر ہائی ٹیک میں جانا چاہیں تو ایسے سٹارٹ۔۔۔اپس ہیں جوان کی آرمی سروس کے بعد انہیں ہڑپ کر جائیں گے۔ وہ اگر فنانس میں جانا چاہیں تو انہیں ملک سے باہر جانا پڑے گا۔ یہ اب بدل گیا ہے۔ اس نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا، "ذرا اس کے متعلق سوچئے کہ اسرائیلی فلیٹ سٹریٹ لندن پر اس لئے کام کر رہے ہیں کیونکہ ان کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں تھی۔ اب، 2003 سے اسرائیل میں ان کے لیے ایک جگہ ہے۔

حصہ چہارم

ایک بامقصد ملک

باب 11

خیانت اور موقع

اسرائیلی ہائی ٹیک کے دو حقیقی باپ عرب بائیکاٹ اور چارلس ڈی گال ہیں ہمیں جنہوں نے صنعت کو ترقی دینے کی ضرورت پر مجبور کیا۔

یوسی وردی

ہم نے اس تمام کتاب کے دوران ان عناصر کی طرف اشارہ کیا ہے جو IDF کے برجستہ اور درجہ بندی کے خلاف ماحول نے اسرائیلیوں کا ان کے اسٹارٹ۔۔۔اپس میں اسرائیلی معیشت کی تشکیل کی۔ یہ ماحول جب اسرائیلی ارفع فوجی یونٹوں سے حاصل شدہ تکنیکی جادو گری اور سرکاری دفاعی صنعت سے حاصل کرتے ہیں تو ان سب سے ایک زبردست مرکب بن جاتا ہے. اسرائیلی دفاعی صنعت کی پیدائش کے متعلق کوئی عامیانہ بات نہیں تھی۔ اتنے چھوٹے ملک کا اپنا مقامی فوجی صنعتی کمپلیکس کا ہونا کبھی نہ سنا تھا۔ اس کی جڑیں ڈرامائی انداز میں ایک قریبی اتحادی کی طرف سے راتوں رات کی گئی خیانت میں ہیں۔

اسرائیلی تبدلی کے لمحے کو سمجھنے کا بہترین طریقہ امریکیوں پر ایک جھٹکے جیسا ہے جس کا امریکہ پر ایسا ہی اثر ہوُا۔ اس وقت امریکی عالمی حیثیت کو اچانک دھچلا لگا جب روس نے پہلا خلائی سیٹلائیٹ سپوتنک 1 چھوڑا۔ اس بات پر اکثر امریکی دنگ رہ گئے کہ روس فضائی دوڑ میں آگے نکل سکتا ہے۔ پیچھے کی طرف دیکھیں تو یہ امریکی معیشت کے لیے ایک نعمت تھی۔

انوویشن اکانومسٹ جان کاؤ کا کہنا ہے کہ سپوتنک "ایک جگانے والی کال تھی امریکہ نے جس کا جواب دیا۔ ہم نے سائنس اور ریاضی کی تعلیم پر زور دینے کے لیے اسکول کے نصاب پر نظر ثانی کی اور 900$ ملین نیشنل ڈیفنس ایجوکیشن ایکٹ پاس کیا (آج کے ڈالروں میں تقریباً 6 بلین ڈالر)، اسکولوں کے لیے وظائف، طلباء کیلئے قرضے اور سائنسی آلات مہیا کئے۔ "ناسا اور اپولو پروگرام اور پینٹا گون جیسی نئی طاقتور ایجنسی سمیت پروگرام بنائے گئے جو سویلین آر اینڈ ڈی کمیونٹی کو جوش دلانے کے لیے وقف تھے۔

ایک دہائی سے قدرے زیادہ عرصہ بعد، نیل آرمسٹرانگ نے چاند پر قدم رکھا۔ اپالو پروگرام اور پینٹا گون کی متعلقہ دفاعی سرمایہ کاری نئی دریافتوں کی محرک بنیں جو بالآخر تجارتی بنالی گئیں جن سے معیشت پر تبدیل کن اثرات ہوئے۔ اس مربوط تحقیق اور ترقی کی مہم نے ایویانکس (ہوابازی میں الیکٹرانکس کا استعمال) اور ٹیلی کمیونیکیشنز میں انٹرنیٹ سمیت بالکل نئے کاروباری شعبوں کو جنم دیا اور سپوتنک پر امریکی ردعمل نے دیرپا اثر چھوڑا۔

امریکہ کے دس سال بعد اسرائیل پر بھی سپوتنک جیسا لمحہ آیا۔ 1967 کی چھ روزہ جنگ کے بعد چارلس ڈی گال نے اسرائیل کو کسی پر انحصار کرنے کی قیمت کے متعلق ایک انمول سبق سکھایا۔

ڈی گال، فرانس کی پانچویں جمہوریہ کا بانی، دوسری جنگ عظیم کے بعد اعلیٰ فوجی اور حکومتی عہدوں پر فائز رہا؛ 1959 سے 1969 تک بحیثیت صدر مملکت خدمات انجام دیں۔ ڈی گال نے اسرائیل کی آزادی کے بعد یہودی

ریاست کے ساتھ مضبوط اتحاد کو پروان چڑھایا جسے اسرائیلی رہنما ایک گہری ذاتی دوستی سمجھتے تھے۔اس اتحاد میں فرانس کا اہم فوجی ساز وسامان اور لڑاکا طیارے فراہم کرنے کے علاوہ جوہری ہتھیاروں کی ترقی میں تعاون کرنے کا خفیہ معاہدہ بھی شامل تھا۔

اسرائیل نے بھی بہت سی چھوٹی ریاستوں کی طرح بڑے ہتھیار خود پیدا کرنے کے لیے درکار زبردست وسائل وقف کرنے کے بجائے دوسرے ممالک سے بڑے ہتھیاروں کے نظام خریدنے کو ترجیح دی۔ مئی 1950 میں امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے مشرق وسطیٰ میں مشترکہ طور پر ہتھیاروں کی فروخت محدود کرنے کا سہ طرفہ اعلامیہ جاری کیا۔

اسرائیل نے بیرون ملک سے بروقت مہیانہ ہونے کی بناپر پہلے ہی خفیہ طور پر گولی اور بندوق کی فیکٹریوں سمیت ہتھیاروں کی صنعت شروع کرر کھی تھی۔ایک فیکٹری واقعی ایک کبٹز لانڈری کے نیچے چھپی ہوئی تھی؛ نیچے سے دھم دھم کے شور پر پردہ ڈالنے کیلئے مشینیں چلتی رکھیں۔یہ فیکٹری امریکہ سے ناجائز درآمد شدہ جنگی اضافی آلات سے بنائی گئی تھی جو 1948 سے روزانہ سینکڑوں مشین گنیں تیار کر رہی تھی۔عارضی فیکٹریوں کی مدد دنیا سے مختلف ناجائز طریقوں کے ذریعے اسلحہ چوری کرنے سے کی گئی۔ڈیوڈ بین گوریون نے بہت پہلے 1930 میں سفیروں کو بیرون ملک اسلحہ جمع کرنے کے لیے بھیجا تھا۔1936 میں یہودا آرازی نے پولینڈ سے حیفہ کی بندرگاہ پر جانے والے سٹیم بوائلر میں رائفلیں بھرنے کا انتظام کیا۔اس نے 1948 میں نکاراگوا کے سفیر کے بھیس میں پانچ پرانی فرانسیسی ایستادہ بندوقوں کی خریداری پر بات چیت کی۔

اسرائیلی 1955 تک کمزور سی اسکیموں پر بمشکل عمل درآمد کرتے رہے تاوقتیکہ روس نے چیکوسلواکیہ کے ذریعے مصر کو ناقابل اعتماد سہ فریقی اعلان کو نظر انداز کرتے ہوئے 250 ملین ڈالر کے بڑے ہتھیار فروخت کئے۔ ڈی گال کا جواب دوسرے ڈھنگ سے تھا۔اس نے اسرائیل کو اپریل 1956 میں بڑی مقدار میں جدید اسلحہ منتقل کرنا شروع کیا۔ چھوٹی ریاست کے پاس آخر کار ایک قابل اعتماد اور اعلٰی درجے کا قومی اسلحہ فراہم کنندہ تھا۔

مصر کا 1956 میں نہر سویز قومیانے کے بعد رشتہ مزید گہرا ہو گیا۔فرانس کا خطے سے یورپ تک سمندری نقل و حمل کے لیے سوئز پر انحصار تھا۔ IDF نے سوئز تک فرانسیسی رسائی کی ضمانت دینے میں مدد کی اور بدلے میں فرانس نے اسرائیل پر مزید ہتھیاروں کی بارش کی۔فرانسیسی---اسرائیلی مزید کارروائیوں میں خفیہ گٹھ جوڑ سے سپلائی میں اور بھی اضافہ ہوا۔ڈی گال کی جاسوسی ایجنسی نے الجزائر، فرانس کے ایک نوآبادیاتی مضبوط قلعے میں

فرانس مخالف مزاحمت کو کمزور کرنے کیلیئے اسرائیلی مدد کی تائید حاصل کی۔1960 میں فرانس نے اسرائیل کو اگلے دس سال میں دوسو AMX-13 ٹینک اور 72 Mystère لڑاکا طیارے فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔

2جون 1967 کو اسرائیل کا مصر اور شام پر پیشگی حملہ سے تین دن پہلے ڈی گال نے اسرائیل سے توہین آمیز طریقے سے بے رخی کی۔ڈی گال نے کابینہ کو بتایا،"فرانس پہلی ہتھیار استعمال کرنے والی قوم کو——اور اس سے بھی کم حمایت——کی منظوری نہیں دے گا۔ڈی گال کے فیصلے میں مڈل ایسٹ میں جنگ کا خطرہ کم کرنے کی کوشش کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا۔نئے حالات نئے فرانسیسی اتحادات کے متقاضی تھے۔فرانس 1967 میں الجزائر سے نکل چکا تھا۔اس کی طویل اور تلخ شمالی افریقی جنگ پیچھے رہ گئی،ڈی گال کی اب ترجیح عرب دنیا کے ساتھ ہم آہنگ ہونا تھا۔فرانس کا مفاد اب اسرائیل کا ساتھ دینے میں نہیں تھا۔۔فرانسیسی ہفتہ وارلی نوویل آبزرویٹر نے اس وقت تبصرہ کیا،"گالسٹ فرانس کے دوست نہیں صرف مفادات ہیں۔"

ڈی گال کے جانشین جارجز پومپیڈو نے 1969 میں منتخب ہونے کے بعد نئی پالیسی جاری رکھی۔اسرائیل بھیجے جانے والے فرانسیسی دوسو AMX ٹینک اب لیبیا جارہے تھے۔فرانس نے وہ پچاس میراج جیٹ لڑاکا طیارے شدید ترین دشمن شام بھیج دئے اسرائیل جن کی پہلے ہی ادائیگی کر چکا تھا۔

اسرائیلیوں نے فوراً" عارضی اقدامات اختیار کئے۔اسرائیلی فضائیہ کے بانی ال شومر نے خود ایک ہمدرد سوئس انجینئر بھرتی کیا جو اسے میراج انجن کے بلیو پرنٹس دے سکتا تھا تاکہ اسرائیل فرانسیسی فائٹر کی نقل کرسکے۔اسرائیل ریاست بننے سے پہلے جیسے غیر قانونی ہتھکنڈوں پر واپس آگیا۔1969 میں ایک مشن میں،پانچ اسرائیلیوں نے بیس فٹ لہروں کا مقابلہ کرتے ہوئے فرانس سے اسرائیل تک کی تین ہزار میل دوڑ لگائی؛ان بحری جہازوں کی مالیت لاکھوں ڈالر تھی۔ان کا نئی سرکاری پابندی سے پہلے اسرائیل سے وعدہ کیا گیا تھا۔1970 کے ٹائم میگزین نے اسے بخوشی بیان کیا:"بسمارک کے بعد ایسا سمندری شکار کبھی نہیں ہوا۔بہت سے مختلف مقامات پر انہیں فرانسیسی جاسوس طیاروں، مالٹا سے R.A.F کینبرا،سوویت ٹینکرز،امریکی چھٹے بحری بیڑے کے بے شمار ریڈار،ٹیلی ویژن کیمرہ مینوں اور اطالوی ماہی گیروں نے اسرائیلیوں کا سراغ لگایا۔

یہ چالاکیاں ناقابل یقین سچ کی تلافی نہیں کرسکتیں: مشرق وسطیٰ میں اسلحے کی دوڑ عین اس وقت تیز ہوئی جب اسرائیل ناگزیر ترین اسلحہ اور ہوائی جہاز فراہم کرنے والے کو کھو چکا تھا۔۔1967 میں فرانسیسی سرکاری پابندیوں کی وجہ سے اسرائیل کی حالت انتہائی غیر محفوظ ہو گئی۔

1967 کی جنگ سے پہلے امریکہ نے ہتھیاروں کی فروخت شروع کی جب 1962 میں کینیڈی انتظامیہ نے اسرائیل کو زمین سے فضا میں مار کرنے والے ہاک میزائلوں کی منتقلی شروع کی۔ بھاری اسلحہ کی فراہمی کیلئے یروشلم کی پہلی پسند فرانس کی جگہ امریکہ تھی۔ فرانسیسی دھوکہ دہی نے اسرائیل میں اتفاق رائے پیدا کر دیا کہ غیر ملکی اسلحہ فراہم کرنے والوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسرائیل نے فیصلہ کیا کہ اسے فوری طور پر بڑے ہتھیار جیسے ٹینک اور لڑاکا طیارے تیار کرنا چاہئیں اگرچہ کوئی چھوٹا ملک کامیابی سے نہیں کر پایا۔

اس مستقل مزاجی کی توانائی نے بیرونی اسلحہ سے آزاد ہونے کیلئے پہلی بار 1978 مرکاوا ٹینک تیار ہوا، اب اس کی چوتھی نسل ہے۔ یہی مستقل مزاجی نیشر کی طرف لے گئی جو میراج جہاز کی اسرائیلی نقل ہے---اور پھر Kfir جو پہلی بار 1973 میں اڑایا گیا۔

سب سے زیادہ پر جوش منصوبہ امریکی ساختہ انجنوں سے لاوی فائٹر جیٹ تیار کرنا تھا۔ اس پروگرام کے اخراجات مشترکہ طور پر اسرائیل اور امریکہ نے برداشت کئے. لاوی صرف Kfir کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہیں کیا گیا تھا بلکہ اسے دنیا کے اعلیٰ ترین فائٹرز میں سے ہونا تھا۔ لاوی 1982 میں مکمل ترقی کرتا چلا گیا؛ 1986 کے آخری دن پہلے طیارے نے افتتاحی آزمائشی پرواز کی۔ اگست 1987 میں اربوں ڈالر خرچ کر کے پانچ طیارے بنائے گئے تھے لیکن پہلے امریکی کانگریس اور پھر اسرائیلی کابینہ میں 12-11 ووٹوں سے پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔

یہ منصوبہ منسوخی کے کئی سال بعد اب بھی متنازعہ ہے: چند لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آغاز ہی سے ایک ناممکن، پر جوش، بلا مقصد پروگرام تھا جبکہ دوسروں کا دعویٰ ہے کہ ایک بہت اچھا موقع تھا جو ضائع ہو گیا۔ 1991 کے فلائٹ انٹرنیشنل میگزین میں ایک مضمون جو آپریشن ڈیزرٹ سٹورم کے دوران شائع ہوا، ایک ایڈیٹر نے 1989 میں لاوی اڑانے کے تجربے کے متعلق لکھا: "اب جب اتحادی افواج خلیج میں لڑ رہی ہیں تو وہ اس طیارے کو یاد کرتے ہیں جس کی انہیں واقعی ضرورت ہے۔ یہ درحقیقت شرم کی بات ہے کہ مجھے دنیا کا بہترین لڑاکا اڑانا پڑا یہ جانتے ہوئے کہ اس سے کبھی خدمت نہیں لی جائے گی۔

پروگرام منسوخ ہونے کے باوجود لاوی کی ترقی سے اہم فوجی رد عمل پیدا ہوا۔ پہلا، اسرائیلیوں نے ایک اہم نفسیاتی پیش رفت کی بات کی: انہوں نے خود کے، اپنے اتحادیوں کے اور مخالفین کے سامنے مظاہرہ کیا کہ وہ قومی بقا کے لیے اہم ترین بنیادی عناصر کی فراہمی کے لیے کسی اور کے دست نگر نہیں تھے---یعنی ایک جدید لڑاکا طیارہ پروگرام کیلئے۔ دوسرا، 1988 میں اسرائیل نے درجن بھر ممالک کے کلب میں شمولیت اختیار کی جنہوں نے خلاء میں سیٹلائٹ بھیجے تھے-ایک کامیابی جو لاوی کے دوران جمع ہونے والی تکنیکی معلومات کے بغیر ممکن نہ تھی۔ تیسرا،

اگرچہ لاوی کو منسوخ کر دیا گیا، اس پروگرام کی اربوں کی سرمایہ کاری نے اسرائیلی ایویانکس کو ایک نئی سطح پر پہنچا دیا اور ایک لحاظ سے آئندہ کے ہائی ٹیک بوم میں کود جانے میں مدد کی۔ پروگرام کے بند ہونے پر اچانک اس کے پندرہ سو انجینئرز کو نوکریوں سے فارغ کر دیا گیا۔ ان میں سے چند ایک نے ملک چھوڑ دیا لیکن زیادہ تر نے ایسا نہیں کیا، جنہوں نے نتیجتاً، فوجی صنعتوں کے نجی شعبے میں انجینئرنگ کی صلاحیتوں سے زبردست تکنیکی روح پھونک دی۔ ایک ہوائی جہاز پر مرکوز صلاحیتوں کو معیشت پر اچانک کھلا چھوڑ دیا گیا۔

یوسی گروس، لاوی کا انجینئر اسرائیل میں پیدا ہوا۔ اس کی آشوٹزسے بچی ماں نے ہولوکاسٹ کے بعد یورپ سے ہجرت کی۔ گروس نے ٹیکنین میں ایروناٹیکل انجینئرنگ کی تربیت حاصل کی اور پھر اسرائیل ایئر کرافٹ انڈسٹریز (IAI) میں سات سال تک کام کیا۔

گروس IAI میں ٹیسٹ فلائٹ انجینئر، ڈیزائن کے شعبے سے شروع ہوا۔ اس نے جب لینڈنگ گیئر کے متعلق نیا منصوبہ پیش کیا تو اسے اس کے سپروائزرز نے بتایا کہ وہ انہیں اختراعات سے پریشان کرنے کے بجائے صرف امریکی F-16 کی نقل کرے۔ اس نے یاد کیا، "میں تئیس ہزار ملازمین کی ایک بڑی کمپنی میں کام کر رہا تھا جہاں آپ تخلیقی کام نہیں کر سکتے۔"

گروس نے لاوی کی منسوخی سے کچھ دیر پہلے نہ صرف IAI بلکہ تمام ایروناٹکس فیلڈ کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے وضاحت کی، "آپ ایرواسپیس میں اینٹرپرینیور نہیں بن سکتے۔ حکومت صنعت کی مالک ہے اور اس کے منصوبے بہت بڑے ہیں۔ میں نے وہاں بہت سی تکنیکی چیزیں سیکھیں جو بعد میں میرے بہت کام آئیں۔"

اس سابق فلائٹ انجینئر نے سترہ سٹارٹ۔۔۔اپس کی بنیاد رکھی اور تین سو سے زیادہ پیٹنٹ کروائے۔ یوسی گروس کو ایک لحاظ سے فرانس کا احسان مند ہونا چاہیے۔ چارلس ڈی گال کی نیت اسرائیلی ٹیکنالوجی کی سٹارٹ--اپ کی مدد کرنا نہیں تھی۔ اسرائیلی اس پر قائل ہو گئے کہ وہ غیر ملکی ہتھیاروں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ڈی گال کے فیصلے نے اسرائیل کی معیشت میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ فرانس کے اسرائیی بائیکاٹ کے بعد فوجی R&D میں بڑے اضافہ کی بنا پر اسرائیلی انجینئروں کی ایک نسل کو قابل ذکر تجربہ میسر آیا۔ اس سے قبل اسرائیل کے سٹارٹ--اپ ہاٹ ہاؤس کا عمل تیز نہ ہو پاتا اگر اس کے ساتھ کچھ مزید منسلک نہ کیا جاتا: ایک گہرا بین الضابطہ نکتہ ء نظر اور کسی بھی قسم کی کر گذرنے خواہش، وہ معاشرتی اصولوں کیلئے کتنی ہی غیر مستحکم کرنے والی کیوں نہ ہو۔

باب12

نوز کونز سے لے کر گیز رتک

اگر کثیر ترین فضائی افواج کو فار مولا ون ریس کار کی طرح بنایا جائے تو اسرائیلی فضائیہ ایک پرانی ٹوٹی پھوٹی جیپ ہو گی جس میں بہت سے اوزار ہوں۔---آپ پہلے دن ہی سیدھی سڑک سے اتر چکے ہوں گے۔ریس کار ہمارے ماحول میں کسی کام کی نہیں ہو گی۔

یوول ڈوٹن

ڈگ وُڈا اسرائیل کے لیے ایک نیا اور اجنبی سار نکروٹ ہے۔وہ پر سکون اور عکاس وضع قطع سے اپنے بہت بد تمیز اسرائیلی ساتھیوں میں نمایاں ہے۔وہ یروشلم میں ہالی وُڈ سے کچھ ایسا کرنے کے لیے لایا گیا تھا جس کی پہلے کبھی کوشش نہیں کی گئی تھی: وُڈا اینی میشن لیب کی پہلی ۹۰ منٹ کی کارٹون فلم کا ڈائریکٹر ہے جس کی اسٹارٹ---اپ کی بنیاد اسرائیلی وینچر کیپٹلسٹ ایرل مار گالیٹ نے رکھی تھی۔وُڈ نے ٹرنر، وارنر بردرز، اور یونیورسل میں فیچر اینی میشن ڈویلپمنٹ کیلئے بحیثیت نائب صدر کام کیا۔جب مار گلیت نے اس سے پوچھا کہ وہ ایک ۹۰ منٹ--کارٹون فلم کیلئے یروشلم میں منتقل ہو سکتا ہے تو وُڈ نے کہا کہ وہ پہلے یہ دیکھے گا کہ آیا یروشلم میں کوئی حقیقی تخلیقی برادری موجود بھی ہے۔وہ یروشلم کی بیز لیل---اسرائیل کی معروف آرٹ اور ڈیزائن اکیڈمی میں وقت گذارنے کے بعد مطمئن ہو گیا۔اس نے ہمیں بتایا، "میں نے وہاں فیکلٹی اور چند ٹی وی لکھاریوں [مصنف] مائر شیلیو اور چند دوسرے بڑے قصہ گو لوگوں سے ملاقات کی۔""وہ اگر دنیا کے اعلیٰ آرٹس سکولوں کے لوگوں سے بہتر نہیں تو اسی قدر نفیس ضرور تھے۔"اس نے اسرائیل کے متعلق کچھ مختلف قسم کی نشاندہی بھی کی۔"یہاں بیک وقت ایک سے زیادہ کام کرنے کی ذہنیت ملتی ہے. ہم نے بہت سے اسرائیلی تکنیکی لوگوں سے مشورہ کیا، وہ ہماری پائپ لائن کو اختراعی طریقوں سے بہتر بناتے اور مزید بلا واسطہ کام کرتے ہیں۔ایک مرتبہ ایسا ہوُا کہ میں بیزا لیل کے ایک آرٹ گریجوایٹ کے ساتھ ایک تخلیقی پروجیکٹ پر کام کر رہا تھا۔وہ کچھ---لمبے بال، کان میں بالی، شارٹس اور سلیپر پہنے ہوئے تھا۔اچانک ایک تکنیکی مسئلہ کھڑا ہو گیا۔میں ٹھیک کروانے کے لیے کسی تکنیکی ماہر کو بلانے ہی والا تھا کہ بیز لیل طالب علم نے اپنا گرافک کام چھوڑ کر اس مسئلے کو اس طرح حل کرنا شروع کر دیا جیسے وہ ایک تربیت یافتہ انجینئر ہو۔میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے یہ کہاں سے سیکھا؟ معلوم ہوُا کہ وہ فضائیہ میں فائٹر پائلٹ تھا۔یہ

آرٹ کا طالب علم ؟ایک لڑاکا پائلٹ ؟ایسا لگتا ہے کہ یہ تمام دنیایں یہاں ٹکرا بھی رہی ہیں---تعاون بھی کر رہی ہیں؟ یہ اس پر منحصر ہے کہ آپ اسے کیسے دیکھتے ہیں۔"

یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ بیک وقت کئی کام کرنا اسرائیلی تکنیکی ماہرین کی بہت سی دیگر فوقیتوں کی طرح غالبا" اسے بھی آئی ڈی ایف نے پالا ہے۔فائٹر پائلٹ یوول ڈوٹن نے ہمیں بتایا کہ اسرائیلی فوج میں تخصیص کے خلاف ایک واضح تعصب ہے۔"ڈوٹن نے کہا، اگر سبھی فضائی افواج کو فارمولاون ریس کار کی طرح تیار کیا جائے تو اسرائیلی فضائیہ ایک ٹوٹی پھوٹی جیپ جیسی ہو گی جس میں بہت سارے اوزار رکھے ہوں۔بند ٹریک پر تو فارمولاون ہی جیتے گی۔"

اس نے نوٹ کیا، ہم IAF میں "روز اول ہی سے ناہموار سڑک پر جا رہے ہوتے ہیں---ریس کار ہمارے ماحول میں کار آمد ثابت نہیں ہو گی۔"فارمولاون اور جیپ کی حکمت عملیوں میں صرف تعداد کا فرق اتنا نہیں ہے؛ ہر ایک چیز مختلف تدابیر اور سوچ کے طریقوں کو جنم دیتی ہے۔یہ فضائیہ کے ہر مشن کیلئے مختلف "اسٹرائیک پیکجز" میں دیکھی جاسکتی ہے۔مغربی فضائی افواج کے مشنز زیادہ تر اسٹرائیک پیکج طیارے کے بیڑے کو مد نظر رکھ کر بنائے جاتے ہیں جن کا واحد مقصد اہداف پر بم گرانا ہے۔

ڈوٹن نے وضاحت کی، "امریکہ میں عموما" خصوصی طیارے مشن کے ایک مخصوص جزو کو پورا کرنے کیلئے چار بیڑے استعمال کرتے ہیں: پہلا بیڑا، ایک جنگی ہوا گشت جہاز دشمن طیاروں کی راہداری صاف کرنے کی خاطر بنایا گیا ہے؛ دوسری بیڑا، دشمن کے میزائل داغنے والے طیارہ شکن نظام کو تباہ کرتا ہے؛ تیسرا بیڑا الیکٹرانک جنگی طیارے، ایندھن بھرنے کے لیے ٹینکرز، جنگ کی مکمل تصویر فراہم کرنے کے لیے ریڈار طیارہ؛ چوتھا بیڑا بم لئے حملہ کرنے والے جنگی جہاز۔"مشن کی کامیابی کو یقینی بنانے کیلئے ان کی حفاظت قریبی فضائی مدد کرنے والے جنگی جہازوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔"

ڈوٹن نے امریکی نظام کے متعلق کہا، "یہ ہوش ربا ہے لیکن یہ بخوبی نہائت مربوط ہے۔"""یہ جنگی نکتہ ء نظر سے بہت مشکل ہے۔آپ کو ٹینکر سے صحیح جگہ پر ملنا ہے۔آپ کو الیکٹرانک جنگ میں مقررہ وقت پر موجود ہونا ہے---کسی سے اگر چند سیکنڈ کی کمی بیشی ہوئی تو تمام مشن درہم برہم ہو جاتا ہے. ہمارے وسائل اگر امریکہ جیسے ہوتے تب بھی آئی اے ایف ایسا نظام نہ اپناتی۔یہ تو سب گڈ مڈ ہو جاتا. ہم کافی سرکش ہیں۔"

اسرائیلی نظام میں تقریباً ہر طیارہ ہر فن مولا ہے۔"ڈوٹن نے کہا، "مشن کوئی بھی ہو تم فضا سے فضا میں مار کرنے والے میزائلوں کے بغیر جنگ میں نہیں جاتے۔""""آپ جنوبی لبنان میں بلا خوف و خطر، ایک ہدف کو نشانہ بنانے

کیلئے جا سکتے ہیں جہاں دوسرا طیارہ ملنے کا قطعاً" امکان نہیں، اور اگر طیارہ مل بھی جائے تو ہوم بیس دومنٹ کی پرواز پر ہے جہاں کوئی اور آپ کی مدد کیلئے آسکتا یا کر سکتا ہے۔ پھر بھی ایسا کچھ نہیں کہ کوئی فضا سے فضا میں مار کرنے والے میزائلوں کے بغیر دشمن کے علاقے میں چلا جائے۔

IAF میں اسی طرح تقریباً ہر ہوائی جہاز کا اپنا آن بورڈ الیکٹرانک جنگی نظام کا سامان ہوتا ہے۔ امریکی فضائیہ کے برعکس آئی اے ایف کے پاس دشمن کے ریڈاروں کو شکست دینے کے لیے اوپر خصوصاً" کچھ نہیں بھیجا جاتا۔ "آپ یہ سب خود ہی کرتے ہیں،"" یہ بہت مؤثر تو نہیں لیکن یہ بہت زیادہ لچک دار ہے۔ "ایک عام اسرائیلی حملے میں پیکج کے مطابق تقریباً 90 فیصد طیارے بموں سے لیس ہوتے ہیں اور انہیں اہداف تفویض کئے جاتے ہیں۔ امریکی اسٹرائیک پیکج کے آخری بیڑے میں صرف اچھے نشانہ باز طیارے ہی بموں سے لیس ہوتے ہیں۔

اسرائیلی نظام میں ہر پائلٹ نہ صرف اپنا ہدف جانتا ہے وہ بلکہ الگ الگ قرب و جوار میں اہداف پر بھی نظر رکھتا ہے۔ ڈوٹن نے وضاحت کی، "اگر کوئی ہوائی جہاز نشانہ بن جاتا ہے تو اور دو ہوائی جہاز علیحدہ ہو کر تباہ شدہ پائلٹ کے پیچھے جاتے ہیں یا فضائی لڑائی میں حصہ لینے کیلئے ساتھی کے اہداف کو اپنانا ہو گا،"" یہ آپ سے متوقع ہے---یہ دراصل ایک عام نتیجہ ہے۔" "آپ تقریباً نصف وقت کسی دوسرے کے ہدف کو نشانہ بناتے ہیں۔"

اسرائیلی اور امریکی مشترکہ مشقوں میں دونوں ممالک کے نظام میں اختلافات بہت واضح ہو جاتے ہیں۔ ڈوٹن کو ایک ایسی مشق میں امریکی پائلٹوں کے پاس ایک "ڈانس کارڈ" دیکھ کر حیرت ہوئی جس میں پائلٹ کیلئے جنگ میں حربے استعمال کرنے کا خاکہ تھا۔ "ہم اسے دیکھ کر بیزاری سے کہتے ہیں، یہ کیا ہے؟ آپ کو کتنی مرتبہ علم ہوتا ہے کہ دوسرا آدمی کیا کرنے جا رہا ہے؟" ڈوٹن جواب ایک سرمایہ کار ہے، امریکی نظام ایسا لگتا ہے،" یہ کہتے ہوئے ایک تجارتی دن میں جانا، 'مارکیٹ جیسی بھی ہو میں تو خریدوں گا۔"

بیک وقت کئی کام کرنے کی ذہنیت ایک ایسا ماحول پیدا کرتی ہے جس میں ملازمت کے عنوانات---اور ان کے ساتھ چلنے والی درجہ بندی کچھ معنی نہیں رکھتی۔ یہ وہ چیز ہے جسے ڈوگ ڈونے ہالی وُڈ سے یروشلم منتقلی کے دوران دیکھا: "یہ بہت اچھا ہے کیونکہ روایتی ہالی وُڈ اسٹوڈیوز کہتے ہیں کہ آپ کو ایک 'پروجیکشن مینیجر'، 'پروڈکشن کوآرڈینیٹر' یا 'لے آؤٹ ہیڈ' کی ضرورت ہے۔ اسرائیل میں عنوانات واقعی من مانی قسم کے ہیں کیونکہ وہ بدلتے رہتے ہیں اور لوگ بیک وقت ایک سے زیادہ کام کرتے ہیں۔

اس نے ہمیں بتایا، "فرض کیجئے ہمارے پاس ایک شخص ہے جو CG ٹیم میں ہے، (کمپیوٹر--جینریٹڈ--امیج ٹیم)، لیکن وہ مٹی کے D 3- حروف کے ماڈلوں پر بھی کام کرتا ہے۔ ہم ایک سلسلہ وار بنا رہے ہیں، اور وہ اس بتیس

سیکنڈ کے سلسلہ وار کے اختتام پر ایک مضحکہ خیز فقرہ لئے آیا۔ مجھے وہ فقرہ اس قدر پسند آیا کہ میں نے اسے شامل کرنے کیلئے اسکرپٹ دوبارہ لکھا۔ یہ سی جی شخص نظم وضبط کی دیواریں پھلانگ کر ماڈلنگ سے ہوتا ہوُا اسکرپٹ رائٹنگ میں آدھمکا تھا۔"

امریکہ میں اس قسم کی متضاد اشیاء کو یکجا کرنا کی اصطلاح میش اپ ہے۔ یہ اصطلاح خود تیزی سے شکل بدلنے کی وجہ سے نئے معنی اختیار کر رہی ہے۔ اصل میں دو یا دو سے زیادہ گانوں کو ایک بنانے کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے ڈیجیٹل اور ویڈیو کے امتزاج کے ساتھ ساتھ ایک ویب ایپلیکیشن کی جگہ بنی بنالی ہے جو دیگر سائٹس سے ڈیٹا کو ملا کر جمع کرتا ہے--- جیسے Google Maps پر 'کریگ لسٹ کرائے پر' HousingMaps.com کی پوسٹنگ کو اشکال کے ذریعہ ہو بہو دکھاتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس سے بھی زیادہ طاقت ور میش اپ تب ہوتا ہے جب جدت طرازی یکسر مختلف ٹیکنالوجیز اور پہلوؤں کے مجموعہ سے جنم لیتی ہے۔

اسرائیلی میش اپ کمپنیاں بائیوٹیک سیکٹر میں سب سے زیادہ طبّی ضروریات کے مطابق خصوصی اشیاء بنانے کیلئے عام ہیں جہاں آپ کو خلا میں ہوا کا ساکت شے پر اثر کی پڑتال میں تعاون کرتے انجینئرز اور ڈاکٹر ملتے ہیں جو کریڈٹ کارڈ سائز کا آلہ بنا کر شائد ٹیکہ لگانے کو متروک کر ڈالے۔ آپ کو ایک کمپنی مل جاتی ہے (جو بیٹا خلیئے، فائبر آپٹکس اور ییلو اسٹون نیشنل پارک کی بحری کائی کا گھر) جس نے ذیابیطس کے علاج کیلئے ایک پیوند کاری کرنے والا مصنوعی لبلبہ بنایا ہے۔ ایک اور اسٹارٹ--اپ جس نے آپٹکس ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے میزائل کی مخروطی ناک سے ایک گولی جیسی شے بنائی ہے جو آنتوں کے اندرون سے تصاویر منتقل کر سکتی ہے۔

گیوریل اِدّان، رافائیل میں ایک راکٹ سائنسدان ہوُا کرتا تھا جو IDF کے لیے بہت بڑے ہتھیاروں کی تعمیر و ترقی کی کمپنی ہے۔ اس نے جدید ترین الیکٹرو--- آپٹیکل آلات میں مہارت حاصل کی جن سے میزائل ہدف کو "دیکھ" سکتے ہیں۔ طبّی ٹیکنالوجی کی تلاش میں راکٹ شاید پہلی نمبر پر نہ ہو، لیکن ادان کے پاس ایک نادر منصوبہ تھا: وہ میزائلوں میں استعمال کی گئی اس جدید ترین منیچرائزیشن ٹیکنالوجی کے ذریعے گولی کے اندر کیمرہ نصب کرنے کیلئے استعمال کر رہا تھا جو انسانی جسم کے اندرون سے تصاویر منتقل کر سکے گی۔

بہت سے لوگوں نے اسے بتایا کہ ایسی گولی، جسے کوئی نگل سکے، میں کیمرہ، ٹرانسمیٹر، روشنی اور توانائی کے ذرائع ٹھونسنا ناممکن ہو گا۔ ادان مستقل مزاجی سے لگا رہا۔ وہ ایک مرتبہ اس نیت سے یہ جانچنے کیلئے مرغیاں خریدنے سپر مارکیٹ گیا کہ آیا ایسی گولی جانوروں کے پٹھوں کے ریشوں کے ذریعے پیغام بھیج سکتی ہے۔ اس نے PillCams کا کاروبار شروع کر دیا اور کمپنی کا نام Given امیجنگ رکھا۔

2001 میں 11/9 حملوں کے بعد وال اسٹریٹ پرGivenامیجنگ دنیا کی پہلی عوامی کمپنی بن گئی۔اس کے قیام کے چھ سال بعد 2004تکGivenامیجنگ نے100,000PillCams فروخت کیے۔2007 کے اوائل میں کمپنی500,000تک پہنچ گئی۔2007کے آخر تکPillCamsتقریباً700,000 فروخت ہو چکے تھے۔

آج PillCams کے تازہ ترین ماڈل بلا تکلیف مریض کی آنتوں کے اندر سے گھنٹوں،اٹھارہ تصاویر فی سیکنڈ منتقل کر سکتے ہیں۔ایک ڈاکٹر ایسی ویڈیو کو اسی وقت اسی کمرے یا دنیا بھر میں کہیں بھی دیکھ سکتا ہے۔

مارکیٹ بڑی ہے اور بڑے حریفوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے؛کیمرہ دیو اولمپس اب ایک گولی میں اپنا کیمرہ بناتا ہے۔اس میں دیگر کمپنیاں بھی کود پڑیں تو موجب حیرت بات نہ ہو گی،صرف امریکہ میں معدے کی نالی کی بیماریوں کی وجہ سے تیس ملین سے زیادہ لوگ ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں۔گون امیجنگ کی کہانی فوجی ٹیکنالوجی سے سویلین شعبوں میں منتقلی یا کسی بڑے ابھرنے والے انٹرپرینیور کی دفاعی ٹیکنالوجی کمپنی کی واحد کہانی نہیں ہے۔

یہ ٹیکنالوجی میشپ کی ایک مثال ہے۔کوئی صرف میزائلوں اور ادویہ کے بالکل مختلف شعبوں کو ہی نہیں ملا رہا بلکہ ٹیکنالوجیز کی ایک حیران کن نمائش کو مربوط کرنا---آپٹکس،الیکٹرانکس،بیٹریاں،وائرلیس ڈیٹا ٹرانسمشن سے سافٹ ویئر تک ڈاکٹروں کے تجزیہ میں مدد کے لیے کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں. یہ تکنیکی جدت ایسے میش--اپس ہیں جن کی تلاش پُر شوق طریقے سے جاری ہے۔تل ابیب یونیورسٹی کی ایک حالیہ تحقیق میں انکشاف ہؤا ہے کہ اسرائیل سے شروع ہونے والے پیٹنٹس کو عالمی سطح پر سب سے زیادہ تعداد اور مثالی متنوع قسم کے پیٹنٹس کا حوالہ دینے کے لیے مخصوص خیال کیا جاتا ہے۔

ایک ایسی ہی میشپ کمپنی کمپیوگن نے ملٹری اور ادویہ کے درمیان تقسیم ختم کی،جس کے تین بانیوں---صدر ایلی منٹز،چیف ٹیکنالوجی آفیسر سمچین فیگلر اور سافٹ ویئر کے سربراہ امیر نتن کی IDF کے عظیم ٹلپیوٹ پروگرام میں ملاقات ہوئی۔ایک اور ٹلپیوٹ کے سابق طالب علم لیور ماایان نے کمپیوگن میں کہا کہ کمپنی کے ساٹھ میں سے پچیس ریاضی دان فوجی رابطوں کے بذریعہ نیٹ ورک شامل ہوئے۔

IDF میں منٹز نے اِنٹیلی جنس کے بہت بڑے ڈیٹا چھان کران گران قدر منصوبوں میں تلاش کیلئے الگورتھم بنائے جو دہشت گرد نیٹ ورکس کے شکار کرنے میں اسرائیل کی کامیابیوں کے لیے بہت اہم رہے ہیں۔جب اس کی اہلیہ،ایک ماہر جینیات،نے جینیاتی اعداد و شمار کے بے پناہ ذخیرے کو چھاننے کے مسائل بیان کیے تو منٹز نے سوچا کہ وہ ایسا ایک بہتر طریقہ سے کر سکتا ہے۔

منٹزاوراس کے ساتھی جینیاتی عمل کی ترتیب میں انقلاب لانے والے تھے۔ مرک نے کمپیو گن کا پہلا سیکو ینسر 1994 میں خریدا، یعنی ایک سال بعد جب اسٹارٹ ۔۔۔اپ کی بنیاد رکھی گئی تھی اور انسانی جینوم کی کامیابی سے بہت پہلے نقشہ بنایا۔ لیکن یہ تو صرف آغاز تھا۔ 2005 میں کمپیو گن اپنا کاروباری ماڈل تبدیل کر کے ادویات کی دریافت اور ترقی کے میدان میں چلی گئی اور یہ دواسازی پر غلبہ پانے والی صنعتی تکنیکوں سے مختلف تکنیکوں کا استعمال کرتے ہوئے ایسا کیا۔

ریاضی، حیاتیات، کمپیوٹر سائنس، اور نامیاتی کیمسٹری کا امتزاج، کمپیو گن نے اسے "پیش گوئی کرنے والی" ادویات کی نشوونما کا نام دیا۔ ہزاروں مرکبات کی جانچ پڑتال کرنے کے بجائے، کسی چیز کو پانے کی امید میں "کام کرتی ہے۔"

کمپیو گن کی حکمت عملی جینیاتی سطح سے شروع کرنا اور ادویہ تیار کرنا اس پر مبنی ہے کہ جین کیسے پروٹین بنانے کے ذریعے اپنا اظہار کرتے ہیں۔ کمپیو گن کے نکتہ نظر کا ایک بڑا پہلو اس کا "خشک" (نظریاتی) اور "گیلے" (حیاتیاتی) تجربہ گاہوں کا غیر معمولی مجموعہ ہے۔ بیرون ملک یا ملک کے کسی اور حصے میں "بگ فارما کے ساتھ کام کرنے کا تصور کیجیے۔"

کمپیو گن کے VP برائے ٹیکنالوجی، ایلون امیت نے وضاحت کی. "آگے پیچھے جانا بہت سست کام ہے۔ اس میں نہائت آسانی ہے کہ آپ کے ماہر حیاتیات اور ریاضی دان ایک ہی منزل پر ہوں اور اس بات پر تبادلہ خیال کر رہے ہوں کہ کیا اور کیسے ٹیسٹ کیا جائے، اور ماڈلز کو مطلع کرتے جائیں۔

اگرچہ اسرائیل کی سب سے بڑی کمپنی، Teva کی مانند کمپیو گن اور نئی اسرائیلی کمپنیوں کی ایک بڑی تعداد فارماسیو ٹیکلز میں ہے۔ اسرائیلی سٹارٹ ۔۔۔اپس میں زیادہ بھیڑ طبّی آلات کے میدان میں ہے جن میں سے اکثر کا تعلق ادویہ کی ترسیل سے ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ میدان کثیر الضابطہ سوچ کے لیے اسرائیلی رجحان کے مطابق ہے، نیز اسرائیلیوں میں صبر کی کمی- چونکہ ادویہ کی تعمیر و ترقی نہائت وقت طلب ہے۔

ایسی ہی ایک میشپ پر مبنی کمپنی Aespironics ہے، جس نے کریڈٹ کارڈ سائز کا اِنہیلر تیار کیا ہے جس میں سانس سے چلنے والی ہوائی ٹربائن شامل ہے۔ بہت سے اِنہیلروں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ مشکل اور مہنگے بنتے ہیں۔ ایک تار کے میش کے ذریعے مؤثر طریقے سے دوائی کو جاری کرنے کا طریقہ تلاش کرنا ضروری ہے۔ اس عمل کو اس کے علاوہ مریض کے سانس کے ساتھ مکمل طور پر منطبق کرنا چاہئے جو پھیپھڑوں میں دوائی کے جذب کو زیادہ سے زیادہ منظم کرے۔

ایسا لگتا ہے کہ Aespironics نے ان تمام مسائل کو ایک ساتھ حل کر دیا ہے۔"جب مریض کارڈ کے کنارے سے سانس لیتا ہے تو کریڈٹ کارڈ" کے اندر پنکھے جیسا پروپیلر ہے جو ہوا کے بہاؤ سے چلتا ہے۔پروپیلر جونہی گھومتا ہے، یہ دوائی لگی جالی کو برش کرتا ہے۔اس طرح دوائی کو جالی سے اتار کرنپے تلے انداز میں ہوا کے بہاؤ میں ملاتا ہے۔پروپیلر چونکہ صرف صارف کے سانس لیتے وقت کام کرتا ہے، یہ خود بخود دوا کو یوں مریض کے پھیپھڑوں میں پہنچا دیتا ہے۔

اسے اکٹھا کرنے کے لیے انجینئرنگ مہارت کے غیر روایتی امتزاج کی ضرورت تھی۔انہیلر کے ماہرین کے علاوہ، ایسپیرونکس کی ٹیم میں ڈین ایڈلر بھی تھا جو پیٹرول ٹربائنز اور جیٹ انجنوں کی ڈیزائننگ میں ماہر تھا۔وہ ٹیکنین اور یو ایس نیول گریجویٹ اسکول میں پروفیسر ہونے کے علاوہ بہت سی کمپنیوں جیسے جنرل ڈائنامکس، پریٹ اینڈ وٹنی اور میکڈونل ڈگلس کا مشیر بھی تھا۔

میزائلوں اور گولیوں، جیٹ طیاروں کو انہیلر سے ملانا کافی عجیب لگ سکتا ہے لیکن حقیقی میشپ چیمپئن یوسی گروس ہی ہو سکتا ہے جو اسرائیل میں پیدا ہوا اور ٹیکنین میں ایروناٹیکل انجینئرنگ کی تربیت حاصل کی۔اس نے اینٹرپرینیوریل مہمات سے قبل سات سال اسرائیل ایئر کرافٹ انڈسٹریز میں کام کیا۔ پیٹنگو وینچر کیپیٹل کی روتی ایلون نے، جس نے گروس کی سترہ اسٹارٹ۔۔۔اپس، سے چھ میں سرمایہ کاری کی، دلیل دی کہ کہ اس کا کثیر الضابطہ نکتہ نظر اس کی کامیابی کی کلید ہے۔"اس نے ایروناٹیکل انجینئرنگ اور الیکٹرانکس میں تربیت حاصل کی ہے۔ وہ طبیعیات، بہاؤ، اور دوران خون کے متعلق بھی بہت کچھ جانتا ہے، اور یہ معلومات ان آلات کے متعلق سوچتے وقت بہت مددگار ہو سکتی ہیں جنہیں انسانی جسم میں لگانے کی ضرورت ہے۔"اس کے علاوہ، ایلون نے یاد دلایا،" وہ بہت سے ڈاکٹروں کو بھی جانتا ہے۔"

گروس کی چند کمپنیاں ایسی متنوع ٹیکنالوجیز کو یکجا کرتی ہیں کہ وہ سائنس فکشن لگتی ہیں۔Beta-O2 مثلاً" ایک سٹارٹ۔۔۔اپ ہے جو ذیابیطس کے مریضوں میں عیب دار لبلبہ تبدیل کرنے کے لیے نصب کرنے کے قابل "بائیوریکٹر "لگانے پر کام کر رہا ہے۔ذیابیطس کے مریض ایک ایسے عارضے کا شکار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے بیٹا خلیۓ انسولین پیدا نہیں کرتے۔ نصب کردہ بیٹا خلیۓ چال چل سکتے ہیں لیکن جسم اگرانہیں مسترد نہ بھی کرے وہ تب بھی آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ گروس کا حل ایک خود ساختہ چھوٹے پیمانے پر ماحول پیدا کرنا تھا جس میں ییلو اسٹون پارک کے گیزر سے آکسیجن پیدا کرنے والی بحری کائی شامل ہے۔بحری کائی کو زندہ رہنے کے لیے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔اس میں روشنی کیلئے پیس میکر سائز کا فائبر آپٹک سے بنا آلہ شامل ہے۔بیٹا خلیے آکسیجن

کھاتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ پیدا کرتے ہیں۔ بحری کائی کا عمل اس کے بالکل برعکس ہے جس سے ایک خود ساختہ چھوٹا سا ماحولیاتی نظام پیدا ہو جاتا ہے۔ بائیوری ایکٹر جلد کے نیچے پندرہ منٹ آؤٹ پیشنٹ کو لگانے اور سال بعد تبدیل کرنے کے لیے بنایا کیا گیا ہے۔

ذیابیطس کے علاج کے لیے جیو تھرمل کائی، فائبر آپٹکس اور بیٹا خلیئے کو ملا کر اس ٹکنالوجی کا مخصوص طریق کار ہے۔ اس کا ایک اور اسٹارٹ ---اپ ٹرانس فارما میڈیکل ہے جو دو مختلف اختراعات کو یکجا کرتا ہے: ریڈیو فریکوئنسی (RF) کی لہروں کے ذریعے جلد سے ہوتے ہوئے عارضی مائیکرو چینلز بنانا اور پہلا پاؤڈر چھاپا جو کبھی تیار کیا گیا۔ گروس بتاتا ہے، "یہ ایک چھوٹے سے سیل فون جیسا آلہ ہے جسے آپ ایک سیکنڈ کے لیے جلد پر لگاتے ہیں۔ یہ آر ایف خلیئے پر رگڑ سے جلد میں سینکڑوں مائکرو چینلز بناتا ہے۔ ہم پھر اس کے اوپر پاؤڈر کا چھاپا لگاتے ہیں۔ اکثر چھاپے جیلی یا چپکو ہوتے ہیں۔ ہم دوا کو چھاپے پر پرنٹ کرتے ہیں جو خشک ہوتا ہے. ہم جب چھاپے کو جلد پر لگاتے ہیں، بیچ والا سیال مائکرو چینلز سے آہستہ آہستہ باہر آتا ہے جو جلد کے نیچے کے چھاپے سے منجمد خشک پاؤڈر کو اندر کی طرف کھینچتا ہے۔" گروس کا دعویٰ ہے کہ یہ آلہ ایک نہائت پیچیدہ مسئلہ، دوائی کی ترسیل، کو حل کرتا ہے: باہر سے پروٹینز جیسے بڑے سالموں کو بلا انجکشن جلد کی پرت میں کیسے پہنچایا جائے۔ پہلی مصنوعات انسان کو ترقی پذیر ہارمون اور آسٹیو پوروسس کیلئے ایک دوا فراہم کریں گی؛ انسولین اور دیگر ادویہ، ہارمونز، اور سالموں کی فراہمی کے لیے چھاپے جو ان میں سے زیادہ تر فی الحال اِن جیکشن کے ذریعے فراہم کیے جاتے ہیں---ان پر کام جاری ہے۔ تکنیکی میش آپ کے لیے اسرائیلی رجحان ایک تجسس سے زیادہ ہے؛ یہ ایک ثقافتی نشان ہے جو اسرائیل کو اس قدر جدت پسند بنانے کے مرکز میں ہے۔ یہ ایک ہے کثیر الانظباطی پس منظر کی پیداوار جو اسرائیلی اکثر فوجی اور سویلین تجربات کے امتزاج سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ سوچنے کا ایک طریقہ بھی ہے جو خاص طور پر تخلیقی حل پیدا کرتا ہے اور ممکنہ طور پر نئی صنعتوں اور ٹیکنالوجی میں "درہم برہم" کی پیش رفت کرنے والے نئے طریقے ڈھونڈتا ہے۔ یہ آزاد سوچ کی ایک شکل ہے جس کا کم آزاد یا ثقافتی طور پر زیادہ جامد معاشروں میں تصور کرنا مشکل ہے، بشمول چند جو بظاہر کمرشل تعمیر و ترقی کے بالکل قریب ہیں۔

باب 13

شیخ کا مخمصہ

خطے کا مستقبل ہماری تربیت پر منحصر ہے کہ ہمارے نوجوان باہر جا کر کمپنیاں کیسے بنائیں۔

فادی غندور

ایرل مارگلیت کا پس منظر عموماً، مستقبل میں وینچر کیپیٹل کی پیش گوئی نہیں کرتا۔ وہ کبوتز میں پیدا ہوا، 1982 میں لبنان میں ایک IDF سپاہی کے طور پر لڑا، یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی میں ریاضی اور فلسفے کی تعلیم اور پھر کولمبیا یونیورسٹی میں فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس نے تاریخی رہنماؤں کی صفات پر اپنا مقالہ "اینٹرپرینوریل رہنما" لکھا- وہ ان کے متعلق سوچتا ہے--- جنہوں نے قوموں یا یہاں تہذیبوں کی (اس نے مثلاً" دوسروں کے علاوہ ونسٹن چرچل اور ڈیوڈ بین گوریون کے مختصر سوانحی خاکے لکھے) ترقی پر گہرا اثر ڈالا۔

اس نے 1965 سے 1993 تک یروشلم کے میئر ٹیڈی کولک کے لیے بھی کام کیا۔ مارگالیٹ نے کولک کو 1993 کے میونسپلٹی الیکشن میں شکست سے کچھ عرصہ پہلے یروشلم میں اسٹارٹ۔۔۔ اپس کی حوصلہ افزائی میں مدد کرنے کے لیے ایک منصوبہ پیش کیا جو اس وقت کی طرح، نوجوانوں کو اسرائیل کے قریب ہی کاروباری دارالحکومت تل ابیب جانے سے روکنے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ مارگلیت نے کولک کے چلے جانے کے بعد نجی شعبے میں اپنے منصوبے کو خود نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے نیو وینچر کیپیٹل فنڈ کا نام یروشلم وینچر پارٹنرز (جے وی پی) رکھا۔ یہ یوزما پروگرام سیڈ فنڈ کے سرمائے کی مالی اعانت سے قائم کیا گیا۔

مارگلیت نے 1994 سے جے وی پی کی بنیاد رکھنے سے اب تک فرانس ٹیلی کام SA، جرمنی کی Infineon Technologies AG، روئٹرز، بوئنگ، کولمبیا یونیورسٹی، ایم آئی ٹی، اور سنگاپور حکومت اور کئی ایک دیگر ذرائع سے کروڑوں ڈالر اکٹھا کئے۔ اس نے درجنوں کمپنیوں کی پشت پناہی کی جن میں سے بہت سی کمپنیاں عوامی (IPOs) یا بین الاقوامی کاروباری لوگوں کو فروخت کی گئیں جن سے اتفاقاً" بہت نفع ہوا۔ NASDAQ پر درج PowerDsine، Fundtech اور Jacada کے پیچھے جے وی پی کا ہاتھ تھا۔ اس کی بڑی کامیابیوں میں سے، ایک آپٹیکل نیٹ ورکنگ کمپنی Chromatis Networks تھی جو Lucent کو 4.5 بلین ڈالر میں فروخت کی گئی۔

فوربس نے 2007 میں "دنیا کے بہترین وینچر سرمایہ دار" مائیڈاس کی فہرست میں مارگلیت کو انہترویں نمبر پر رکھا۔ وہ چوٹی کی 100 کی فہرست میں تین اسرائیلی کمنیوں میں شامل ہے جس میں زیادہ تر امریکی کمپنیاں ہیں۔

اسرائیل کے لیے مارگلیت کی مدد کاروبار سے بالاتر ہے۔ وہ بڑی رقم کی سرمایہ کاری ذاتی دولت اور کاروباری معلومات کی بنیاد پر اس نیت سے کر رہا ہے کہ یروشلم کے فنون لطیفہ کو زندہ کیسے کیا جائے۔ اس نے مابادا، یروشلم

پرفارمنگ آرٹس لیب کا آغاز کیا جو ٹکنالوجی اور آرٹ کے درمیان تعلق کی تلاش میں آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ فنکاروں اور تکنیکی ماہرین کو ایک جگہ آباد کرنے کا کام اس ڈھنگ سے کر رہی ہے جو دنیا میں کہیں اور نہیں کیا گیا۔
مارگلیت نے لاوارث گودام میں بلا--- منافع تھیٹر بنانے کے ساتھ ہی ایک پرنٹنگ ہاؤس کو ایک ترقی پذیر کمپنی، اینیمیشن لیب کے صدر دفتر میں تبدیل کر دیا جس کا مقصد پوری لمبائی کی اینیمیٹڈ فلموں کی تیاری میں Pixar اور دیگر کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔
یروشلم عالمی معیار کا فلمی اسٹوڈیو بنانے کے لیے ناقابل یقین جگہ لگتا ہے جو تین توحید پرست مذاہب کا مرکز، یروشلم کا قدیم شہر جو ہالی وُڈ سے اتنا ہی مختلف ہے جتنا کوئی تصور کر سکتا ہے۔ اسرائیلی خصوصیت فلم سازی نہیں ہے، اسرائیلی فلموں کو حال ہی میں گو بین الاقوامی فلمی میلوں میں نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مزید پیچیدہ معاملات کی حقیقت یہ ہے کہ اسرائیلی فنون لطیفہ کا مرکز لامذہب تل ابیب ہے نہ کہ یروشلم جو مقدس مقامات، سیاحوں اور سرکاری دفاتر کے لیے مشہور ہے۔ مارگلیٹ کی دوررس نگاہ یروشلم کیلئے خصوصا" کمپنیاں، نوکریاں، صنعتیں، اور تخلیقی دکانیں تعمیر کرنے پر تھی۔
یہ ثقافتی عزم اقتصادی اجتماعات کی کامیابی کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے جس میں اسرائیل کی ہائی ٹیک انڈسٹری زیر نظر ہے۔ ایک اجتماع جیسا کہ اس تصور کے مصنف ہارورڈ بزنس اسکول کے پروفیسر مائیکل پورٹر نے بیان کیا، اقتصادی ترقی کے لیے کسی مخصوص شعبے میں ایک منفرد ماڈل ہے کیونکہ یہ آپس میں جڑے ادارے، کاروبار، حکومتی ایجنسیاں، یونیورسٹیاں—— "جغرافیائی" وسائل سے منسلک فراہمی پر مبنی ہے۔ اجتماعات اپنی برادریوں کیلئے بے پناہ تیزی سے ترقی کرتے ہیں کیونکہ اجتماع کے اندر رہنے والے اور کام کرنے والے لوگ کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ پورٹر ایک شمالی کیلیفورنیا کے "وائن اجتماع" کی مثال پیش کرتا ہے جو سینکڑوں شراب خانوں اور ہزاروں انگوروں کے آزاد کاشت کاروں سے آباد ہے۔ مقامی میڈیا انڈسٹری، وائنری اشتہاری فرموں اور شراب کی تجارتی مطبوعات کے علاوہ انگور پیداوار کے فراہم کرنے والے، آبپاشی اور کٹائی کا سامان، لکڑی کے مخصوص ڈرم اور بوتلوں کے لیبلوں کا خاکہ بنانے والے بھی وہیں ہیں۔ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے علاقے ڈیوس کے قریب عالمی شہرت یافتہ انگور کی کاشت اور تحقیقی پروگرام بھی ہے۔ وائن انسٹی ٹیوٹ سان فرانسسکو کے جنوب میں، اور کیلیفورنیا مقننہ قریبی سیکرامنٹو میں، شراب کی صنعت سے نمٹنے کے لیے خصوصی کمیٹیاں ہیں۔ دنیا میں اسی طرح کے کمیونٹی ڈھانچے: اٹلی کے فیشن، بوسٹن کے بائیوٹیک، ہالی وُڈ کا مووی، نیویارک سٹی کا وال اسٹریٹ اور شمالی کیلیفورنیا کے ٹیکنالوجی اجتماعت موجود ہیں۔

پورٹراس پر بحث کرتا ہے کہ ایک ہی صنعت کے متعلق لوگوں کا عظیم اجتماع سخت محنت کشوں اوراسی پیشے کے متعلق بات کرنے والوں میں سے کمپنیوں کو ملازمین، سپلائرز اور خصوصی معلومات کی بہتر رسائی فراہم کرتا ہے۔ ایک اجتماع صرف کام کی جگہ پر ہی موجود نہیں ہوتا؛ یہ روزمرہ کی زندگی کے تانے بانے کا حصہ ہے جس میں ساتھیوں کے درمیان تعامل شامل ہے۔ مقامی کافی شاپ پر، بچوں کو اسکول سے ساتھ لیتے وقت اور گرجے میں، کمیونٹی تعلقات صنعتی تعلقات بن جاتے ہیں، اوراس کے برعکس.

پورٹر یہ بھی کہتا ہے، "سماجی گوند" جو ایک اجتماع کو آپس میں جوڑتا ہے وہ اہم معلومات تک رسائی کی سہولت بھی فراہم کرتا ہے۔ اس کا مشاہدہ ہے کہ ایک اجتماع "ذاتی تعلقات، روبرو رابطے، مشترکہ دلچسپی کے احساس اور ''گھر کا بھیدی'' کے ارد گرد بنانا چاہئے۔" یہ بالکل یوسی وردی کے بیان جیسا لگتا ہے: اسرائیل میں "ہر ایک دوسرے کو جانتا ہے اور شفافیت کا درجہ نہائت بلند ہے۔"

مارگلیٹ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسرائیل میں ایسے اجتماع کیلئے حالات کا صحیح مرکب موجود ہے—اور یہ نایاب ہے۔ اجتماعیت قائم کرنے کی کوششیں، اس کے باوجود، ہمیشہ کامیاب نہیں ہوتیں۔ مثلا'' دبئی کو لیجئے۔ ایرل مارگولیت کی دبئی میں تلاش محمد الگر گاوی جیسی ہے۔ الگر گاوی دبئی ہولڈنگ کا چیئرمین اور چیف ایگزیکٹو ہے جو دبئی کے حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم (متحدہ عرب امارات کا وزیر اعظم اور وزیر دفاع) کے کاروباروں میں سے ہے۔ تمام اغراض و مقاصد کے لیے شیخ محمد "دبئی انک۔" کا چیئرمین بھی ہے۔ دبئی کے عوامی مالیات اور شیخ کی ذاتی دولت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

الگر گاوی 1997 کی مجلس میں محمد شیخ سے ملنے گیا تو اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ مجلس، عام شہریوں کا شیخ سے ملنے کیلئے اجتماع عامہ کا مقام—اسے عرب دنیا میں ٹاؤن ہال میٹنگ کی نقل سمجھ لیجئے، لیکن باہمی رابطہ بہت کم۔ شیخ محمد نے دورے کے دوران الگر گاوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلان کیا، "میں آپ کو جانتا ہوں اور آپ بہت زیادہ ترقی کریں گے۔"

یہ پتہ چلتا ہے کہ ال گرگاوی اس وقت ایک درمیانے درجے کا سرکاری بیوروکریٹ تھا۔ شیخ محمد کے "پراسرار خریداروں" نے مہینوں پہلے اسے پہچان لیا تھا جن کا کام ممکنہ کاروباری رہنماؤں کو مملکت میں تیزی سے ڈھونڈ نکالنا ہے۔ الگر گاوی کو مجلس کے اجلاس کے فوراً بعد شیخ کی تین بڑی کمپنیوں میں سے ایک کے انتظام کیلئے ایک تیز رفتار راستے پر ڈال دیا گیا۔ دبئی حکومت کے دیگر اندرونی ذرائع سے معلوم ہوا کہ الگر گاوی کو اس لیے منتخب کیا گیا کیونکہ وہ

ایک منجھا ہوُا ٹیکنو کریٹ سمجھا جاتا تھا--- وہ بخوبی ذمہ داری سرانجام دے سکتا تھا لیکن حکمران کی دور رس نگاہ کو للکارے گا بھی نہیں۔

دبئی کا معاشی نظام زیادہ تر سرپرستی پر مبنی ہے جس نے مقامی شہریوں کو نرم خو بنا رکھا ہے (دبئی کے چودہ لاکھ رہائشیوں میں سے صرف 15 فیصد اصل اماراتی شہری ہیں۔) یہ سنگاپور کی طرح ایک انتہائی منظم معاشرہ ہے اور وہاں حکومت کے خلاف احتجاج، یہاں تک کہ پرامن کیلئے بھی کوئی راستہ موجود نہیں۔ دبئی کی انسانی حقوق کی بہت سی پہلی تنظیموں کے بانی بھی حکومتی ملازم ہیں جو شیخ محمد کی نظر عنایت کے وظیفہ خوار ہیں۔

تقریر کی آزادی کی "ضمانت" آئینی طور پر تو ہے لیکن اس میں حکومت پر تنقید یا اسلام کے متعلق کسی ناگوار بات شامل نہیں ہے۔ جب حکومتی شفافیت کی بات خصوصاً" معیشت کے تعلق سے ہوتی ہے تو رجحان کا رخ غلط سمت میں بڑھ رہا ہے۔ ایک نیا میڈیا قانون کہ متحدہ عرب امارات کی ساکھ یا معیشت کو بدنام کرنا جرم ہے جس کی سزا 10 لاکھ درہم (تقریباً 270,000$) تک جرمانہ ہے۔ حکومت کے پاس ویب سائٹس پر پابندیوں کی فہرست ہے؛ انٹرنیٹ پر پابندی ریاستی احتساب کے تحت نافذ کی گئی ہے (صارفین براہ راست ویب سائٹ ڈائل نہیں کرتے بلکہ ریاستی اجارہ دار ٹیلی کام کے زیر نگرانی پراکسی سرور سے گزر کر جاتی ہے)۔ عرب لیگ کے بائیکاٹ کی تعمیل میں زائرین یا اماراتی رہائشی اسرائیل کو لینڈ لائنز یا سیل فون سے کال نہیں کر سکتے--- ملک کا کوڈ 972 بند کیا ہوُا ہے۔

شیخ محمد نے حال ہی میں اعلان کیا کہ ان کا پچیس سالہ بیٹا شیخ ہمدان ولی عہد ہو گا؛ ایک چھوٹے بیٹے اور ایک بھائی کو بطور نائبین نامزد کیا گیا۔ کسی اماراتی کو حکومت میں ایرل مارگلیت جیسی اعلیٰ قیادت کا کردار ادا کرنے یا عہدے کے لیے انتخاب لڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ محمد الگرگاوی خود ملک میں مجموعاً" صرف 210,000 اماراتیوں میں سے ایک ہے اور اس محدود تعداد کے لوگوں میں سے اعلےٰ حکومتی عہدوں یا شیخ کے کاروباروں میں قائدانہ کردار کیلئے خدمات انجام دینے کے اہل ہیں۔

اس کے سرکاری قیادت کے حلقوں کے علاوہ، دبئی بیرونی لوگوں کے لیے صدیوں پرانے موتیوں سے ٹیکسٹائل تک کا تجارتی مرکز ہر چیز کے کاروبار کیلئے کھلا ہے۔ شیخ محمد کے پردادا نے بیسویں صدی کے اوائل میں اپنی سٹی سٹیٹ کو ٹیکس سے مستثنےٰ بندرگاہ قرار دیا۔ وہ ایرانی اور ہندی تجّار کو متوجہ کرنا چاہتا تھا۔

1970 کی دہائی میں شیخ محمد کے والد راشد بن سعید المکتوم نے چھوٹی بندرگاہ دبئی کی کھدائی کا حکم دیا اور جبل علی میں دنیا کی انسان ساختہ بہت بڑی بندرگاہ بنا ڈالی۔ دبئی سے 22 میل جنوب مغرب میں 1979 تک جبل علی بندرگاہ مشرق وسطیٰ کی بہت ہی بڑی بندرگاہ بن چکی تھی اور چند ماہرین کے مطابق چین کی عظیم دیوار اور ہوور ڈیم

کے ساتھ ساتھ صرف ان تین انسانی تعمیرات میں سے ہے جو خلا سے دیکھی جاسکتی ہیں۔اب جبل علی (ہانگ کانگ اور سنگاپور کے بعد) دنیا کا تیسرا اہم ترین برآمدی مرکز ہے۔

راشد کا یہ لبرل تجارتی نکتہ نظر اس حقیقت پر مبنی تھا کہ دبئی کا معاشی چشمہ آخر کار سوکھ جائے گا۔پڑوسی ابوظہبی کے پیٹرول اور گیس کے ذخائر صرف آدھ فیصد اور سعودی عرب کے مقابلتا" اس سے بھی چھوٹا حصہ، دبئی کے ذخائر 2010 میں ختم ہو سکتے ہیں۔ شیخ راشد نے ایک مرتبہ مشہور جملہ کہا، "میرے دادا، اور میرے والد نے اونٹ پر سواری کی، میں مرسڈیز کار چلاتا ہوں، میرا بیٹا لینڈ روور چلاتا ہے، اس کا بیٹا لینڈ روور چلاتا ہے، لیکن اس کا بیٹا اونٹ کی سواری کرے گا۔"

شیخ راشد نے عالمی معیار کی دبئی کو بندرگاہ بنانے کے ساتھ ساتھ مشرق وسطی کا پہلا آزاد تجارتی منطقہ قرار دے کر غیر ملکیوں کو 100 فیصد اپنا سرمایا اور منافع واپس بھیجنے کے ساتھ غیر ملکی پراپرٹیز اور کاروباروں کو 100 فی صد ملکیت کی اجازت دی۔اس نے متحدہ عرب امارات اور عرب دنیا کے زیادہ تر حصہ میں یہ شرط ختم کر دی کہ تمام کمپنیاں ایک مقامی شہریوں کی اکثریت کی ملکیت ہوں۔

شاہی خاندان کی اگلی نسل جس کی قیادت شیخ محمد کر رہا تھا، نے فری زون ماڈل کو اور بھی وسعت دی جس کے تحت مخصوص صنعتی شعبے کیلئے وقف بزنس پارکس بنائے گئے۔ان میں سے پہلا دبئی انٹرنیٹ سٹی (DIC) تھا جس کا خاکہ آرتھر اینڈرسن اور میک کنسی اینڈ کمپنی کا تیار کردہ تھا۔

DIC نے کاروبار کرنے والی کسی بھی ٹیکنالوجی کمپنی کو مشرق وسطیٰ، برصغیر پاک و ہند، افریقہ یا سابق سوویت یونین کے لیے ایک مثالی بنیاد فراہم کی جو مجموعا" تقریبا" 1.8 بلین لوگوں کی مارکیٹ ہے جس کی کل جی ڈی پی 1.6$ ٹریلین ہے۔مائیکروسافٹ سمیت 180 کمپنیوں نے فورا" ہی بطور کرایہ دار دستخط کئے جن میں Oracle, HP, IBM, Compaq, Dell, Siemens, Canon, Logica, and Sony Ericsson شامل تھیں۔ایک لحاظ سے DIC ایک قابل ذکر کامیابی تھی: دبئی میں 2006 تک دنیا کی پانچ سو بڑی کمپنیوں کی ایک چوتھائی موجود تھی۔دبئی نے ایسی کامیابی کو دہرانے کیلئے دبئی ہیلتھ کیئر سٹی، دبئی بائیو ٹیکنالوجی اینڈ ریسرچ پارک، دبئی انڈسٹریل سٹی، دبئی نالج ولیج، دبئی اسٹوڈیو سٹی، اور دبئی میڈیا سٹی کی بنیاد رکھی (جہاں روئیٹرز، سی این این، سونی، CNBCBertelsmann، MBC، عریبین ریڈیو نیٹ ورک اور دیگر تمام میڈیا کمپنیاں موجود ہیں۔

ڈی آئی سی کے ڈائریکٹر مارکیٹنگ، وادی احمد، عرب نژاد برطانوی شہری نے وضاحت کی، "ہم نے پورٹر کے نظریہ اجتماع کی تحقیق کو حقیقت بنادیا۔ آپ اگر ایک ساتھ ایک ہی طبقہ سے سب کمپنیاں لے آئیں تو مواقع سے مادی فوائد حاصل ہوتے ہیں. یہ ہے حقیقی زندگی کانیٹ ورکنگ۔ یہ سافٹ ویئر ترقی و ترویج دینے والے کو انتہائی تجربہ کار پراجیکٹ مینجر سے ملا رہا ہے۔ ہمارے اجتماع کے اندر ایک دوسرے سے دو کلو میٹر کے فاصلے پر کام کرنے والی چھ سو کمپنیاں ہیں۔ سلیکون ویلی میں چند مماثلتیں ہیں لیکن یہ ایک علاقہ ہے، ایک منظم قسم کا کاروبار نہیں۔"

یہ سچ ہے کہ دبئی نے پہلے متاثر کن شرح نمود کھائی اور یہ تھوڑے ہی عرصے میں ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ اسرائیل اور دبئی کا نئی ایجادات اور پیٹنٹ کی تعداد کا توذکر ہی کیا، اسٹارٹ۔۔۔اپس کی تعداد یا اسرائیل کے مقابلتاً" دبئی وینچر کیپیٹل متوجہ کرنے میں کامیاب رہا ہو، کوئی موازنہ نہیں۔ اسرائیل اور دبئی کس وجہ سے مختلف ہیں؟ دبئی کے انٹرنیٹ سٹی میں کیا ہو رہا ہے، مثلاً" اس میں ذرا سا نیچے جھانک کر دیکھیں تو جواب ملنا شروع ہو جائے گا۔ DIC میں آپ کو کوئی R&D یا جدت پر مبنی نئی کمپنیاں نہیں ملیں گی۔ دبئی نے جدت پسند عالمی کمپنیوں کے لیے دروازے کھول دیے اور بہت سی آئیں بھی. وہ کسی اور جگہ کی نئی مصنوعات کسی خاص علاقائی مارکیٹ میں بیچنے کیلئے آئے ہیں۔ دبئی نے فروغ پزیر اختراعی اجتماعات نہیں بنائے؛ اس نے البتہ بڑے کامیاب سروس مراکز بنائے ہیں۔ شیخ محمد نے جب الگر گاوی کو معاشی معجزے کو تیز تر دکھانے میں مدد کے لیے منتخب کیا تو اس کا کام دبئی کی دلچسپ وینچر کو بڑھانا اور اس کا انتظام کرنا تھا لیکن ضروری نہیں کہ جدت پیدا کرنے کیلئے بھی تھا۔

اسرائیل میں کہانی مختلف ہے۔ مارگلیت دسیوں ہزار کئی اینٹرپرینورز میں سے ایک ہے۔ اس کی کسی نے مدد نہیں کی۔ اس نے اپنی مدد خود ہی کی۔ اس کی تمام کامیابی اختراعی کمپنیاں بنانے اور انہیں عالمی منصوبے اور ٹیک ماحولیاتی نظام میں شامل کرنے میں ہے جو مسلسل نئی مصنوعات اور منڈیوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ اسرائیل میں اس عمل کو سہولت فراہم کرنے والا جسمانی ڈھانچہ دبئی سے کمتر ہو لیکن ثقافتی ڈھانچہ اختراعات کیلئے بے حد زرخیز ثابت ہوًا۔

نئے اراکین کو اجتماع کی طرف راغب کر کے ایک اجتماع بنانے کے لیے ایک سستا طریقہ پیش کرنے سے کام بن سکتا ہے لیکن اسے برقرار رکھنے کے لیے نہیں۔ اجتماع کی اگر قیمت ہی واحد مسابقتی برتری ہے تو ہمیشہ کوئی دوسرا زیادہ سستا ملک آدھمکے گا۔ دیگر خوبیوں کے عناصر —— جیسے بہت قریب رہنا، وہ برادریاں جن کے اراکین اجتماعی خاندان میں رہنے، کام اور پرورش کرنے کے لیے پرعزم ہیں۔—— یہی اوصاف پائیدار ہیں جو ترقی میں مدد ہوتے

ہیں۔ فیصلہ کن عناصر پر اجتماع مشترکہ عزم اور تقدیر کے احساس میں ڈھلتا ہے جس کا روز بروز کاروباری دشمنی میں اظہار ہوتا رہتا ہے جس کا تیار کرنا آسان نہیں ہے.

دبئی کے لیے اس لحاظ سے رکاوٹیں بہت گہری ہیں۔ غیر ملکی شہری، یورپی اور خلیج فارس کے کاروباری مہم جو یا جنوب ایشیائی اور عرب عارضی مزدور--- حرف آخر، وہ وہاں کمائی کیلیئے آئے ہیں۔ وہ ملازمت کر چکنے کے بعد عموما" گھر لوٹ جاتے ہیں یا اگلی مہم پر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کا دبئی کے ساتھ لین دین کا رشتہ ہے؛ وہ گہرے تعلقات پر مبنی برادری کا حصہ نہیں ہیں اور وہ اجتماعا" جڑیں نہیں ڈال رہے یا کوئی نئی چیز نہیں بنا رہے ہیں۔ وہ برادریوں کے ساتھ ان کے موقف اور کامیابیوں کا جائزہ دبئی سے نہیں، اپنے آبائی ممالک سے کرتے ہیں۔ ان کی جذباتی وابستگی اور احساس کی جڑیں کہیں اور پیوست ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ مکمل طور پر کامیاب اجتماع بننے میں یہی بنیادی رکاوٹ ہے اور یہی اعلی درجے کی کاروباری معیشت کی ترقی قائم کرنے میں رکاوٹ بھی ہو سکتی ہے۔

"اسرائیل میں اگر انٹرنیٹ بلبلہ ہے تو وہ بلبلایوسی وردی ہے۔" مدد کرنے میں وردی کے کردار کا حوالہ دیتے ہوئے گوگل کے شریک بانی سرجی برِن کہتا ہے۔ 2000 کے حادثہ سے اسرائیل کے انٹرنیٹ سیکٹر کو عالمی ٹیکنالوجی مارکیٹ کی راکھ سے دوبارہ تعمیر کرنے کیلیئے وردی کا نام اسرائیلی انٹرنیٹ سٹارٹ---اپس کی دنیا کا مترادف بن گیا ہے۔ انٹرنیٹ چیٹ پروگرام ICQ کی وجہ سے مشہور ہے جس کی بنیاد اس کے بیٹے ایرک وردی اور اس کے تین دوستوں نے اپنی عمر کی بیس کی دہائی کے اوائل میں رکھی تھی۔ دی ویسٹلی گروپ کے اسحاق ایپلبام کا کہنا ہے کہ آئی سی کیو—ایک زمانے میں دنیا کا سب سے زیادہ مقبول چیٹ پروگرام تھا۔ یہ ان مٹھی بھر کمپنیوں میں سے ایک تھا جس نے "نیٹ اسکیپ، گوگل، ایپل، مائیکروسافٹ اور انٹیل سمیت ٹیکنالوجی کو ہمیشہ کے لیے تبدیل کر دیا۔'

ICQ (ایک ڈرامہ "میں آپ کو ڈھونڈتا ہوں") نومبر 1996 میں وردی کی سیڈ فنڈنگ سے متعارف کرایا گیا تھا۔ یہ ونڈوز کے صارفین کو اجازت دینے والا پہلا پروگرام تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ براہ راست بات چیت کر سکیں۔ امیریکہ آن--لائن (AOL) نے تقریباً اسی وقت اپنا چیٹ پروگرام ایجاد کیا جسے انسٹنٹ میسنجر (AIM) کہا جاتا ہے لیکن پہلے پہل AOL پروگرام صرف اپنے صارفین کے لیے دستیاب تھا۔

اسرائیلی پروگرام AOL کے مقابلتا" بہت تیزی سے پھیلا۔ جون 1997 تک، قریبا" ICQ کے آغاز کے آدھ سال بعد—جب امریکی گھروں میں صرف 22 فیصد کو انٹرنیٹ کی رسائی تھی، ICQ کے ایک ملین سے زیادہ صارفین تھے۔ چھ ماہ میں صارفین کی تعداد 5 ملین اور دس ماہ بعد 20 ملین تک پہنچ گئی۔ 1999 کے اختتام

تک ICQ کے 50 ملین رجسٹرڈ صارفین تھے جس کی بناپر یہ سب سے بڑی بین الاقوامی آن--لائن سروس بن گئی۔CNET.com کی تاریخ میں ICQ 230 ملین ڈاؤن لوڈز کی وجہ سے سب سے زیادہ ڈاؤن لوڈ ہونے والا پروگرام بن گیا۔

1998 کے وسط میں جب ICQ کے تقریباً 12 ملین صارفین تھے تب AOL نے اسٹارٹ۔۔۔اپ 407$ ملین میں خریدی جو اس وقت کسی اسرائیلی ٹیک کمپنی کے لیے ادا کی گئی سب سے بڑی رقم تھی۔(انہوں نے دانش مندی سے اسٹاک کے بجائے تمام نقد لینے پر اصرار کیا۔)

اسرائیل اگرچہ اس وقت پہلے ہی اپنی ہائی ٹیک کی ترنگ میں تھا، آئی سی کیو کی فروخت ایک قومی واقعہ بن گیا.اس سے بہت سے اسرائیلیوں کو اینٹرپرینیورز بننے کی ترغیب ملی۔اس کے بانی نوجوان ہپیوں کا گروپ تھا.ایسی کامیابی پر مشترکہ اسرائیلی ردعمل یہی تھا کہ اگر یہ ہپی ایسا کر سکتے ہیں تو میں ان سے بہتر کر سکتا ہوں۔اس کے علاوہ، فروخت قومی فخر کا ایک ذریعہ تھا، جیسے دنیا کے ٹیکنالوجی اولمپکس میں سونے کا تمغہ جیت لیا ہو۔ایک مقامی عنوان: اسرائیل انٹرنیٹ کی "سپر پاور" بن چکا ہے۔

وردی انٹرنیٹ اسٹارٹ۔۔۔اپس میں سرمایہ کاری کرتا ہے کیونکہ وہ ان پر یقین رکھتا ہے۔اس نے انٹرنیٹ پر توجہ مرکوز کی جب تقریباً ہر کوئی اعلیٰ قسم کے "اسرائیلی" شعبے میں تھا، جیسے مواصلات اور سیکورٹی، یا گرم نئے علاقے، جیسے کلینٹیک اور بائیوٹیک جو صرف منافع سے منسوب نہیں ہیں۔ایک تو اس کا اجتماع، اسرائیل ہے اور وہ اس کمیونٹی میں بحیثیت "بھیدی" اپنی حیثیت سے آگاہ ہے---ایک کمیونٹی وہ جسے کامیاب دیکھنا چاہتا ہے۔وہ اس عزم کے ساتھ اپنے کردار سے آگاہ بھی ہے اور اس شعبے کو دورِ ناکامی میں برقرار رکھنے سے بھی واقف ہے۔ذاتی اور قومی مقصد کو مدنظر رکھ کر سرمایہ کاری کرنے کو "نفع بخش حب الوطنی" کہا جاتا ہے جو حال ہی میں نئی توجہ حاصل کر رہی ہے۔

ایک کاروباری تاریخ دان اور سوانح نگار رون چرنو نے ممتاز بینکر جے۔پی۔مورگن کے متعلق کہا کہ اس نے صدی سے زیادہ قبل تقریباً تن تنہا 1907 کی قومی سراسیمگی کے دوران امریکی معیشت کو مستحکم کیا۔اس وقت کوئی فیڈرل ریزرو نہیں تھا، "مورگن نے اس خطرناک وقت سے نپٹنے کیلئے نہ صرف اپنا کچھ سرمایہ لگایا بلکہ تمام مالیاتی برادری کو اس میں شامل ہونے کے لیے منظم بھی کیا۔

2008 کے بحران کے دوران بفیٹ نے بھی صرف دو ہفتے میں گولڈ مین سیکس اور جنرل الیکٹرک میں 8 بلین ڈالر سے جوش وخروش پیدا کر کے ایسا ہی کردار ادا کیا۔قومی سراسیمگی جیسے گہری ہوتی گئی، بفیٹ کو معلوم تھا کہ اس کا

سرمایہ کاری کرنے کا فیصلہ مارکیٹ کو بڑے پیمانے پر اشارہ دے سکتا ہے کہ وہ، امریکہ کا سب سے قابل احترام سرمایہ کار، حصص کے مزید ڈوبنے کا انتظار نہیں کر رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ معیشت تباہ ہونے والی نہیں تھی۔

وردی کی مداخلتیں اتنے بڑے پیمانے پر نہیں ہیں لیکن اس نے پھر بھی بھانت بھانت کے اسرائیلی اسٹارٹ۔۔۔اپس میں انٹرنیٹ کے حصے کو ڈوبنے سے بچانے میں قیادت کی۔ اس نے اپنی محض موجودگی اور ایسے شعبے میں ثابت قدمی دکھا کر، جس سے سب ناامید ہو چکے تھے، اس نے اسے تبدیل کرنے میں مدد کی۔

2008 میں ٹیک کرنچ، بااثر کانفرنس نے دنیا کے امید افزا ترین اکاون سٹارٹ۔۔۔اپ، علیحدہ کئے جن میں سے سات اسرائیلی تھے، اور ان میں سے کئی ایک نے یوسی وردی سے سرمایہ حاصل کیا تھا۔ ٹیک کرنچ کا بانی مائیکل آرنگٹن وردی کا زبردست حامی ہے: وہ کہتا ہے کہ "آپ [اسرائیل] کو تل ابیب میں یوسی وردی کا مجسمہ بنانا چاہیے۔"

سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب Built to Last میں بزنس گرو جیمز کولنز نے کئی پائیدار کامیاب کاروباروں میں ایک مشترک چیز کی نشان دہی کی ہے جسے ایک بنیادی مقصد بیان کیا گیا ہے۔ کولنز روانی سے ایک یادو مربوط جملوں میں لکھتا ہے، تنظیم میں وجودی طور پر "پراہمیت مقصد" کا موجود ہونا ہے۔ [یہ] اس اہمیت کا عکاس ہے کہ لوگوں کی نظر میں، صرف پیسہ کمانے کے علاوہ۔" کمپنی کی کیا اہمیت ہے۔ اس نے "پراہمیت مقصد" کیلئے پندرہ مثالوں کی فہرست بنائی ہے۔ یہ اسرائیل کے سوا اِن سب کمپنیوں کی طرف سے ہے---بشمول Wal-Mart, McKinsey, Disney, and Sony۔ کولنز نے اسرائیل کے "پراہمیت مقصد" کو "یہودیوں کیلئے زمین پر ایک محفوظ جگہ فراہم کرنا" کے طور پر بیان کیا ہے۔ "اسرائیل کی معیشت کی تعمیر اور اس کے اجتماع میں حصہ لینا، جو قابل تبادلہ ہیں—اور اسے دنیا کے دور دراز ترین مقامات تک پہنچانا، جزوی طور پر اسرائیل کے "منافع بخش محب وطن لوگوں" کو تحریک دیتی ہے۔ مورخ باربرا ٹخمین نے اسرائیل کی ٹیک ترقی سے پہلے مشاہدہ کیا، "اس کے تمام مسائل کے باوجود اسرائیل کو نہائت اہم فائدہ ہے: مقصد کا احساس۔ اسرائیلیوں کے پاس شائد خوشحالی یا پر سکون زندگی نہ ہو۔؟ لیکن ان کے پاس کوئی وجہِ تحریک ہے جو خوش حالی کا ناطقہ بند کرتی ہے: کسی مقصد کی وجہ۔"

گلف کوآپریشن کونسل جو متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، بحرین، کویت، قطر اور عمان پر مشتمل ہے، کی متعدد ریاستوں میں بلند مقصد کی عدم موجودگی ایک مسئلہ ہے۔ متحدہ عرب امارات میں دبئی کے معاملے میں، بیرونی ممالک سے آنے والے انٹرپرینیورز منافع کی غرض سے آتے ہیں---جو اہم تو ہے--- لیکن وہ بھی دبئی کی آبادی

میں تعمیری مقاصد کا محرک نہیں بنتے۔ ہم نے مائیکل پورٹر کے نظریہ اجتماع میں یہی دیکھا کہ صرف منافع کا مقصد قومی معیشت کو ایک خاص حد تک ہی لے جاسکتا ہے۔ قومی معیشت پر اگر برا وقت، جیسے 2008 کے آخر سے دبئی پر آن پڑا یا حفاظت کے متعلق خطرہ منڈلائے لگے تو وہ جو گھر تعمیر کرنے، برادری یا ملک کیلئے مصمم ارادہ نہیں رکھتے، اکثر سب سے پہلے بھاگتے ہیں۔

دیگر گلف کوآپریشن کونسل کی معیشتوں میں مسئلہ کی نوعیت قدرے مختلف ہے۔ ہم نے جزیرہ نما عرب کے اسفار کے دوران خود دیکھا ہے کہ کس طرح سعودی شہری--- جوان اور بوڑھے--- معیشت کے بنیادی تعمیری ڈھانچے کو جدید بنانے پر فخر کرتے ہیں۔ بہت سے سعودیوں کا ایک قبائلی سلسلہ جو صدیوں تک پیچھے جاتا ہے، عالمی سطح پر ایک اعلی درجے کی معیشت کی تعمیر قبائل اور قوم کیلئے وجہ مفاخرت ہے۔

ان تمام معیشتوں کو ایسی مشکلات کا بھی سامنا ہے جو ترقی کے لیے کسی بھی صلاحیت کا گلا گھونٹ سکتی ہیں۔

عرب دنیا کے متعدد کاروباری اور حکومتی رہنماؤں نے اپنی توجہ ایک اعلی نمو پذیر انٹرپرینوریل معیشت کی حوصلہ افزائی پر مرکوز کی اور چند ایک درپردہ اسرائیل کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ریاض العلاوی نے ہم سے پوچھا، "ہم اگلی دہائی میں اسّی ملین نوکریاں کیسے پیدا کریں گے ؟"العلاوی ایک کامیاب اردنی کاروباری ہے جس نے تمام خطے میں کاروبار کیا ہے۔ ہم اپنے سفر کے دوران عرب دارالحکومتوں میں ماہرین سے اسی ملین تعداد سنتے رہے۔

شمالی افریقہ کی عرب معیشتیں (مصر، الجزائر، مراکش، اور تیونس)، مشرق وسطیٰ (لبنان، شام، فلسطین، عراق، اور اردن)، اور خلیج فارس (سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین، کویت، اور عمان) تقریباً 225 ملین افراد پر مشتمل ہے جو دنیا کی آبادی کا صرف 3 فی صد ہے۔ 2007 میں عرب معیشتوں کی کل جی ڈی پی 1.3 ٹریلین ڈالر تھی، چینی معیشت کا تقریباً دو بٹا پانچ حصہ۔ دولت کی تقسیم وسیع پیمانے پر بہت مختلف ہے: کم آباد معیشتیں پٹرولیم سے مالا مال ہیں (قطر 1 ملین افراد، فی کس جی ڈی پی $73,100) اور پٹرولیم کے بغیر کمزور معیشتیں اور بڑی، گھنی آبادی (مصر، 77 ملین افراد، فی کس $1,700GDP)۔ خطے کی ترقیاتی حکمت عملیوں کے متعلق عمومیت سے کام لینا عرب معیشتوں کے حجم، ڈھانچے اور قدرتی وسائل کی وجہ سے خطرناک ہے۔

تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھنے کے باوجود عرب مسلم دنیا کیلئے متحدا اقتصادی مشکل کام کیلئے اپنی آبادی کی ساخت ٹائم بم ہے: تقریباً 70 فیصد آبادی کی عمر پچیس سال سے کم ہے۔ ال علاوی کے مطابق ان سب لوگوں کو

2020 تک ملازمت دینے کیلئے اسی ملین نئی ملازمتیں پیدا کرنا ہوں گی۔اس ہدف کو پورا کرنے کا مطلب ہے 1990 کی عروج کی دہائی کے دوران امریکی ملازمتوں کی شرح نمو سے دوگنا زیادہ ملازمتیں پیدا کرنا ہوں گی۔
فادی غندور، ایک کامیاب اردنی کاروباری شخصیت کے مطابق "حکومتی ادارے یہ ملازمتیں پیدا کرنے نہیں جا رہے اور نہ ہی بڑی کمپنیاں۔"اس خطہ کے "استحکام اور مستقبل کا انحصار اس پر ہے کہ ہمارے نوجوان باہر جا کر کمپنیاں بنائیں۔" عرب معیشتوں میں انٹر پرینیور شپ برائے نام ہے۔ متحدہ عرب امارات معیشت ڈوبنے سے پہلے بھی 4 فیصد سے بھی کم بالغ آبادی چھوٹے کاروباری اداروں یا ان کے ابتدائی مراحل میں کام کر رہی تھی۔ ایک عرب "اسٹارٹ۔۔۔اپ قوم" کی راہ میں کیا رکاوٹیں ہیں؟ جواب میں پٹرولیم، محدود سیاسی آزادی، خواتین کی حیثیت اور تعلیم کا معیار شامل ہیں۔
خطے کی معاشی سرگرمیوں کی بڑی اکثریت پٹرولیم / گیس کی پیداوار اور اس کی تطہیر پر مبنی ہے۔ بلا پٹرولیم / گیس سمیت عرب مملک کی 250 ملین آبادی کی جی ڈی پی بر آمد، 5 ملین آبادی والے فن لینڈ سے بھی کم ہے۔ وہاں پٹرولیم کے علاوہ چند کامیاب ملٹی نیشنلز، جیسے متحدہ عرب امارات کی ایمریٹس ایئر لائنز، مصر میں Orascom Telecom اور اردن میں Aramex جو نقل و حمل میں مدد فراہم کرتی ہے۔ صاحب بصیرت انٹر پرینورز نے (Orascom اور Aramex) کی بنیاد رکھ کر انہیں پروان چڑھایا۔ خاندان-- ملکیتی خدمت کے کاروبار---اور مصر جیسے ممالک میں--- ٹیکسٹائل اور زراعت بھی نمایاں ہیں۔ خطے کی جی ڈی پی میں پٹرولیم کی صنعت کا حصہ اب تک سب سے بڑا ہے۔
یہ خطہ دنیا کے پٹرولیم کا تقریباً ایک تہائی اور گیس کا 15 فیصد مہیا کرتا ہے۔ پٹرولیم کی مانگ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، چین اور بھارت نمایاں ترین مثالیں ہیں جنہیں زیادہ پٹرولیم کی ضرورت ہے۔ 1998 سے بھارت اور چین کی مشترکہ مانگ میں ایک دہائی سے بھی کم عرصے میں ایک تہائی اضافہ ہؤا۔ پٹرولیم کی قیمت میں جتنا بھی اتار چڑھاؤ ہوتا رہے، عالمی سطح پر اس کی مانگ میں تبدیلی بڑھ رہی ہے۔
عرب دنیا کی پٹرولیم کی معیشت نے اعلیٰ ترقی پذیری کو روک رکھا ہے۔ عوام میں پٹرولیم کی عنایات کی بانٹ نے خلیج فارس کی حکومتوں کو سیاسی و اقتصادی اصلاحات کے دباؤ سے بے نیاز کر رکھا ہے۔ پٹرولیم کی دولت نے مطلق العنان حکومتوں کی طاقت کو مضبوط کیا ہے جنہیں شہریوں سے ٹیکس وصول کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے ان کی شکایات پر بالکل کان دھرنا ضروری نہیں۔ مسلم دنیا کے مورخین نے عرب ممالک کے متعلق کہا ہے، "ایک عام محاورے کا الٹ درست ہے: ٹیکس کے بغیر نمائندگی نہیں۔"

جن اصلاحات کی شدید ضرورت ہے اشرافیہ اسے خطرہ سمجھتی ہے--- حقِ آزادیءاظہار، تجربہ اور ناکامی کے ضمن میں رواداری، اور بنیادی حکومتی اقتصادی اعداد و شمار تک رسائی---ایسے ماحول کیلئے ضروری ہیں جس میں انٹرپرینیورز اور موجد ترقی کر سکیں۔ خصوصا'' ان تمام وجوہات کی بناءپر جن سے انٹرپرینیورشپ معیشتوں کی ترقی میں مدد کرتی ہے؛ اور معاشرے بھی ترقی کرتے ہیں---اس سے محض رتبہ کے بجائے قابلیت، پہل اور نتائج کے بدلہ میں انعام ملتا ہے--- خلیجی حکومتوں نے جس کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔

ماہر سیاسیات سیموئل ہنٹنگٹن نے ایک بار اسی کو "بادشاہ کا مخمصہ" کہا تھا: جدیدیت کے تمام بادشاہ بالآخر معاشی جدیدیت کے ساتھ توازن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بندشوں سے آزادی کا مطلب بادشاہ کی مطلق العنانی کو للکارنا بھی ہے. عرب دنیامیں برطانوی صحافی کرس ڈیوڈسن، دبئی: دی ولنیر ییبلیٹی آف سکسیس کا مصنف اسے "شیخ کا مخمصہ" کہتا ہے۔

لبنان اور عراق کے علاوہ عرب لیگ کے دیگر 22 ممالک میں در حقیقت کسی میں آزادانہ انتخابات کبھی نہیں ہوئے۔ متحدہ عرب امارات میں 2006 میں ہونے والے انتخابات میں کم لوگوں نے ووٹ ڈالے۔ حکومت کے ممتاز رکن نے ریمارکس دیے، "یہ خصوصا'' مایوس کن ہے باوجودیکہ تمام امیدوار اور شرکاء بہت اچھے خاندانوں سے تھے اور سب کو متحدہ عرب امارات کے حکمرانوں نے ذاتی طور پر منظور کیا تھا۔" خلیج فارس کی متعدد عرب حکومتوں نے پٹرولیم کی دولت کا استعمال کرکے معیشتوں کے مشکل مادی بنیادی ڈھانچے کو جدید بنانے کے لیے ''شیخ کا مخمصہ'' سے نپٹنے کی کوشش کی لیکن سیاسی ڈھانچے کو عملی طور پر چھوا تک نہیں۔1970 کی دہائی میں— پٹرولیم سے اچانک تیزی سے حاصل ہونے والی آمدنی علاقائی معیشتوں کو ترقی دینے کے بجائے مغرب سے درآمدات، بیرون ملک سرمایہ کاری اور فوجی ہتھیاروں پر خرچ کی گئی۔ مقامی معیشتوں کو براہ راست فائدہ بہت کم ہوا۔2002 کے بعد نئی مانگ کی وجہ سے پٹرولیم کے غیر متوقع 650 بلین ڈالر کی دوبارہ سرمایہ کاری صرف خلیجی معیشتوں میں کی گئی۔

دبئی اور متعدد دیگر خلیج اور عرب ممالک کی 'اجتماع' حکمت عملی کے مد نظر خطے کی پٹرولیم کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ رئیل اسٹیٹ، جائیداد غیر منقولہ میں لگائی گئی۔ جی سی سی کا رئیل اسٹیٹ سیکٹر دنیا میں سب سے تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔2000 اور 2010 کے درمیان، ایک اندازے کے مطابق 19.55 ملین مربع گز میں، نئے لمبے عرصے تک کرایہ پر دینے کیلئے— نئی دفتری عمارات، شاپنگ مال، ہوٹل، صنعتی علاقوں میں سہولیات اور رہائشی ترقیات کو

شامل کیا، زیادہ تر سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات میں جہاں یہ تعمیرات اس دوران 20 فیصد سالانہ کی شرح سے بڑھیں۔ (چین میں لمبے عرصے تک کرایہ پر دینے کیلئے سالانہ تعمیرات کی ترقی 15 فیصد تھی۔)

دنیا میں دیگر مقامات کی طرح خلیج فارس میں ریل اسٹیٹ کا بلبلہ بھی پھٹ گیا۔ دبئی میں رہائشی اور تجارتی قیمتوں میں 2009 کے اوائل تک 30 فیصد کمی آئی اور اس کے مزید گرنے کی توقع ہے۔ قرض کی عدم ادائیگی پر قید کے امکان سے بچنے کے لیے گھروں کے مالکان در حقیقت اپنے گھر چھوڑ کر بیرون ملک جا رہے ہیں۔ بڑے تعمیراتی منصوبوں کو فی الحال روک دیا گیا ہے۔

پٹرولیم، رئیل اسٹیٹ اور نہ ہی 'اجتماعات' نے اختراعی یا انٹرپرینوریل معیشت نے خاطر خواہ ترقی کی۔

آبادی کی ساخت کے ٹک ٹک کرتے ٹائم بم کے پیش نظر خلیج کی پٹرولیم سے مالا مال حکومتوں نے اکیڈمک ریسرچ کے 'اجتماعات' بنانے کی بھی کوشش کی ہے۔ ہر ٹیکنالوجی 'اجتماع' میں عظیم تعلیمی اداروں کا مجموعہ ہے۔ سلیکون ویلی نے مشہور زمانہ آغاز 1939 میں کیا جب ولیم ہیولٹ اور ڈیوڈ پیکارڈ، سٹینفورڈ یونیورسٹی انجینئرنگ کے دو گریجویٹس نے 538$ سے ہیولٹ پیکارڈ کی بنیاد رکھی۔ ان کا سرپرست اسٹینفورڈ کا سابق پروفیسر تھا، اور انہوں نے قریب ہی پالو آلٹو کے گیراج میں دکان قائم کی۔

عرب دنیا کے ثقافتی اور سماجی ادارے، عرب دانشوروں کی اقوام متحدہ کی منظور شدہ کمیٹی کے مطابق، دیرینہ طور پر کم ترقی یافتہ ہیں۔ اقوام متحدہ کی عرب انسانی ترقی کی رپورٹ نے 2002 سے 2005 تک تنظیم کی تحقیق پیش کی؛ پتہ چلا کہ عرب دنیا میں عالمی سطح پر ناخواندگی کی شرح سب سے زیادہ ہے اور فعال تحقیقی سائنس دانوں کے لکھے مضامین کا سب سے کم تعداد میں حوالہ دیا جاتا ہے۔ 2003 میں چین نے دنیا کی پانچ سو بہترین یونیورسٹیاں فہرست شائع کی؛ اس میں عرب دنیا میں دو سو سے زیادہ یونیورسٹیوں میں سے کسی ایک کا ذکر شامل نہیں تھا۔

R&D کے لیے یونیورسٹیوں کی اہمیت کو تسلیم کرنا، جو پیٹنٹ اور جدت کے لیے ضروری ہے، سعودی عرب بیس ہزار فیکلٹی عملے کے ارکان اور طلباء کی ریسرچ کیلئے کنگ عبداللہ یونیورسٹی آف سائنس اور ٹیکنالوجی کھول رہا ہے۔ یہ سعودی عرب میں پہلی یونیورسٹی ہو گی جہاں کلاسوں میں مشترک مرد و خواتین طلباء تعلیم حاصل کریں گے۔ قطر اور متحدہ عرب امارات نے بھی مشہور مغربی تعلیمی اداروں کے ساتھ شراکت داری قائم کی ہے۔ قطری ایجوکیشن سٹی میں ویل کارنیل میڈیکل کالج، کارنیگی میلن یونیورسٹی کا

کمپیوٹر سائنس اور بزنس ایڈمنسٹریشن پروگرام، جارج ٹاؤن یونیورسٹی کا بین الاقوامی تعلقات کا پروگرام اور نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی جرنلزم پروگرام کے سیٹلائٹ کیمپس، (اصل یونیورسٹی سے دور) قائم کئے ہیں۔ ابوظہبی، متحدہ عرب امارات کے سات میں سے ایک نے نیو یارک یونیورسٹی کے ساتھ سیٹلائٹ کیمپس قائم کیا ہے۔ مدعا یہی تھا کہ اگر عرب ممالک دنیا بھر سے سب سے زیادہ اختراعی محققین کو متوجہ کر سکے تو اس سے مقامی طور پر ایک اختراعی ثقافت کی حوصلہ افزائی میں مدد ملے گی۔

ان نئے اداروں نے زیادہ ترقی نہیں کی۔ وہ قابل اعتماد مستحکم بنیادیں قائم کرنے اور طویل المدت پابندی کے لیے عرب دنیا سے وابستہ غیر ملکی تعلیمی فطری استعداد کے مالکان کا قابل اعتماد گروہ بھرتی نہیں کر سکتے۔ کرس ڈیوڈسن نے ہمیں بتایا، "یہ خلیج میں ہجرت اور دماغی مماثلت میں مدد سے زیادہ تعلیمی برانڈز لانے کے متعلق ہے۔ یہ یونیورسٹیاں حقیقی اختراعیت کے بجائے قومی شہرت بڑھانے پر مرکوز ہیں۔"

اسرائیل کا معاملہ مختلف تھا۔ اعلیٰ درجے کی یونیورسٹیاں ریاست کے وجود سے پہلے ہی قائم کر دی گئیں۔ پروفیسر خیمؔ وائزمین، ایک عالمی شہرت یافتہ کیمیادان جس نے ایسی ٹون پیدا کرنے کے نادر طریقہ کی ایجاد کے ساتھ بائیو ٹیکنالوجی کے شعبے کا آغاز کرنے میں مدد کی؛ 2 جولائی 1918 کو یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی کے افتتاح کے موقع پر اس عجیب و غریب بات پر تبصرہ کیا، "یہ پہلی نظر میں متضاد سا لگتا ہے کہ ایک ایسی سرزمین جہاں آبادی بہت کم ہو، جہاں سب کچھ نامکمل ہے، ایک ایسی زمین جو ہل، سڑکوں اور بندرگاہوں جیسی آسان چیزوں کے لیے پکار رہی ہے، وہیں ہمیں روحانی فکری ترقی کا مرکز بنا کر شروع کرنا چاہیئے۔"

عبرانی یونیورسٹی کے پہلے بورڈ آف گورنرز میں وایزمین، اسرائیل کا پہلے صدر کے ساتھ البرٹ آئن سٹائن، سگمنڈ فرائیڈ اور مارٹن بُوبر بھی شامل تھے۔ دی ٹیکنین کی بنیاد 1925 میں رکھی گئی۔ اس کے بعد 1934 میں دی وایزمین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس، 1956 میں تل ابیب یونیورسٹی جو آج اسرائیل کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ 1950 کی دہائی کے آخر تک اسرائیل کی آبادی صرف دو ملین کے قریب تھی اور ملک میں پہلے ہی چار عالمی معیاری یونیورسٹیوں کے بیج موجود تھے۔ دیگر بڑی یونیورسٹیاں جیسے بار--الان یونیورسٹی، یونیورسٹی آف حیفہ اور بین گوریون یونیورسٹی آف نیگیو علیٰ الترتیب، 1955، 1963 اور 1969 میں قائم ہوئی۔

آج اسرائیل میں آٹھ یونیورسٹیاں اور ستائیس کالج ہیں۔ان میں سے چار دنیا کی ٹاپ 150 یونیورسٹیوں میں اور سات ایشیا پیسیفک یونیورسٹیاں کی ٹاپ 100 میں شامل ہیں۔ان میں سے کسی کا بیرون ملک سے سیٹلائٹ کیمپس نہیں ہے۔اسرائیلی تحقیقی ادارے بھی دنیا کے پہلے ادارے تھے جنہوں نے تعلیمی دریافتوں کو تجارتی بنایا۔

1959 میں وایزمین انسٹی ٹیوٹ نے اپنی تحقیق کی خرید و فروخت کے لیے ییڈا (جس کا عبرانی میں مطلب ہے "علم" قائم کیا۔ییدا نے اس کے بعد ہزاروں کامیاب طبّی ٹیکنالوجی مصنوعات اور کس کو جنم دیا۔ 2001 اور 2004 کے درمیان انسٹی ٹیوٹ نے رائلٹی کی آمدنی ایک بلین شیکل (200$ ملین سے زیادہ) جمع کی۔ 2006 تک عالمی تعلیمی ادارے یید اکی انکم رائلٹی پہلے نمبر پر تھی۔

عبرانی یونیورسٹی نے یید اکی تخلیق کے کئی سال بعد اپنی ٹیکنالوجی کی منتقلی کی کمپنی بنام یِسّم (جسے عبرانی میں "عمل درآمد" کہا جاتا ہے) کی بنیاد رکھی۔ یِسّم یونیورسٹی تحقیق پر مبنی سالانہ فروخت سے 1$ بلین سے زیادہ کماتی ہے۔

اس نے 5,500 پیٹنٹ اور 1,600 ایجادات کا اندراج کیا ہے۔اس کی 2007 کی دو تہائی ایجادات بائیو ٹیکنالوجی میں، دسواں حصہ زرعی ٹیکنالوجی اور دوسرا دسواں حصہ کمپیوٹر سائنس اور انجینئرنگ کی مصنوعات میں تھا۔یہ تحقیق جانسن اینڈ جانسن، آئی بی ایم۔Intel،Nestlé،Lucent Technologies اور بہت سی دیگر ملٹی نیشنل کمپنیوں کو فروخت کی گئی۔ عالمی بایوٹیک پیٹنٹ درجہ بندی میں Yissum کو حال ہی میں مجموعا" دس امریکی یونیورسٹیوں اور ایک برطانوی یونیورسٹی کے بعد بارہویں نمبر پر رکھا گیا، (تل ابیب یونیورسٹی اکیسویں نمبر پر ہے)۔

اسرائیل، تارکین وطن کی ایک قوم، اپنی معیشت کو بڑھانے کے لیے تارکین وطن کی لہر پر مسلسل انحصار کرتا رہا ہے۔یہ بڑی حد تک تارکین وطن کی بدولت ہی ہے کہ اسرائیل کے پاس کسی دوسرے ملک کے مقابلتا" فی کس زیادہ انجینئرز اور سائنسدان ہیں اور کسی دوسری قوم کی بنسبت فی کس زیادہ سائنٹفک پیپرز تیار کرتا ہے جو 109 فی 10,000 افراد بنتے ہیں۔نئے آنے والے یہودی اور ان کے غیر یہودی خاندان کے افراد کو بآسانی رہائش، شہریت اور سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔اسرائیل عالمی سطح پر انتہائی اینٹرپرینوریل ہے اور IDF — کی طرح — درجہ بندی کی سختیوں کو مسترد کرنے والا ہے۔

خلیج فارس میں حکومتیں رہائشی ویزوں کی اجازت تین سال سے زیادہ نہیں دیتیں، یہاں تک کہ ساتھی مسلمانوں اور عربوں کو بھی نہیں۔ان ممالک میں شہریت حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔عالمی سطح پر نایاب محققین اپنے خاندانوں کو معقول تعداد میں منتقل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور نہ اپنے کیریئر کو ایک ایسے ادارے سے منسلک

کرنا چاہتے ہیں جہاں میزبان ملک آزادی اظہار، تعلیمی آزادی اور حکومت کی شفافیت کا گلا گھونٹنے اور مدتِ رہائش مقرر ہے۔ کئی خلیجی عرب ممالک میں پانچ یا دس سالہ رہائشی ویزوں پر غور تو کیا گیا لیکن کسی بھی حکومت نے حتمی طور پر اجازت نہیں دی۔

یہ رہائشی پابندیاں بھی ماہرین تعلیم کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ کی علامت ہیں: چند محقق پیشہ ور جو آئے انہیں جلد ہی علم ہو گیا کہ حکومت انہیں دور ہی رکھنا چاہتی ہے۔ قوانین بڑے پیمانے پر حکومتوں کی عرب قوم پرستی، اور خصوصا'' خود مختار قوم پرستی کے دباؤ کے جواب کی صورت میں نکلتے ہیں۔ ایک اماراتی خاتون اگر غیر ملکی سے شادی کرتی ہے تو اسے اپنی شہریت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، ان کے بچوں کو متحدہ عرب امارات کا پاسپورٹ جاری نہیں کیا جاتا اور نہ ہی حکومت کی طرف سے کوئی فلاحی سہولیات ملتی ہیں۔

خلیج سے آگے، عرب دنیا میں ایک اعلیٰ ترقی یافتہ انٹرپرینوریل ثقافت کے لیے ایک بڑا چیلنج تدریسی نمونہ ہے۔ پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں کے علاوہ یونیورسٹیوں میں بھی حفظ پر توجہ دی جاتی ہے۔ مصری وزارت تعلیم کے مشیر حسن بیلاوے کے مطابق تعلیم تجربے کے بجائے نظام، معیارات، اور احترام کے متعلق ہے۔ یہ ماڈل اپالو سے کہیں زیادہ کولمبیا سے ملتا ہے۔

تقررِ معیار پر اس زور نے ایک ایسی تعلیمی پالیسی تشکیل کی جو نتائج کی بجائے داخل اجزا کی پیمائش سے کامیابی کی وضاحت کرتی ہے۔۔ میک کینسی اینڈ کمپنی کی عرب کے خلیج فارس کے دفاتر کی تحقیق کے مطابق حکومتیں طلباء کی کارکردگی میں بہتری کی امید میں اساتذہ کی تعداد اور سرمایہ کاری میں، بنیادی ڈھانچے——عمارتوں اور اب کمپیوٹرز مہیا کرنے میں ہلکان ہو گئی ہیں لیکن حالیہ انٹرنیشنل ٹرینڈز ان میتھے میٹکس اینڈ سائنس کے نتائج میں سعودی طلباء پینتالیس میں سے بیالیسویں نمبر پر ہیں۔ (سعودی عرب بیالیسویں نمبر پر بوٹسوانا سے بھی پیچھے تھا)

جی سی سی میں طالب علم---استاد کا تناسب 12:1 ہے جو دنیا میں کمترین میں سے ہے۔ OECD میں 17:1 کی ساز گار نسبت سے موازنتا'' ممالک میں اس کا کوئی حقیقی مثبت اثر نہیں ہوا۔ بین الاقوامی شواہد سے، بد قسمتی سے پتہ چلتا ہے کہ کم طالب علم---استاد کا کم تر تناسب طلباء کی بہتر کارکردگی کی نسبت کمزور ہے اور اساتذہ کے معیار سے تو مزید کمزور ہے۔ اکثر عرب ممالک میں تعلیم کی وزارتیں استاد کی کارکردگی کی پیمائش نہیں کرتیں۔ داخل کردہ اجزا کا متعین کردہ معیار کے ذریعے پیمائش کرنا آسان ہے۔

عرب دنیا کے لڑکوں پر خصوصا'' اساتذہ کی تعداد پر توجہ مرکوز کرنے سے نقصان دہ اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ بہت سے سرکاری اسکول جنس کے لحاظ سے علیحدہ کئے گئے ہیں: لڑکوں کے اساتذہ مرد ہیں اور لڑکیوں کی خواتین۔

مردوں کے لیے تدریسی عہدے روایتا'' کم دلکش رہے ہیں اس وجہ سے لڑکوں کے لیے اساتذہ کی کمی ہے۔ لائق لوگ کم ہونے کے نتیجتا'' لڑکوں کے اسکول اکثر کم معیاری اساتذہ کو ملازم رکھ لیتے ہیں۔ GCC میں طالب علم کی کارکردگی میں صنفی فرق دنیا میں سب سے زیادہ ہے.

آخر میں اعلی نمو کی حد میں شاید اس سے بھی بڑا عنصر اینٹرپرینوریل معیشت میں خواتین کا کردار ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے ڈیوڈ لینڈز نے اپنی نہائت اہم بنیادی کتاب، دی ویلتھ اینڈ پاورٹی آف نیشنز میں دلیل دی کہ معیشت کی ترقی کی صلاحیت کا بہترین بیرومیٹر عورتوں کے مقام اور قانونی حقوق میں مضمر ہے۔ اس نے لکھا، "خواتین کے حقوق سے انکار کرنا کسی ملک کی محنت اور فطری استعداد، اور لڑکوں اور مردوں کی کامیابی کی مہم کو کمزور کرنا ہے۔ لینڈز کا خیال ہے کہ مصمم ارادے اور امنگ کو کمزور کرنے کے لیے حق دار سمجھنے کے احساس سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے۔

استحقاق کا احساس ہر معاشرے میں اشرافیہ ہوتے ہیں، اور ان میں بہت سے لوگ بہترین اعلی درجے کی حیثیت لئے پیدا ہوئے۔ اس کا استدلال ہے آدھی آبادی کے ذہنوں میں زیادہ وسیع پیمانے پر حق دار ہونے کا احساس پھیلا ہوٗا ہے کہ وہ برتر ہیں جوان کی "سیکھنے اور کچھ کرنے کی ضرورت" کو کمزور کرتا ہے۔ اس قسم کی تحریف ایک معیشت کو فطری طور پر غیر مسابقتی بناتی ہے اور یہ عرب دنیا میں خواتین کی ذیلی معاشی حیثیت ہونے کا نتیجہ ہے۔

اسرائیل کی معیشت اور عرب دنیا کے بہت سے لوگ اجتماع کے اقتصادی نظریہ کی زندہ تجربہ گاہیں ہیں جہاں وسیع طور پر قوموں میں جدت پیدا کرنے یا گلا گھوٹنے کیلئے درکار عناصر دیکھے جا سکتے ہیں۔ دونوں ماڈلوں کے درمیان تضاد یہ ظاہر کرتا ہے کہ اجتماعات کا ایک سادہ نظریہ——جو یہ برقرار رکھتا ہے کہ اداروں کا مجموعہ میکانکی طور پر جمع کیا جا سکتا ہے جس سے اچانک پرزور انداز سے سلیکون ویلی پیدا ہو جائے گی——ناقص ہے۔۔ مزید یہ کہ ایسا لگتا ہے کہ ٹُخ مین کے الفاظ میں "اعلیٰ مقصد" کیلئے ملک کا داؤ پر لگنا ایک ضروری گوند ہے جو انٹرپرینیورز کی تعمیر اور خطرہ سے کھیلنے کی حوصلہ افزائی میں مدد کرتا ہے۔

باب 14

اقتصادی معجزہ کو درپیش خطرات

ہم مشین کو آگے کرنے کیلئے کم سے کم سلنڈر استعمال کر رہے ہیں۔

اسرائیل کی معیشت ابھی ابتدائی دور میں ہے۔آج سے صرف ایک دہائی پہلے سٹارٹ---اپ کا منظر جو اس قدر مستحکم لگتا ہے،اور انٹرنیٹ معیشت کا قیام جیسے تقریبا"ایک ہی وقت میں پیدا ہوئے ہوں۔اسرائیل کی ٹیک بُوم نہ صرف عارضی عالمی انفارمیشن ٹیکنالوجی میں اچھال کے وقت طلوع ہوئی،بلکہ امریکی ٹیک اسٹاک کے بلبلہ، یوزما کے ذریعے اسرائیل کی وینچر کیپیٹل انڈسٹری کا چھلانگ لگاتا پروگرام،سابق سوویت یونین سے امیگریشن کی بڑی لہر،اور 1993 کا اوسلو امن معاہدہ سمیت آئی جس سے امن اور استحکام کا امکان نظر آرہا تھا۔اسرائیل کا معاشی معجزہ اگر محض واقعات کے نایاب سنگم پر استوار ہوتا اور ناساز گار حالات میں غائب ہو جاتا تو کیا ہوگا؟اسرائیل کی نئی معیشت اگر صرف اتفاقی پیداوار نہ بھی ہو تو اسرائیل کی طویل مدتی اقتصادی کامیابی کو حقیقی خطرات کیا ہیں؟

کسی کو اس کے متعلق قیاس آرائی کی ضرورت نہیں کہ 1990 کی دہائی کے آخر میں اسرائیل کی ٹیک بُوم کو جنم دینے والے مثبت عوامل اگر غائب ہو جائیں تو کیا ہوگا۔ان میں سے اکثر تو غائب ہو بھی گئے ہیں۔

2000 میں ان میں سے اکثر ٹیک---اسٹاک کا بلبلہ پھٹ گیا۔2001 میں اوسلو امن معاہدہ منہدم ہو گیا، کیونکہ اسرائیل کے شہروں میں خودکش بم دھماکوں کی لہر عارضی طور پر سیاحت کی صنعت پر جھاڑو پھیرنے کے ساتھ اقتصادی کساد بازاری کا حصہ بنی۔بڑے پیمانے پر سابق سوویت یونین سے تارکین وطن کا بہاؤ،جس نے ملک کی یہودی آبادی بیس فی صد بڑھادی جو 1990 کی دہائی کے آخر تک جاری رہی۔

یہ منفی پیش رفتیں اتنی ہی تیزی سے اور بیک وقت ہوئیں جیسے ان کی مثبت ہم منصب صرف چند سال پہلے ہوئیں۔ نئے حالات نے پھر بھی اس عروج کو ختم نہیں کیا جو محض پانچ سال پرانا تھا۔1996 سے 2000 تک اسرائیلی ٹیکنالوجی کی برآمدات 5.5 بلین ڈالر سے 13 بلین ڈالر ہو گئیں۔جب ٹیک بلبلا پھٹا تو برآمدات قدرے کم ہو کر 2002 اور 2003 میں 11 بلین ڈالر سے کم پر آگئیں لیکن پھر تقریباً 2008 میں 18.1 بلین ڈالر تک پہنچ گئیں۔اسرائیل کے ٹیکنالوجی انجن کو 2000 اور 2004 کے درمیان،یعنی متعدد صدمات اسے سست نہ کر سکے اور اس کے برعکس برآمدات نہ صرف بحال ہوئیں بلکہ 2000 کے عروج کو تیزی سے 2008 میں تقریباً 40 فیصد تک بڑھادیا۔

وینچر کیپیٹل فنڈنگ میں اسی طرح کا رجحان دیکھا جا سکتا ہے۔2000 میں جب وینچر کیپیٹل کا بلبلا پھٹا تو اسرائیل میں سرمایہ کاری ڈرامائی طور پر گر گئی۔اگلے تین سال میں اسرائیلی معیشت پر بڑھتے ہوئے دباؤ کے باوجود اسرائیل کے عالمی وینچر کیپیٹل کے بہاؤ کا مارکیٹ شیئر 15 سے 30فی صد تک بڑھ گیا۔

اسرائیل کی موجودہ سست روعالمی اقتصادیات میں کارکردگی شائد اتنی اچھی نہیں ہو جو 2000 کے برعکس بین الاقوامی ٹیک اسٹاک اور وینچر کیپیٹل فنڈنگ تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ عالمی بینکنگ نظام میں ڈرامائی طور پر محسوس کی جارہی ہے۔

ایسا کہنے کے بعد بین الاقوامی مالیات کی وبا سے تقریبا ہر ملک کا بینکنگ نظام متاثر ہوًا سوائے دو قابل ذکر ممالک یعنی کینیڈا اور اسرائیل کے، جہاں کسی بینک کو ناکامی کا مونہہ دیکھنا نہ پڑا۔1980 کی دہائی کے اوائل سے اسرائیل میں قیمتوں میں شدید اضافہ اور بینکنگ بحران پیدا ہوًا جس کی انتہا1985 میں سہ فریقی اسرائیلی،امریکی حکومتوں اور آئی ایم ایف کی مداخلت سے سخت پابندیوں کی شکل میں ہوئی۔اسرائیلی مالیاتی ادارے قدامت پسند قرض دینے کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں جو خصوصا ''5اور 1 کی نسبت پر کاربند ہیں۔اس بحران سے قبل امریکی بینکوں میں 26اور 1 اور چند یورپی بینکوں میں دہلانے والی 61اور 1 کی نسبت مستعمل تھی۔اسرائیل میں کوئی سب پرائم مارگیجز نہیں تھیں،اور ثانوی مارگیج مارکیٹ کبھی وقوع پذیر ہی نہ ہوئی۔اسرائیل میں بحران سے پہلے بھی چھوٹے کاروباروں کو اگر کبھی مالی طور پر کمی محسوس ہوئی——تو وہ اور دیگر زیادہ لوگ ٹیکنالوجی سیکٹر کی طرف مائل ہوئے جہاں ٹیکس اور ضابطے زیادہ ہمدردانہ تھے اور وینچر کیپیٹل بھی دستیاب تھا۔

اسرائیلی مالیاتی تجزیہ کار ایتان ایوریل نے کہا، "اسرائیلی بینک گھوڑا گاڑی جیسے تھے اور امریکی بینک ریسنگ کاریں تھیں۔لیکن وہ ریسنگ کاریں بری طرح تباہ ہوئیں جبکہ گھوڑا گاڑیاں زیادہ سست روی کی وجہ سے راستے پر گامزن رہیں۔

اسرائیل کے لیے یہ اچھی خبر ہے۔اسرائیل کی معیشت اس کے باوجود قرض دینے کے غلط طریقوں یا پیچیدہ کریڈٹ پروڈکٹس کے لیے بہت زیادہ ملوث تو نہیں ہوئی، یہ وینچر فنانس میں زیادہ ملوث ہونے سے رسد میں کمی کی وجہ بن سکتی ہے۔وینچر کیپیٹل فرموں میں زیادہ تر پنشن فنڈز،او قاف اور سوورن ویلتھ فنڈز جیسے ادارہ جاتی سرمایہ کار رقم لگاتے ہیں۔یہ سرمایہ کار اپنی مجموعی سرمایہ کاری کے 3 سے 5 فیصد تک متبادل سرمایہ کاری (وینچر کیپیٹل، پرائیویٹ ایکویٹی، ہیج فنڈز) کیلئے مختص رکھتے ہیں۔ان کی عوامی ایکویٹی (اسٹاک مارکیٹ) کی مختص ڈالر کی قیمت جوں ہی سکڑتی ہے وہ---عالمی منڈیوں کی بڑے پیمانے پر تباہی کی وجہ سے——متبادل سرمایہ کاری کیلئے دستیاب رقم کی

مطلق ڈالر کی قدر کو سکیڑ دیتی ہے۔ پائی مجموعا'' چھوٹی کر دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے وینچر کیپیٹل سرمایہ کاری کے لیے دستیاب فنڈز کم ہو گئے۔

اسرائیل کی معیشت کے لیے وینچر کیپیٹل ڈالر کی کم فراہمی کا مطلب "جدت کیلئے کم فنانس" ہو سکتا ہے۔ اسرائیل کے ٹیکنالوجی کے اداروں میں ہزاروں کارکنان پہلے ہی ملازمتیں کھو چکے ہیں، اور کمپنیوں نے ملازمین کو مزید برطرفی سے بچانے کے لیے ہفتے میں چار دن کی شفٹ کر دی۔۔ نئ فنانسنگ کی عدم موجودگی میں بہت سے اسرائیلی اسٹارٹ---اپس کو مجبور'' بند ہونا پڑا۔

عالمی وینچر کیپیٹل پر بہت زیادہ انحصار کے علاوہ اسرائیلی کمپنیاں برآمدی منڈیوں پر بھی زیادہ انحصار کرتی ہیں۔ اسرائیل کی جی ڈی پی کا نصف سے زیادہ یورپ، شمالی امریکہ اور ایشیا کو برآمدات سے آتا ہے۔ ان معیشتوں کا سست روی کا شکار ہو جانے یا گرنے پر اسرائیلی سٹارٹ---اپ کے صارفین بھی کم جاتے ہیں۔ عربوں کے بائیکاٹ کی وجہ سے اسرائیل کی اکثر علاقائی منڈیوں تک رسائی نہیں ہے۔ مقامی مارکیٹ بطور متبادل بہت چھوٹی ہے۔

اسرائیلی کمپنیوں کے لیے باہر نکل کر بات چیت کرنا بھی مشکل ہو جائے گا— جیسی گون امیجنگ کے IPO کا NASDAQ پر ہونا، یا فراڈ سائنسز کی پے-- پال کو فروخت، اکثر ایسے ذرائع ہیں جن کے بذریعہ اسرائیلی انٹرپرینیروز اور سرمایہ کار بالآخر پیسے کماتے ہیں۔ عالمی سست روی آئی پی اوز اور فرموں کے حصول میں کمی کے ساتھ واقع ہو گی۔

علاقائی سلامتی کی مسلسل بگڑتی صورتحال اسرائیل کی اقتصادی کامیابی کیلئے خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔ 2006 میں اور 2008 سے 2009 کے گرد اسرائیل نے دو ایرانی مالی امداد اور تربیت یافتہ گروہوں کے خلاف جنگیں لڑیں۔ ان جنگوں سے اسرائیلی معیشت بہت کم متاثر ہوئی اور اسرائیلی کمپنیاں چھوٹے بڑے سیکورٹی خطرات سے قطع نظر، صارفین اور سرمایہ کاروں سے وعدے نبھانے کی ماہر بن گئیں۔ ایرانی خطرہ اسرائیلی تصور سے یکسر مختلف ہو سکتا ہے۔

ایران کے متعلق بین الاقوامی ریگولیٹری اداروں اور اخباری تنظیمی خبروں کے ذریعہ وسیع پیمانے پر رپورٹ کیا جاتا ہے کہ وہ جوہری صلاحیت کے حصول کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ ایرانی حکومت کے جوہری ہتھیار بنانے کے پروگرام پر عمل پیرا ہونے کی بنا پر تمام عرب دنیا میں جوہری ہتھیاروں کی دوڑ شروع ہو سکتی ہے۔ اس سے خطے میں غیر ملکی سرمایہ کاری منجمد ہو سکتی ہے۔

بین الاقوامی توجہ کا مرکز اسرائیل پر ایرانی ممکنہ ایٹمی میزائل حملہ کا خطرہ تو ہے لیکن اسرائیلی سیاسی اور سیکورٹی قیادت خطے پر ایرانی جوہری صلاحیت کے اثرات کے خلاف خبر دار کر رہی ہے خواہ وہ کبھی براہ راست استعمال نہ بھی کرے۔ وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو نے ہمیں بتایا، "پہلا ایرانی مقصد باصلاحیت ترین اسرائیلی شہریوں کو خوفزدہ کر کے ملک چھوڑنے پر آمادہ کرنا ہے۔

صاف ظاہر ہے اگر کسی طرح ایرانی خطرے کا ازالہ نہ کیا گیا تو اسرائیلی معیشت متاثر ہو سکتی ہے۔ اسرائیل میں اب تک ایسے خطرات یا ان کے امکانات کے باوجود غیر ملکی کمپنیوں اور وینچر فنڈز کی مزید سرمایہ کاری میں کمی نہیں ہوئی۔

معیشت کو جب فی الواقعی لاحق خطرات کی بات آتی ہے تو بحث اسرائیل کے اندر گھریلو عوامل پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے۔ شاید اس لیے کہ اسرائیل نے خود کو ماضی میں اپنی معیشت کو لاحق سیکورٹی خطرات کے خلاف حفاظتی ٹیکہ لگا رکھا ہے یا شاید یہ امکان کہ جوہری حملے کے خطرے کی سنگینی لائق التفات نہیں ہے۔ تل ابیب یونیورسٹی کا ماہر معاشیات ڈین بین ڈیوڈ کو اسرائیلی یونیورسٹیوں شعبی جات سے "برین ڈرین" کا خطرہ ہے۔

اسرائیل یقینا،، بین الاقوامی تعلیمی برادری میں ایک رہنما ہے۔ اے سائنٹسٹ میگزین کے عالمی 2008 کے سروے کے مطابق، امریکہ سے باہر دو اسرائیلی اداروں، ویزمین انسٹی ٹیوٹ اور ہیبریو یونیورسٹی آف یروشلم کو "اکیڈمی قسم کا کام کرنے کے لیے دو بہترین جگہیں مانا گیا ہے"۔ ماہر اقتصادیات ڈین بین ڈیوڈ نے ہمیں دو فرانسیسی ماہرین تعلیم کی تحقیق کی طرف توجہ دلائی جو انہوں نے 1971 اور 2000 کے درمیان امریکہ سے باہر دیگر ممالک کے اعلٰے ترین معاشی جرائد کی اشاعتی درجہ بندی کے مطابق، برطانیہ کے لندن سکول آف اکنامکس، آکسفورڈ اور کیمبرج سمیت دوسرے نمبر پر جس کے مقابلتا،، جرمنی کے فی فیکلٹی ممبروں کی اشاعتیں نصف سے بھی کم تھیں جب کہ ہماری اپنی انجمن میں،، بین ڈیوڈ نے ہمارے پاس ڈینگ ماری، کہ اسرائیل "پانچ یا دس فیصد زیادہ نہیں، سات گنا زیادہ،، پہلے نمبر پر تھا۔ اسرائیلی ماہرین اقتصادیات جتنے اچھے ہیں، ہمارے کمپیوٹر سائنس دان بظاہر اپنے فیلڈ کے حوالے سے ان سے بھی بہتر ہیں۔ حال ہی میں ہمارے معاشیات میں دو اور کیمسٹری میں ایک یا دو نوبل انعامات جیتنے والے ہیں۔"

لیکن اس ہمہ تر کامیابی کے باوجود بین ڈیوڈ پریشان ہے۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اسرائیل کی حالیہ برسوں میں تعلیمی برتری کم ہوئی ہے اور پرانے ممبران کے ریٹائر ہونے اور بہت سے ابھرتے ہوئے ستاروں کا بیرون ملک پڑھانے کیلئے چلے جانے پر مزید گرے گی۔ بین ڈیوڈ نے اپنے شعبہ، اکنامکس کی ایک تحقیق کی طرف اشارہ کیا جس میں دنیا

کے ایک ہزار ماہرین اقتصادیات کے کام کے حوالے سے کہا کہ 1990 اور 2000 کے درمیان ان میں سے پچیس اسرائیلی تھے جن میں سے تیرہ اسرائیل میں مقیم تھے؛اس تحقیق کی اشاعت کے بعد اسرائیل میں ان میں سے صرف چار کل وقتی یہاں رہ رہے ہیں اور بیرون ملک کام کرنے والے بارہ اسرائیلیوں میں سے کوئی بھی اسرائیل واپس نہیں آیا۔ 2000 میں ایک اندازے کے مطابق مجموعا" تین ہزار مستقل اسرائیلی پروفیسر زبیرون ملک یونیورسٹیوں میں منتقل ہو گئے ہیں۔

بین ڈیوڈان چار اعلیٰ ترین اقتصادی ماہرین میں سے ایک ہے جو اسرائیل میں رہ رہا ہے۔اس نے اسرائیل کی جاری اقتصادی ترقی پر خطرے کی گھنٹی بجادی ہے۔ 2005 سے 2008 تک،اسرائیل نے ترقی یافتہ ممالک کے مقابلتا" کافی تیزی سے ترقی کی۔ بین ڈیوڈ نے دلیل دی کہ پچھلے چند سال کساد بازی رہی، "ہم سب نے فقط یہ کیا کہ طویل مدتی راستہ اختیار کیا۔ ہم نامعلوم علاقے میں نہیں ہیں؛ اگر کساد بازاری نہ ہوتی تو ہم وہیں ہیں جہاں ہمیں ہونا چاہئے تھا۔

بین ڈیوڈ کے مطابق مسئلہ یہ ہے کہ جب ٹیک سیکٹر آگے بڑھ کر زیادہ پیداواری بن رہا تھا تب باقی معیشت اس کا ساتھ نہ دے سکی۔اس کے مطابق، "یہ ایک انجن کی طرح ہے، "آپ کے انجن میں تمام سلنڈر ہیں۔ آپ کے پاس ملک کی تمام آبادی ہے لیکن ہم اس مشین کو آگے بڑھانے کے لیے کم ہوتے سلنڈر استعمال کر رہے ہیں۔اس کا نچوڑ یہی ہے کہ ٹیک سیکٹر ملک کے باقی حصوں کی مالی اعانت کر رہا ہے ہمارے پاس چونکہ جدید معیشت میں کام کرنے کیلئے مطلوبہ "آلات وحالات میسر نہیں ہیں۔"

یہ کم استعمال، معیشت میں کم شرکت، ہم انہیں اسرائیل کی مسلسل اقتصادی ترقی کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔: امریکہ کی 65 فی صد شرح کے مقابلتا" اسرائیل کی نصف سے تھوڑی سی زیادہ پیداواری افرادی قوت معیشت میں حصہ ڈالتی ہے۔ کم اسرائیلی افرادی قوت کی شرکت کی شرح بنیادی طور پر دو اقلیتی برادریوں سے منسوب ہے: حاریڈِیم، یعنی الٹرا آرتھوڈوکس یہودی، اور اسرائیلی عرب۔

مرکزی دھارے میں شامل اسرائیلی یہودی شہری جن کی عمریں پچیس سے چونسٹھ سال کے درمیان ہیں، ایک معیار سے 84 فیصد مرد اور 75 فیصد خواتین ملازم ہیں۔ عرب خواتین اور حاریڈی مردوں میں یہ فی صد تقریباً الٹ ہیں: 79 فیصد اور 73 فیصد بالترتیب ملازم نہیں ہیں۔

الٹرا آرتھوڈوکس یعنی حاریڈیم فوج میں عموما" خدمات انجام نہیں دیتے۔ فوجی سروس سے استثنیٰ حاصل کرنے کے لیے درحقیقت، حاریڈیمیوں کو دکھانا پڑتا ہے کہ وہ یہودی مدارس (یشیوٹ) میں کل وقتی تعلیم میں مصروف

ہیں۔ڈیوڈ بین گوریون نے اسرائیل کے قیام کے وقت یہ انتظام ہاریڈی سیاسی حمایت حاصل کرنے کیلئے کیا تھا۔ "یشیوا استثنیٰ" جب پہلے لاگو ہوا تب صرف چار سو طاباء تھے،اس کے بعد سے فوج کے بجائے یشیوا جانے والوں کی تعداد دسیوں ہزار تک پہنچ چکی ہے۔

اس کا نتیجہ معیشت کے لیے تین گنا نقصان دہ ہے۔حاریڈیم فوجی تجربے کی کمی کی وجہ سے سماجی طور پر افرادی قوت سے الگ ہیں۔انہیں فوجی چھوٹ چاہئے کی بنا پر کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تعلیم حاصل کرتے رہنا ہے---نوجوان بالغ ہونے کے ناطے انہیں نہ تو نجی شعبہ اور نہ ہی فوجی (کاروباری) تجربہ حاصل ہوتا ہے؛اس لئے ہاریڈی معاشرہ تیزی سے بقاکے لیے حکومت کی فلاح و بہبود کی ادائیگیوں پر انحصار کراتا ہے۔

اسرائیلی عربوں کی معیشت میں شرکت کی شرح کم ہونے کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔وہ ہاریڈیوں کے مانند فوج میں جبری بھری نہیں کئے جاتے،اس لئے آئی ڈی ایف میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے ان میں کاروباری اور اصلاحی مہارتوں کے امکانات کم ہیں۔دوسرا،وہ ویسا کاروباری نیٹ ورک بھی تیار نہیں کرتے جو نوجوان اسرائیلی یہودی فوج میں خدمات انجام دیتے ہوئے تعمیر کرتے ہیں،یہ ایک تفاوت ہے جس نے ملک کے درمیان پہلے سے ہی یہودی اور عرب کمیونٹیز میں دیرینہ ثقافتی تقسیم کو بڑھایا ہے۔

ہزاروں عرب طلباء اسرائیلی ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ اسکولوں سے ہر سال فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ سنٹر فار جیوش عرب اکنامک ڈویلپمنٹ کے ڈائریکٹران،ہیلمی کٹانی اور رہنوچ مارماری کے مطابق،"صرف چند طلباء ایسی ملازمتیں تلاش کر پاتے ہیں جو ان کی تربیت اور مہارت کی عکاس ہوں۔اسرائیلی عرب گریجویٹس کو ایک اہم وسیلہ سے لیس کرنے کی ضرورت ہے جو حکومت فراہم نہیں کرسکتی: صحیح جگہوں پر دوستوں کا نیٹ ورک۔"ان ذاتی رابطوں کے بغیر اسرائیلی یہودیوں کا اسرائیلی عربوں پر عدم اعتماد کے غلبے کا امکان زیادہ ہے۔

اسرائیلی عرب کمیونٹی کے اندر اس کے کام کی جگہ پر خواتین کے خلاف ایک اور مسئلہ تعصب ہے۔.اسرائیلی عرب تنظیم نے 2008 میں تشدد کے خلاف خواتین کی ایک تحقیق میں یہ انکشاف ہوا کہ مقامی عربوں میں غالبا''رائے عامہ آہستہ آہستہ بدل رہی ہے، لیکن روایتی رویوں کی گرفت اب بھی نہائت سخت ہے۔ایک سروے میں،"پرانے رویوں کی مخالفت کرنے والے شرکاء نے اس بیان سے اتفاق کیا کہ "عرب معاشرہ بنیادی طور پر پدرانہ ہے جہاں مردوں کو فیصلہ کرنے کے مختار اور عورتوں کو مثالی طور پر کمتر رعایا تصور کیا جاتا ہے۔..۔ایک آدمی اگر اپنی ساتھی سے مروج اصول کے خلاف سلوک کرے تو اس کی سماجی حیثیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

اس بظاہر تضاد کے باوجود ویمن اگینسٹ وائلنس کی ڈائریکٹر ایڈا توما سلیمان نے کہا کہ وہ تبدیلی کی خاطر مردوں کو شراکت دار کے طور پر دیکھتی ہے جس میں گھر سے باہر کام کرنے والی خواتین کو قبول کرنے کا نیا پہلو شامل ہے۔ "یہاں ایسے عرب مرد ہیں جو طاقت کے اس توازن سے ناخوش ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ جنسوں میں آپس کے تعلقات کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ وہ اسے اپنے مفاد میں اتنا ہی دیکھتے ہیں جتنا کسی دوسرے کیلئے۔"

حاریڈی اور عرب دونوں برادریوں میں شرح پیدائش زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کی نفری کو شعبوں میں شامل کرکے بڑھانے کی کوششیں وقت کے برعکس دوڑ رہی ہیں۔ 2028 کے اسرائیل میں بلیوربن کمیشن کی رپورٹ کے مطابق حاریڈی اور عرب آبادی میں 2007 میں اسرائیل کی کل آبادی کے 29 فیصد سے 2028 تک 39 فیصد اضافہ متوقع ہے۔ افرادی قوت میں ڈرامائی تبدیلیوں کے بغیر یہ اضافے کام کرنے والوں کی شرکت کی شرحوں کو مزید کم کردے گی۔ "رپورٹ متنبہ کررہی ہے کہ موجودہ رجحانات مطلوبہ ترقی کی بالکل مخالفت میں کام کررہے ہیں۔

بی بی نیتن یاہو جب وزارت عظمیٰ میں واپسی کی مہم چلا رہا تھا تو اس کے ایجنڈے کے مرکزی نکتہ میں اسرائیل کو دنیا کی دس سب سے بڑی (فی کس) معیشتوں میں شامل کرنا تھا۔ ایک آزاد تھنک ٹینک، ریوت انسٹی ٹیوٹ بھی ایسی ہی، بنام اسرائیل 15، مہم چلا رہا ہے۔Gidi Grinstein ریوت کا بانی صدر، سابق وزیراعظم اور موجودہ وزیر دفاع ایہود باراک کا مشیر تھا جو نیتن یاہو کا سیاسی حریف تھا۔ گرنسٹین نیتن یاہو سے متفق ہے کہ اسرائیل کا مقصد صرف ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ قدم بقدم چلنے کے بجائے اسے سرفہرست ممالک کی فی کس جی ڈی پی پیمائش کے مطابق ہونا چاہئے۔

گرنسٹین کی نظر میں "یہ چیلنج کوئی عیش و عشرت جیسی شے نہیں بلکہ ایک اشد ضرورت ہے۔" اسرائیل کو ایک دہائی تک کم از کم 4 فیصد فی کس ترقی کرنی چاہیے؛ اسرائیل اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کے درمیان معیار زندگی میں موجودہ فرق خطرناک ہے۔ وہ کہتا ہے، "ہمارا کاروباری شعبہ دنیا کے بہترین شعبوں میں سے ہے اور ہماری آبادی ہنر اور تعلیم سے مالا مال ہے۔ اسرائیل میں معیارِ زندگی اور عوامی خدمات کا معیار پست ہے اور بہت سے لوگ ہجرت کرجانے کو اپنی بہتری کیلئے غنیمت سمجھتے ہیں۔

"اسے شائد بڑھا چڑھا کر پیش کیا جارہا ہو کیونکہ حال ہی میں اسرائیلی تارکین وطن امریکہ اور دیگر ممالک سے بڑی تعداد میں واپس آرہے ہیں۔ ایسے واپس آنے والوں کے لیے جزوی طور پر غیر ملکی آمدنی پر دس سالہ ٹیکس کی چھوٹ ہو۔ آمدنی کے علاوہ یقیناً دیگر عوامل بھی "معیار زندگی" کے فیصلوں میں داخل ہوتے ہیں۔

یہ نکتہ نہائت اہم ہے کہ اسرائیل اپنی معیشت کو تیزی سے بڑھا سکتا ہے جو اسے کرنا چاہیے۔اسرائیل کو درپیش تمام خطرات اور چیلنجوں میں سے معیشت کی ترقی برقرار رکھنے میں ناکامی شاید سب سے بڑی ہے کیونکہ اس میں سیاسی رکاوٹوں پر قابو پانا اور نظر انداز مسائل پر توجہ دینا شامل ہیں۔اسرائیل میں ایک نایاب، شاید منفرد ثقافتی اور ادارہ جاتی بنیاد ہے جو جدت اور اینٹرپرینیورشپ کو فروغ مہیا کرتی ہے؛اسرائیلی معاشرے میں ان اثاثوں کو مزید وسعت دینے اور پھیلانے کیلئے اصلاحات کی کمی ہے۔اسرائیل کے لیے خوش قسمتی سے سنگاپور جیسے ممالک کی طرح ثقافت کو تبدیل کرنے کے بجائے پالیسیاں تبدیل کرنا شاید آسان ہے۔نیویارک ٹائمز کے تھامس فریڈ مین نے جیسے کہا، "میں اسرائیل کے مسائل لینا پسند کروں گا جو زیادہ تر مالی، زیادہ تر حکومتی اختیار اور زیادہ تر انفراسٹرکچر سے متعلقہ ہیں میں، بجائے سنگاپور کے جس کے مسائل جو سنگاپور کی ثقافت سے جڑے ہوئے ہیں۔

نتیجہ

ہائی ٹیک کے کسان----

سب سے زیادہ جرات مند ہونے کا مطلب نہاں خطرے سے باخبر رہنا ہے--

شیمون پیریز

ہم ایوان صدر سے ملحقہ چھوٹے کمرے میں منتظر تھے اور ہمیں علم نہیں تھا کہ ہم صدر شمعون پیریز کے ساتھ کتنا وقت گزاریں گے۔ پیریز پچاسی کی عمر میں بھی بانی نسل کا آخری رکن، اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ پیریز نے ڈیوڈ بین گوریون کے ساتھ پچیس سال کی عمر میں بطور قریبی معاون کیریئر کا آغاز کیا اور اس نے تقریباً ہر وزارتی عہدے پر بشمول بطور دو مرتبہ وزیر اعظم خدمات انجام دیں۔اسی دوران امن کا نوبل انعام بھی حاصل کیا۔

وہ بیرون ملک مشہور ترین اسرائیلیوں میں سے ہے لیکن اس کی شہرت اندرون ملک زیادہ متنازعہ ہے. پیریز بنیادی طور 1993 اوسلو معاہدوں کا باپ سمجھا جاتا ہے جو وائٹ ہاؤس کے لان میں بل کلنٹن کی موجودگی میں، یزاک رابن اور یاسر عرفات کے درمیان مصافحہ کے ساتھ طے پائے تھے جو بہت سے اسرائیلیوں کے لیے جھوٹی امیدوں، دہشت گردی اور جنگ کی علامت بن گیا تھا۔

اسرائیل کی سفارت کاری پر پیریز کے اثرات پر مبالغہ آرائی کرنا مشکل ہے لیکن یہ وہ بات نہیں ہم جس کے متعلق بنیادی طور پر دلچسپی رکھتے تھے۔ کم معروف، لیکن اہمیت میں کم اہم نہیں، صنعتوں کا بانی، اس کا کردار بہت خرید

وفروخت کرنے والے منفرد قسم کے انٹرپرینیور جیسا تھا۔اس نے زندگی کا ایک دن بھی کاروبار میں نہیں گزارا۔اس نے ہمیں بتایا کہ میں اور بین گوریون دراصل معاشیات کے متعلق کچھ نہ جانتے تھے۔پیریز کا حکومت کے متعلق نکتہ نظر انٹرپرینیور آغاز کرنے والے اسٹارٹ۔۔۔اپس جیسا رہا ہے۔

پیریز ریاست کے قیام سے پہلے ایک کبٹز میں پلا بڑھا۔یہ صرف اسرائیلی ایجاد کا سماجی اور اقتصادی اختراعی ڈھانچہ ہی نہیں تھا؛اس کے خوردونوش کے ذرائع بھی جدت کی نمائندگی کے مظاہر تھے۔پیریز نے بین گوریون اور دنیا کی یادگاروں سے گھرے، قطار میں لگی کتب کے دفتر میں بیٹھتے ہی اس بات کی جلدی سے نشاندہی کی،"زراعت صنعت کی نسبت زیادہ انقلابی ہے،پیریز نے ہمیں بتایا،"اسرائیل نے پچیس سال میں زرعی پیداوار میں سترہ گنا اضافہ کیا۔یہ کس قدر حیرت انگیز ہے،"لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہے کہ زراعت پچانوے فیصد سائنس اور صرف پانچ فیصد محنت"ہے۔

ایسا لگتا تھا کہ اس نے اسرائیلیوں کی ایسی سوچ سے بہت پہلے خود اس نہج پر سوچا کہ اسے ہر جگہ ٹیکنالوجی نظر آتی تھی،اور یہ ایک وجہ بن سکتی ہے کہ گوریون نے پیریز کی بھرپور حمایت کی؛اس نے ہمیں بتایا"بوڑھا آدمی" ٹیکنالوجی کا گرویدہ ہوگیا۔بین گوریون کا خیال تھا کہ مستقبل سائنس ہے۔وہ ہمیشہ کہتا تھا کہ فوج کو آج کے مطابق ہونا کافی نہیں ہے۔آپ کو کل کے مطابق ہونا پڑے گا،"پیریز نے یاد کیا۔

بین گوریون اور پیریز ایک تکنیکی ٹیگ ٹیم بن گئے۔پیریز اور امریکی جانباز الشوِمرؔ نے 1951 میں آرکٹک پر پرواز کے دوران ایروناٹکس صنعت کا خواب دیکھنا شروع کیا۔وہ جب واپس اسرائیل پہنچے تو انہیں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔وزراء نے پیریز کو بتایا،"ہم تو سائیکلیں بھی نہیں بنا سکتے"،ان دنوں ایک نوزائیدہ سائیکل انڈسٹری واقعی ناکام ہو رہی تھی،ملک میں پناہ گزینوں کے سیلاب آنے کا سلسلہ جاری تھا اور بنیادی اشیائے خوردونوش اب بھی راشن پر تھیں۔بین گوریون کی حمایت سے پیریز غالب آسکا۔

پیریز کا بعد میں جوہری صنعت شروع کرنے کا مشورہ بھی اسی طرح تج دیا گیا۔اسرائیلی سائنس دانوں نے بھی اسے بہت زیادہ امنگ بھرا پایا۔فنانس وزیر کا خیال تھا کہ اسرائیلی معیشت کو ٹیکسٹائل کی برآمدات پر توجہ دینی چاہیے۔ "اچھا ہوا کہ آپ میرے پاس آئے۔میں یقینی بناؤں گا کہ آپ کو ایک پیسہ بھی نہ ملے۔"بین گوریون اور پیریز نے قواعد کو نظرانداز کرتے ہوئے کسی نہ کسی طرح اس منصوبے کے لیے بجٹ سے باہر فنڈز جمع کئے اور پیریز نے مستند سائنسدانوں کے بجائے ٹیکنین کے طلباء سے رجوع کیا،اس نے انہی میں سے چند ایک کو تربیت کیلئے فرانس بھیجا۔

اس کا نتیجہ ڈیمونا کے قریب جوہری ری ایکٹر تھا جو 1960 کی دہائی کے اوائل سے بغیر کسی حادثے کے کام کر رہا ہے نیز جس نے اسرائیل کو ایٹمی طاقت بنا دیا۔ اسرائیل 2005 سے بہت بڑی تعداد میں جوہری پیٹنٹ بنانے والا دنیا کا دسواں ملک تھا۔

پیریز وہیں رکا نہیں۔ اس نے بحیثیت نائب وزیر دفاع، فوجی قیادت کو حیران کرتے ہوئے رقم آر اینڈ ڈی ڈیفنس میں جھونک دی جو بظاہر شاید ہتھیاروں، تربیت، اور افرادی قوت کی دائمی قلت کے متعلق زیادہ فکر مند تھا۔

آج اسرائیل تحقیق اور ترقی کیلئے بلحاظ جی ڈی پی فیصد دنیا میں سب سے آگے ہے جو قومی سیکورٹی اور سویلین ٹیک سیکٹر کے لیے نہائت اہم تکنیکی برتری حاصل کئے ہوئے ہے اور معیشت کا مرکزی انجن ہے۔ کلیدی نکتہ یہ ہے کہ وہ طریقہ جو پیریز نے انٹرپرینوریل قوم کی تعمیر کی شکل میں دیا وہی انٹرپرینیورشپ قومی حالت میں تبدیل ہو گئی۔

یہ تبدیلی آسان، منصوبہ بند یا پیشین گوئی کی بنیاد پر نہیں تھی۔ یہ اسرائیلیوں کی مرضی کے بعد ظہور پذیر ہوُا--- بانیوں کے دور میں اعلی ترقی اور موجودہ دور کی ہائی ٹیک کے درمیان کم ترقی اور افراط زر کی ایک "گمشدہ دہائی" بھی تھی۔ لیکن ایسا ہی ہوُا، اور ایک رشتہ ہے جو بانیوں کے دلدلیں خالی کرنے اور سنتگرے پیدا کرنے کے وقت سے آج کے سٹارٹ۔۔۔ اپس اور چپ ڈیزائنرز کے دور میں سے گذرتا ہے۔

آج کے انٹرپرینیورز اس رشتے کے تناؤ کو محسوس کرتے ہیں۔ بانیوں کا ماحول سوشلسٹ تھا اور منافع پر چیں بجبیں ہوتے تھے، اب " نفع حاصل کرنے کا ایک جائز طریقہ ہے آپ نے چونکہ کچھ ایجاد کر کے حاصل کیا ہے۔''

اسرائیل کا ایک بلند پایہ انٹرپرینیور، ایرل مارگلیت کہتا ہے، "آپ صرف سامان کی تجارت نہیں کر رہے یا آپ صرف مالیات کے بندے نہیں ہیں، آپ انسانیت کے لیے کچھ کر رہے ہیں۔ آپ ایک نئ دوا ایک نئ چِپ ایجاد کر رہے ہیں یا آپ ایک اعلیٰ ٹیکنالوجی کے کسان کی مانند ہیں۔ آپ عام سے کپڑے پہنے آرمی یونٹ کے دوستوں کے ساتھ ہیں۔ آپ زندگی کے ایک عام سے طریقہ سے بات کرتے ہیں، ضروری نہیں کہ آپ کتنا کماتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ اس کے متعلق بھی ہے۔ "مارگالیت کی نظر میں اکیسویں صدی میں وطن واپس جانے کا مطلب جدت اور ٹیکنالوجی ہیں۔ وہ کہتا ہے، "نئ علمبردار صیہونی بیانیہ چیزیں تخلیق کرنے کے متعلق ہے۔"

موجودہ اسرائیلی مرکب کو در حقیقت جو چیز اتنا طاقتور بناتی ہے وہ بانیوں کی حب الوطنی، ولولہ، قلت اور مشکلات کا مستقل احساس، تجسس اور بے چینی ہیں جن کی جڑیں اسرائیل میں گہری ہیں۔ پیریز نے یہودی اور اسرائیلی حالت، دونوں کے متعلق بات کرتے ہوئے وضاحت کی، "تاریخ میں یہودیوں کی سب سے بڑی شراکت عدم اطمینان ہے جو سیاست کے لیے ناقص لیکن سائنس کے لیے اچھی ہے۔

آپ ہر وقت بدلتے رہنا چاہتے ہیں۔" پیریز نے ہم سے جو کچھ کہا ہمیں ہر IDF افسر کو انٹرویو کرتے وقت تقریباً اسی کی گونج سنائی دی۔ پیریز نے کہا، "ہر وہ ٹیکنالوجی جو امریکہ سے اسرائیل پہنچتی ہے، فوج کے پاس آتی ہے اور وہ اسے پانچ منٹ میں بدل دیتے ہیں۔" IDF کے باہر بھی یہی کچھ ہوتا ہے—— بہتر بنانے، ایجاد کرنے اور چیلنج کرنے کی ناقابل تسکین حاجت۔

اس موضوع کا پتہ اسرائیلی قیام کے جدید ریاست کے بانیوں کے تصور سے لگایا جا سکتا ہے—— یا قومی انٹرپرینیورز —— تعمیر کر رہے تھے جسے تاریخ کی پہلی "اسٹارٹ۔۔۔اپ قوم" کہا جا سکتا ہے۔

بہت سی دوسری قومیں بھی آغاز سے رخصت ہوتی نوآبادیاتی طاقت کی نوک قلم سے بنیں ہیں۔ پڑوسی اردن، مثلاً" 1921 میں ونسٹن چرچل کے ذریعہ وجود میں آیا جس نے ہاشمی قبیلے کو بادشاہت سونپنے کا فیصلہ کیا۔
امریکہ جیسے دیگر ممالک حقیقی معنوں میں قومی اتحاد کے بجائے انٹرپرینیوریل یا انقلابی عمل کی پیداوار تھے جو صدیوں میں آہستہ آہستہ اکٹھا ہوا تھا، جیسے انگلینڈ، فرانس اور جرمنی۔ ان میں سے کوئی بھی شروع سے ایک قدیم قومی ریاست کا جدید تناسخ تعمیر کرنے کی اتنی شعوری کوشش کا نتیجہ نہیں تھا۔
چند جدید ممالک بلاشبہ اپنے ورثے کی نشان دہی قدیم سلطنتوں تک کر سکتے ہیں: رومیوں کے لیے اٹلی، یونانیوں کے لیے یونان، چین اور انڈیا کیلئے وہ لوگ جو ان علاقوں میں ہزاروں سال سے آباد تھے۔ تمام دیگر معاملات میں یا تو مکمل طور پر اپنا کنٹرول کھوئے بغیر قدیم نسلوں سے جدید تک اصل مشترکات سے ایک اٹوٹ سلسلہ جاری رہا؛ اس کا علاقہ یا قدیم لوگ صرف غائب ہو گئے، جن کا کبھی نہیں سنا جائے گا۔ صرف اسرائیل کے بانیوں میں یہ جرات تھی کہ وہ اس خطے میں ایک جدید اول نمبر --- ملک شروع کرنے کی کوشش کریں۔ دنیا کا وہ ملک جہاں سے دو ہزار سال قبل ان کے آباؤاجداد کو جلاوطن کیا گیا تھا۔
اس کتاب کے مرکزی سوال کا جواب کیا ہے: اسرائیل کو کون سے عنصر نے اتنا جدید اور انٹرپرینوریل بنایا؟ سب سے واضح وضاحت ہارورڈ کے پروفیسر مائیکل پورٹر کے اعلیٰ اقدار کے اجتماع کی بنا پر ہے جس کا مظہر سلیکون ویلی ہے اور دبئی نے بھی ویسا ہی اجتماع بنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ عظیم یونیورسٹیوں، بڑی کمپنیوں، اسٹارٹ۔۔۔اپس اور ایک پیچیدہ نظام کی قربت پر مشتمل ہے جو انہیں آپس میں منسلک کرتا ہے—— بشمول ہر چیز مہیا کرنے والے، انجینیئرنگ میں فطری استعداد والوں کا گروہ اور وینچر کیپیٹل۔ اجتماع کے بیرونی طور پر ظاہر حصہ میں فوج کے R&D فنڈز مہیا کرنے کا کردار ہے جو اسے جدید اور اعلیٰ ترین تکنیکی نظاموں اور معقول سرمایہ کاری، یعنی ٹیکنالوجیز اور انسانی وسائل کے ذریعے حاصل فوائد قومی معیشت میں پھیل جاتے ہیں۔

اسرائیل کی کامیابی کی یہ بیرونی تہہ مکمل وضاحت نہیں کرتی۔ سنگاپور میں ایک مضبوط تعلیمی نظام ہے۔ کوریا میں بھی جبری بھرتی ہے اور اسے بڑے پیمانے پر اپنی سلامتی کا خطرہ درپیش ہے۔ فن لینڈ، سویڈن، ڈنمارک اور آئرلینڈ بہترین جدید ٹیکنالوجی اور بنیادی ڈھانچہ کے نسبتاً چھوٹے ممالک ہیں؛ انہوں نے بہت سے پیٹنٹ تیار کر کے متاثر کن معاشی ترقی کی۔ ان میں سے چند ممالک نے اسرائیل کے مقابلتاً'' زیادہ تیزی سے ترقی کی اور اعلیٰ معیار زندگی سے لطف اندوز ہوئے لیکن ان میں سے کسی نے بھی اتنی تعداد کے قریب اسٹارٹ۔۔۔اپس پیدا نہیں کئے اور نہ ہی بلند اعلیٰ سطح پر وینچر کیپیٹل سرمایہ کاری کو راغب کیا۔

اینٹی وِلپونین فن لینڈ کی ایک کاروباری شخصیت ہے جس نے آرکٹک اسٹارٹ--اپ نامی تحریک سے "اسٹارٹ۔۔۔اپ" کی بنیاد رکھنے میں مدد کی۔ فن لینڈ، نوکیا سیل فون بنانے والی کمپنی، دنیا کی عظیم ٹیکنالوجی کمپنیوں کا گھر ہے۔ اسرائیلی اکثر فن لینڈ پر نظر ڈال کر خود سے پوچھتے ہیں، "ہمارا نوکیا کہاں ہے؟" وہ جاننا چاہتے ہیں کہ اسرائیل نے کیوں نوکیا جیسی بڑی اور کامیاب ٹیکنالوجی کمپنی نہیں بنائی۔ ہم نے جب وِلپونین سے فن لینڈ میں اسٹارٹ۔۔۔اپ منظر کے متعلق پوچھا تو اس نے افسوس کا اظہار کیا، "فنّی بہت سے ٹکنالوجی پیٹنٹ تیار کرتے ہیں لیکن ہم ان سے اسٹارٹ۔۔۔اپس کی شکل میں فائدہ اٹھانے سے ناکام رہے ہیں۔ فن لینڈ میں ایک اسٹارٹ۔۔۔اپ میں ابتدائی سرمایہ کاری تقریباً تین لاکھ یورو ہے جو اسرائیل سے تقریباً دس گنا زیادہ ہے۔ اسرائیل فن لینڈ کے مقابلتاً'' دس گنا زیادہ سٹارٹ۔۔۔اپس پیدا کرتا ہے اور ان اسٹارٹ۔۔۔اپس کے کاروبار مختصر اور تیز تر ہوتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم بہت زیادہ ترقی دیکھیں گے، لیکن ہم اب تک اسٹارٹ۔۔۔اپ کلچر کو فروغ دینے میں اسرائیل اور امریکہ سے بہت پیچھے ہیں۔

اسرائیلیوں کو زیادہ اسٹارٹ۔۔۔اپس کے کاروباروں کے بہت بدلتے رہنے پر تشویش ہے لیکن وِلپونن انہیں ایک اثاثہ سمجھتا ہے. یہ واضح ہے کہ اسرائیل کے پاس ایسا کچھ ہے جسے دوسرے ممالک تلاش کرتے ہیں، وہ ممالک بھی جو عالمی سطح پر مسابقت میں سب سے آگے سمجھے جاتے ہیں۔ ادارہ جاتی عناصر کے علاوہ جو اجتماعات بناتے ہیں جو فن لینڈ، سنگاپور اور کوریا کے پاس پہلے سے موجود ہیں——ان ممالک میں اس ثقافتی مرکز کی کمی ہے جہاں جارحیت اور ٹیم کی تربیت، تنہائی اور ارتباط، اور چھوٹے ہو لیکن بڑے مدارج پر نظر رکھنے کا بھرپور مالیدہ بنایا گیا ہے۔

معیشت کے اس پوشیدہ، ثقافتی حصے کی مقدار کا اندازہ لگانا معجزے سے کم نہیں ہے، لیکن پروفیسروں کی ایک تحقیق میں ترپین ممالک کی ثقافتوں کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اس تحقیق میں ممالک کو تین متعین حدود کے مطابق درجہ بندی

کرنے کی کوشش کی گئی جو خصوصا'' کام کی جگہ پر اثر انداز ہوتے ہیں: کیا وہاں زیادہ درجہ وار ترتیب پسند یا مساوات پسند، زیادہ جارحیت یا تربیت دہندہ پسند، زیادہ انفرادیت یا اجتماعیت پسند؟

اس تحقیق میں اسرائیلی ثقافتی صفات کا نسبتاً غیر معمولی امتزاج پایا گیا۔اسرائیل جہاں کے لوگ انفرادیت پسند سمجھے جاتے ہیں اس لئے وہاں غالبا'' کم تربیت دہندہ ہوں. ذاتی امنگ شائد ٹیم ورک سے متصادم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قسم کا اعلٰی معاشرہ زیادہ درجہ وار ترتیب پر مبنی ہو۔

اسرائیل نے در حقیقت مساوات، تربیت اور انفرادیت میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔اسرائیلی اگر مسابقتی اور جارحانیت پسند ہیں تو وہ کیسے "تربیت" کر سکتے ہیں؟ وہ اگر اس قدر انفرادیت پسند ہیں تو یہ درجہ وار ترتیب اور "سپاٹ پن" کی کمی سے کیسے ہم آہنگ ہوتا ہے؟

اسرائیل میں دونوں کارفرما ہونے کی بظاہر متضاد صفات سپاٹ'' پن" اور اجتماعیت پسند دونوں با معنی بن جاتے ہیں جب فوج میں بہت سے اسرائیلی تجربہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ وہاں یہ سیکھتے ہیں کہ آپ کو اپنا مشن مکمل کرنے کا واحد طریقہ ایک ٹیم کے طور پر کرنا ہے۔ جنگی نعرہ "میرے بعد" ہے: کسی قیادت کو ذاتی مثال دیئے بغیر اور ٹیم کو ایک ساتھ اور آپ کے ساتھ جوش دلائے بغیر حملہ کرنا ممکن نہیں۔ کسی کو پیچھے نہیں چھوڑنا۔ آپ کو اوپر سے رہنمائی بہت کم ملتی ہے اور آپ کو خود فرض کر کے دکھانا ہے۔ اس کا مطلب ہے آپ کو خواہ چند اصول توڑنا ہیں۔ اگر آپ جونیئر افسر ہیں تو آپ اپنے اعلیٰ افسروں کو ان کے پہلے نام سے پکارتے ہیں، اور اگر آپ انہیں کچھ غلط کرتا دیکھتے ہیں تو آپ اسے متنبہ کرتے ہیں۔

آپ اگر ہائی اسکول میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں، سائنسی امتحان میں اچھے نمبر یا دونوں میں نمایاں تھے تو آپ کو IDF کے اعلٰے ترین یونٹوں کیلئے اچک لیا جائے گا جو آپ کو مہارتیں، سخت تربیت اور انتہائی مہم جُوئی کے دوران ممکنہ تجربہ کے ساتھ تیزی سے مہیا کرے گا۔ آپ کو لڑائی میں آپ کے حکم کے تابع درجنوں افراد اور لاکھوں ڈالر مالیت کا سامان دیا جائے گا اور آپ سے متوقع ہے کہ آپ جھٹ سے زندگی اور موت کے فیصلے کریں۔ آپ کو اعلٰے ترین ٹیکنالوجی کے یونٹوں میں جدید ترین نظام کے لیے ترقیاتی منصوبوں کا انچارج رکھا جائے گا۔ آپ کا تجربہ ایسا ہو گا کہ پرائیویٹ سیکٹر میں آپ سے دوگنا عمر والے کا بھی نہ ہو۔

آپ جب فوجی سروس مکمل کرتے ہیں، اگر آپ کے پاس صحیح منصوبہ ہے تو آپ کو سٹارٹ---اپ کی ہر ضرورت کی چیز کیلئے ایک فون کال ہی کافی ہو گی۔ ہر کوئی اس کے یا اس کے خاندان، یونیورسٹی، یا فوج کے مدار میں کسی ایسے شخص کو جانتا ہے جو انٹرپرینیور ہو یا مدد کرنے کا طریقہ سمجھتا ہے۔ ہر کوئی سیل فون یا ای-- میل کے ذریعے

قابل رسائی ہے۔ کاروباری فون کرنا قابل قبول ہے جو تقریبا کبھی بھی مکمل طور پر غیر کاروباری نہیں ہوتا۔ کاروبار شروع کرنے کے لیے اسے جس سے بھی رابطہ کرنے کی ضرورت ہے تقریباً ہر کوئی کچھ نہ کچھ تلاش کر سکتا ہے۔ یوسی وردی نے ہمیں بتایا، "سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"

سب سے اہم بات کہ ایک پر جوش نوجوان اسرائیلی کے لیے اسٹارٹ۔۔۔اپ کا آغاز کرنا یا ہائی ٹیک میں جانا سب سے قابل احترام اور "حسب معمول" سی چیز بن گیا ہے۔ دقیانوسی یہودی ماں، ایک اسرائیلی ماں، وہ بچہ کے ڈاکٹر یا وکیل بن جانے سے شائد مطمئن ہو لیکن وہ اپنے "اینٹر پینوریل" بیٹے یا بیٹی پر بھی کم از کم اتنا ہی فخر کر سکے گی۔ بہت سے دیگر ممالک میں جو کسی حد تک استثنائی ہیں، اسرائیل میں تقریباً معیاری پیشہ اپنانے کا راستہ بن گیا ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ ہر ایک جانتا ہے کہ اسرائیل میں بھی اسٹارٹ۔۔۔اپس کی کامیابی کے امکانات کم ہیں۔ کوشش کی لیکن ناکام ہو گیا تو کوئی بات نہیں۔ کامیاب ہونا بہترین بات ہے لیکن ناکامی کوئی بد نما داغ نہیں ہے؛ یہ ریزیومے کے لیے ایک اہم تجربہ ہے۔

اسرائیل کی کامیابی کا راز ٹیکنالوجی اجتماعات کے اعلٰے ترین عناصر کے ساتھ منفرد اسرائیلی عناصر کا مجموعہ ہے جس سے افراد کا تجربہ اور مہارتیں بڑھتی ہیں اور انہیں بطور ٹیمیں مل کر زیادہ مؤثر طریقے سے کام کر سکتے ہیں اور ایک قائم شدہ اور نمو پذیر کمیونٹی کے اندر مضبوط اور بآسانی دستیاب رسائی فراہم کرتے ہیں۔ بیرونی مبصرین کے لیے یہ ایک سوال پیدا کرتا ہے: اگر اسرائیلی ''خفیہ چٹنی'' اسرائیل کے لیے اس قدر منفرد ہے، دوسرے ممالک اس سے کیا سیکھ سکتے ہیں؟ جدت خوش قسمتی سے قلیل تو ہے لیکن یہ ایک قابل تجدید وسیلہ بھی ہے۔ محدود قدرتی وسائل کے برعکس، اس سے قطع نظر کہ ان کی ایجاد کہاں ہوئی، خیالات پھیل سکتے ہیں اور بہترین مقامات پر ہونے کے باعث ممالک مستفید ہو سکتے ہیں۔ جارج برنارڈ شا نے لکھا، "اگر آپ کے اور میرے پاس ایک ایک سیب ہے، اگر ہم سیب کا تبادلہ کریں تب بھی آپ اور میرے پاس ایک ایک سیب ہی ہو گا۔ آپ کا اور میرا اگر ایک ایک منصوبہ ہے اور ہم منصوبوں کا کا تبادلہ کرتے ہیں، پھر ہمارے دو منصوبے ہوں گے۔"

جدت اصولا'' ایک لا محدود وسیلہ ہے جو خود ہی پھیلتا جاتا ہے۔ اس عمل سے تقریباً ہر کمپنی زیادہ سے زیادہ مستفید ہونا چاہتی ہے۔ دنیا کی بڑی کمپنیاں بہت پہلے سیکھ چکی ہیں کہ اسرائیلی اختراعات سے مستفید ہونے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک اسرائیلی سٹارٹ۔۔۔اپ خریدیں اور ایک اسرائیلی آر اینڈ ڈی سینٹر، یا دونوں قائم کریں، ہماری بڑھتی ہوئی ہمہ گیر دنیا اور اس کی ساتھ کھلے وسائل کی طرف تحریک، کثیر الاقوامی کمپنیوں کو اس کی بہت کم

ضرورت ہے کہ ان ممالک کے کاروباری ماحول کو نقل کرنے کی کوشش کریں جن کے پاس اشیاء بنانے، اختراع، یا علاقائی مارکیٹ تک رسائی میں تقابلی فائدہ ہے۔

اس ذکر کے بعد بہت سی بڑی کمپنیاں سمجھتی ہیں کہ عالمی مارکیٹ میں جہاں تبدیلی واحد مستقل عنصر ہے وہاں طویل المدتی مسابقت کی بنیادوں میں سے ایک جدت ہے۔ ممالک اور کمپنیوں کے لیے یہ ممکن ہے کہ کسی اور جگہ کی ایجادات کا فائدہ اٹھا سکیں، وہیں جدت کا ذریعہ بننے کی بنا پر کارپوریٹ اور قومی فوائد بھی ہیں۔

اس مقصد کے لیے "اسرائیلی" جیسے ماحول کو متحرک کرنا شائد ممکن ہو۔ اِنٹیل اسرائیل کے Dov Frohman نے اسرائیل میں بھی ایسا کرنا ضروری سمجھا۔ اِنٹیل اسرائیل کیلئے اس کا اصل رہنمایانہ نعرہ یہ تھا کہ یہ "بحران میں بند ہونے والا آخری اِنٹیل پلانٹ ہو گا جب ان کے ملازمین کو یہ تفصیل بالکل بھلی نہ لگی تو اس نے اپنے نعرے کو "کامیابی کے ذریعے بقا" میں بدل دیا۔

اس کا مطلب تو بڑے مقصد کی کامیابی تھا لیکن محرک بقا تھا جس پر اندھا دھند اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ Frohman کیلئے بڑی کمپنی کی کامیابی کی کلید "ایک خطرناک سٹارٹ ـــــ اپ کا ماحول برقرار رکھنا۔" تھی۔

دیگر جمہوریتوں میں اسرائیل کی طرح فوجی بھرتی کی کوئی وجہ نہیں ہے، ایک لازمی یا رضاکارانہ قومی خدمت کا پروگرام جو کافی مہم جُو ہو، کالج شروع کرنے سے پہلے کالج کی عمر کے نوجوانوں کو ـــــ قیادت، ٹیم ورک، اعلٰے مقصد پر مبنی مہارتیں اور تجربہ جو اسرائیلی فوجی خدمات کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ ایسا پروگرام سماجی یک جہتی بڑھانے کے ساتھ ذاتی اغراض سے بڑھ کر کسی چیز کی خدمت کی قدر پیدا کرنے میں مدد کرتا ہے، خواہ وہ خاندان، برادری، کمپنی یا ایک قوم ہو۔

جب امریکی فوجی زن و مرد عوامی زندگی میں تبدیل ہو رہے ہوں، وہ جب نوکری کے لیے درخواست دیں تو انہیں فوجی تجربہ پر زور نہ دینے کا مشورہ نہیں دینا چاہئے۔ کسی بھی قوم، درحقیقت دنیا کے لیے جدت بڑھانے کو داؤ پر لگانے کے امکانات بے شمار ہیں. پال رومر، جو "نئی نمو کا نظریہ" کا بانی سرکردہ ماہر معاشیات سمجھا جاتا ہے، بتاتا ہے کہ 1870 اور 1992 کے درمیان امریکی اوسط سالانہ شرح نمو 1.8 فیصد تھی جو برطانیہ سے تقریباً نصف فیصد زیادہ تھی۔ اس کا خیال ہے کہ یہ مسابقتی برتری نے امریکی "ادارے بنانے کی تاریخی نظیر کے ذریعہ برقرار رکھا ہے جو بہتر اختراعات کی طرف لے جاتے ہیں۔" رومر تجویز کرتا ہے کہ سائنس اور انجینئرنگ کے مطالعہ کیلئے گریجویٹ اور انڈر گریجویٹ طلباء کو مالی مدد فراہم کرنا اقتصادی ترقی کو فروغ دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ، "پورٹ

ایبل فیلو شپس "کا نظام، جس میں طلباء کسی بھی ادارہ میں جا سکتے ہیں جہاں لیب ڈائریکٹرز اور پروفیسرز کو صرف اپنی ہی نہیں بلکہ طلباء کی تحقیق اور کیریئر کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے مقابلہ کرنے کی ترغیب دے گا۔

رومر بتاتا ہے کہ ترقی اور پیداواری صلاحیت میں سب سے بڑی چھلانگیں میٹا آئیڈیاز "کی مرہون منت ہیں جنہوں نے منصوبے پیدا کرنے اور ان کے پھیلاؤ میں اضافہ کیا۔ پیٹنٹس اور کاپی رائٹس ایک اہم میٹا آئیڈیا تھا جسے انگریزوں نے سترہویں صدی میں ایجاد کیا۔

امریکیوں نے انیسویں صدی میں جدید تحقیقی یونیورسٹی اور بیسویں صدی میں ہم مرتبہ نظر ثانی شدہ مسابقتی تحقیقی گرانٹ کا نظام متعارف کروایا۔ "ہم نہیں جانتے کہ خیالات کی حمایت کرنے کے متعلق اگلا بڑا منصوبہ کیا ہو گا اور ہم اس سے بھی لاعلم ہیں کہ یہ کہاں سے ابھرے گا" رومر نے لکھا، "دو محفوظ پیش گوئیاں البتہ موجود ہیں۔ پہلی، وہ ملک اکیسویں صدی میں برتری حاصل کرے گا جہاں جدت کا نفاذ زیادہ مؤثر طریقے سے نجی شعبے میں نئے منصوبوں کی پیداوار کے موافق ہو گا۔ دوسری، اسی قسم کے نئے میٹا آئیڈاز ملیں گے۔"

صدر پیریز کے ساتھ ہماری ملاقات کا تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ اس کی اگلی طے شدہ ملاقات شروع ہونے والی تھی، اور ہم نے الوداع کہنے کی تیاری کی۔ ہم جب ایسا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور بولا، "آپ آدھے گھنٹہ بعد واپس آجائیں تو ہم بات چیت جاری رکھ سکیں گے۔" ہم نے یہی کیا، اور اس نے جائزہ لیا کہ آئندہ سالوں میں اسرائیلی پالیسی سازوں اور اینٹرپرینیورز کے لیے اس کا پیغام کیا ہو گا: "پرانی صنعتوں کو چھوڑ دو۔ پانچ نئی صنعتیں ہوں گی۔ زبردست — توانائی کی نئی اقسام، پانی، بائیو ٹیکنالوجی، تدریسی آلات — اساتذہ — اور دہشت گردی کے خلاف دفاع کے لیے نجی سیکورٹی۔" نینو ٹیکنالوجی کی تحقیق، جس کے لیے پیریز نے فنڈنگ قائم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا، کے متعلق پیش گوئی کی کہ یہ ان تمام نئی اور دیگر صنعتوں میں بھی پہنچ جائے گی۔

ہم نہیں جانتے کہ پیریز نے آیا صحیح صنعتوں کا انتخاب کیا، لیکن نکتہ یہ نہیں ہے۔ بچاسی سالہ میں اب بھی سوچنے اور نئی صنعتوں کیلئے وکالت کرنے کا تہور موجود ہے۔ وہ اسرائیلی معاشرے میں جیسے کرتے ہیں (اور اسرائیل کی تمام تاریخ میں ایسا کیا ہے)، اچانک جاگی تحریکات اور اختراعات ایک دوسرے میں ضم ہو جاتی ہیں۔ اس مشترکہ جاگی تحریک کے وسط میں ایک فطری بصیرت ہے کہ اکیسویں صدی میں ہر ترقی یافتہ ملک کو درپیش مہم ایک منصوبہ فیکٹری بننا ہے جس میں نجی طور پر منصوبے پیدا کرنا اور بیرونی پیدا کردہ منصوبوں سے فائدہ اٹھانا، دونوں شامل ہیں۔ اسرائیل دنیا کی اہم ترین منصوبہ فیکٹریوں میں سے ہے اور مستقبل کے میٹا منصوبوں کا سراغ فراہم کرتا ہے۔ جدت

کو وجود میں لانا کئی ایک سطحوں پر ایک باہمی عمل ہے جو ٹیم سے لے کر کمپنی تک، ملک تک اور دنیا تک ہے۔ کئی ممالک کی بڑے کمپنیاں اس عمل میں مہارت حاصل کر چکی ہیں۔ بہت ہی کم نے ایسا کچھ جدت پر مبنی آغاز کا عمل، سٹارٹ --اپ سب سے خطرناک اور متحرک ترین سطح پر کیا ہے۔ اسرائیل کو دنیا سے اور دنیا کو اسرائیل سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ پیریز نے ہمیں بتایا، دونوں اطراف میں محتاط ترین چیز، جرات کرنا ہے۔

اعترافات

یہ کتاب ہم دونوں کے درمیان اپریل 2001 میں ایک طویل بحث کے طور پر شروع ہوئی جب ڈین 28 ہارورڈ بزنس سکول کے ایک ہم جماعتی گروپ کو اسرائیل لے کر آیا۔

مقصد اسرائیل کی معیشت، سیاست اور تاریخ کو دریافت کرنا تھا۔ یہ اسرائیل میں کاروبار کے وسیع مواقع کا وقت تھا لیکن امن کا عمل ڈھیر ہونے کے ساتھ ہی عدم تحفظ بڑھ گیا۔ طالب علموں میں سے تقریباً کسی کا اسرائیل سے سابقہ تعلق نہیں تھا---در حقیقت ان میں سے صرف تین یہودی تھے۔ وہ مختلف ممالک: برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، سپین، اٹلی، پرتگال، اور بھارت سے آئے تھے۔ ہفتہ بعد کئی ایک، ایک ہی سوال پوچھ رہے تھے: یہ سب جدت اور اینٹرپرینیور شپ کہاں سے آئیں؟

ہمیں احساس ہوُا کہ ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ساؤل اس کے بعد سال ہا سال یروشلم پوسٹ کے اداریے میں اسرائیلی معیشت کے متعلق لکھتا تھا اور ڈین تقریباً ہر دوسری سہ ماہی اسرائیل اسٹارٹ ۔۔۔اپس میں سرمایہ کاری کرنے اور فیملی سے ملنے آتا تھا۔ ڈین کسی متاثر کن اسرائیلی اینٹرپرینیور سے ملاقات کرے گا، یا ساؤل کچھ نمایاں کرے گا، ہمارا تجسس بڑھ گیا۔ ہم نے فرض کر لیا کہ کوئی ایسی کتاب ضرور ہو گی جس میں بتایا گیا ہو کہ اسٹارٹ ۔۔۔اپ منظر کو اتنا متحرک اور بظاہر ناگوار سیکورٹی کی صورت حال سے لاپرواہ ہونا کس چیز نے بنایا۔ کوئی ایسی کتاب تھی نہیں لہٰذا ہم نے ایک کتاب لکھنے کی ٹھانی۔

ہم بہت سے لوگوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس دوران ہماری مدد کی۔ ہم جوناتھن کارپ کی سب سے زیادہ تعریف کر سکتے ہیں جو اس کے بانی اور بارہ کے پیچھے طاقت ہے کہ وہ کتاب کی دنیا میں ایک حقیقی جدت پسند ہے۔ وہ ہر سال صرف بارہ کتابوں کی اشاعت کرتا ہے، عظیم ترین غیر متنوع سرمایہ کار ہے. جون نے ہمیں بہت کچھ سکھایا، ان میں سب سے اہم یہ کہ بحث کم کرو اور کہانی زیادہ سناؤ۔

مصنفین نے یہ کتاب لکھنے کے لئے قریباً دو سو کتب ورسائل سے مواد حاصل کیا نیز ۱۰۰ اشخاص کے انٹرویو لئے! دانستہ بخوف طوالت فہرست کتب اور انٹرویوز کے حوالہ جات حذف کر دیئے گئے۔

مترجم　　　　　　　　نعیم پیر مپوری

دیگر تراجم: آن پی ڈی ایف archieve.org

۱ بین الاقوامی یہودی، ایک اہم مسئلہ	ہنری فورڈ، بانی فورڈ موٹر کمپنی 1922/3
۲ تیرھواں قبیلہ (اہل یہود کا)	آرتھر کوئیسلر، ۱۹۷۶
۳ سٹارٹ اَپ نیشن (اسرائیل)	ڈین سینر، ساؤل سِنگر، ۲۰۰۹
۴ دَرجاتِ محمد (۱۲ سے ۲۰ صدی تک)	جان ٹولن، ۲۰۱۹
۵ جوئے خوں اور مقدس ایمان	میتھیو کار، ۲۰۰۹
٦ محمد نزم	سنوک ہر خرونئے

1 - International jew	by Henry ford
2 - Thirteenth tribe	by Arthur Koestler
3 – Start - up Nation	by Dean Senor, Saul Sanger
4 - Faces of Mohammad	by John Tolan
5 – Blood and faith	by Mathew Carr
6 - Mhhammadnism	by Snooke Hargronje